هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ

بیان للناس

جلد ششم

احمد الدین

دوست ایسوسی ایٹس
پبلشرز بک سیلرز اینڈ جنرل آرڈر سپلائرز
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
Phone : 7122981 Fax : 092-42-7122981
email:shahid.adil@usa.net

جملہ حقوق محفوظ

1999ء

محمد شاہد عادل نے
عالمین پریس سے چھپوا کر
دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار لاہور
سے شائع کی۔

مکمل سیٹ۔ /۲۰۰۰
قیمت جلد ششم، ہفتم۔ ۴۵۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

قرآن مجید سے جو محبت مسلمانوں کو ہے اسے مدنظر رکھتے ہوئے اس کتاب عظیم کو سمجھنے سمجھانے کے لیے ہزاروں تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے زیادہ تفسیریں تو عربی زبان میں ہیں تاہم اردو زبان میں بھی ان مبارک کتابوں کی کوئی کمی نہیں' اردو کی ان تفاسیر میں سے مندرجہ ذیل پانچ تفاسیر اپنے اپنے وقت میں بڑی مشہور اور ہر دلعزیز ہوئیں۔

۱	تفسیر مواہب الرحمٰن از مولوی سید امیر علی صاحب	تیس جلدوں میں
۲	تفسیر القرآن بالقران از سر سید احمد خان	سات جلدوں میں
۳	تفسیر غرائب القران از ڈپٹی نذیر احمد صاحب	ایک ضخیم جلد میں
۴	تفسیر بیان للناس از خواجہ احمد دین امرتسری	سات جلدوں میں
۵	تفسیر القران از مولوی عبد اللہ چکڑالوی صاحب	ایک ضخیم جلد میں

یہ تمام تفاسیر کچھ عرصے سے نایاب تھیں۔ ان تفاسیر میں کچھ باتیں ہمارے قدامت پسند علماء حضرات کے مزاج کے خلاف تھیں اس لیے کوئی ناشر انہیں شائع کرنے پر تیار نہ تھا۔ لیکن پڑھے لکھے لوگ جو قرآن مجید کو موجودہ دور کی روشنی میں سمجھنا چاہتے تھے۔ برابر ان تفاسیر کی اشاعت کا مطالبہ کرتے رہے۔ تفسیر مواہب الرحمٰن کو تو دو ناشروں نے بڑے خوبصورت انداز میں شائع کر دیا لیکن دوسری تفاسیر کے بارے میں ان کا رویہ حوصلہ افزا نہیں تھا۔ راقم نے جب انہیں قائل کر دیا کہ جو علماء حضرات ان تفاسیر پر تنقید کرتے ہیں۔ انہوں نے ان تفاسیر سے صفحات نقل کر کے اپنی تحقیق کے طور پر پیش کیا ہے۔ تو پھر انہوں نے ان تفاسیر کی اشاعت کی حامی بھرلی۔

ان میں سے پہلے ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی تفسیر غرائب القران شائع ہوئی پھر سرسید احمد خان کی تفسیر کی باری آئی اور اب خواجہ احمد دین صاحب کی تفسیر "بیان للناس" تعلیم یافتہ لوگوں کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ ان پانچوں تفاسیر کی سب سے بڑی اہم خصوصیت یہ تھی کہ ان کے مولف نہ صرف یہ کہ عربی زبان کے بہت بڑے عالم تھے بلکہ اپنے زمانے کے لحاظ سے کافی روشن خیال تھے۔ اور عربی زبان کے علاوہ دوسرے علوم پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ خواجہ صاحب عربی زبان کے استاد ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑے جغرافیہ دان بھی تھے' اسلئے قرآن مجید کے جن مقامات کا تعلق جغرافیہ سے تھا' اسکی انہوں نے بہت ہی خوبصورت تفسیر بیان کی ہے۔ امید ہے کہ موجودہ دور کے قارئین اس تفسیر کو بہت پسند کریں گے۔

جہاں تک مولوی عبد اللہ چکڑالوی صاحب کی تفسیر کا تعلق ہے۔ تو بندہ نے اس کی تعریف اپنے پردادا سے سنی تھی' اور کوشش کے باوجود مجھے یہ تفسیر کہیں سے نہ مل سکی۔ اتفاق سے جب میں کالج سے ریٹائر ہوا تو یہ تفسیر مجھے مل گئی۔ اس کی تقطیع بہت بڑی ہے۔ انشاء اللہ اس نادر تفسیر کو بھی جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

اچھرہ لاہور　　　　　　دعاگو

۱۸ اپریل ۱۹۹۸ء　　　　　　رفیع اللہ شہاب

تفسیر بیان للناس

جلد ششم

——— سورتوں کا انڈکس ———

مشتمل بر منزل ششم

	نام سورۃ	نمبر سورہ	صفحہ
☆	الصافات	۳۷	۳
☆	ص	۳۸	۴۸
☆	الزمر	۳۹	۸۴
☆	المومن	۴۰	۱۳۲
☆	حم سجدہ	۴۱	۱۸۹
☆	الشوریٰ	۴۲	۲۱۵
☆	الزخرف	۴۳	۲۴۱
☆	الدخان	۴۴	۲۶۸
☆	الجاثیہ	۴۵	۲۸۰
☆	الاحقاف	۴۶	۲۹۷
☆	محمد	۴۷	۳۱۶
☆	الفتح	۴۸	۳۳۳
☆	الحجرات	۴۹	۳۴۹

عرضِ مرتّب

حضرت خواجہ احمدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں تفسیر بیانُ للنّاس کی چار پہلی منزلیں اور ایک آخری ساتویں منزل مکمل فرمائیں اور پانچویں منزل سورۃ قصص کی آیت ۷۰ تک بھی حضرت مرحوم ہی کے قلم مبارک سے مرقوم ہوئی۔ اس کے بعد قصص کے باقی حصے سے سورۃ یٰسٓ تک اور زیرِ نظر منزل تمام تر حضرت خواجہ مرحوم کے فرمودہ خُطباتِ جمعہ کی یادداشتوں سے مرتب کی گئی ہے۔ مَیں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ حضرت مرحوم کے معانی و مطالب کو اپنے الفاظ میں پیش کردوں۔ امید ہے کہ میری یہ ناچیز محنت دوستوں کے بڑھتے ہوئے شوق کے لیے کسی قدر تسکین کا موجب ثابت ہوگی۔

عبداللہ (پہلوان)

فہرست مضامین سورۃ والصّافات

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
موجودات حکمت الٰہیہ کے مطابق مربوط ہیں۔	۳	جہنم کی بد ذائقہ دوا و خوراک کے لیے مجرموں	
کاہنوں کے ادعائے الہام۔	۳	کی مجبوری۔	۱۸
پیش گوئیوں کو دیکھ کر رسول اللہ پر الزام کہانت۔	۴	آباؤاجداد کی کورانہ تقلید کی سزا	۱۸
اجرام فلکی کے مقابلے میں انسان کیا ہے؟	۵	ایذائے مسلمین سنت ظالمین ہے۔	۱۸
نظم عالم میں بدنظمی کو دخل نہیں۔	۵	مفسدین کے لیے دنیا کی رسوائی اور آخرت	
شہاب دافع شیاطین ہیں۔	۷	کا عذاب۔	۱۹
کفار خدائی نشانوں کو دھوکا کہتے ہیں	۸	عذاب میں اہل ایمان کا شمول مگر آخرت میں اجر عظیم	۲۰
دوزخ و جنت کا بیان مثالیہ رنگ میں ہے جس		رکوع سوم	۲۰
سے مراد بدوں کو ڈرانا اور نیکوں کو خوشخبری ہے	۱۰	آہ مظلوم سے قانون الٰہی میں حرکت۔	۲۰
رکوع دوم	۱۱	وحدت مقصد انبیاء۔	۲۰
کفر کے پیشواؤں اور پیروؤں کے لئے یکساں عذاب ہے	۱۳	وحدت امم انبیاء	۲۰
دوزخیوں کا جرم صداقت وحدت کی دعوت سے تکبر ہے	۱۳	حضرت ابراہیم کی بت شکنی اور مفسرین کی رنگ	
کفار کا رسول اللہ کو شاعر اور دیوانہ کہنا۔	۱۳	آمیزیاں۔	۲۱
منکر حق کی سزا عذاب الیم ہے۔	۱۳	حضرت ابراہیم کی بت پرستی سے طبعاً بیزاری اور	
قرآن جامع تعلیمات انبیاء ہے۔	۱۴	تبلیغ توحید۔	۲۱
جنت میں عورتوں کی موجودگی پر اعتراض کا رد	۱۵	بت شکنی کی وجہ	۲۲
عورتوں کا بھی نیک اعمال کی بنا جنت میں جانا ضروری ہے	۱۵	بڑے بت کو نہ توڑنے کا سبب	۲۲
جنت میں عظمت و عفت کی تصریح۔	۱۵	حضرت ابراہیم کا حلفیہ اعلان بت شکنی	۲۴
عورت کی نئی بہشتی زندگی	۱۵	حضرت ابراہیم پر جھوٹ کا الزام	۲۵
استعمال عقل ضروری ہے تقلید موجب عذاب ہے	۱۶	صدیقاً نبیا اور تین جھوٹ	۲۶
درخت [illegible] حقیقتاً مراد نہیں۔ دوزخی ہونا		حضرت نوح کی دعائے مقبول	۲۸
[illegible] سے بھی محروم	۱۶	"پسر نوح"	۲۸
جنت کی ابدی زندگی کی طرف اپنی ترغیبات	[illegible]	اقوام عالم میں نوح کی تعظیم	۲۹

مضمون	صفحہ
جزائے محسنین	۲۹
مشرکوں کی ایذا سے حضرت ابراہیمؑ کی حفاظت	۳۰
حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت شام اور بیٹے کے لیے دعا	۳۱
خوبی اعمال سے ہے، نسب سے نہیں۔	۳۲
رکوع چہارم	۳۲
اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں سے کام لیتا ہے اور سب توفیق اسی کی طرف سے ہے۔	۳۳
قوم الیاسؑ کی "بعل" پرستی	۳۳
قوم الیاسؑ کے نیک لوگوں کا عذاب سے بچ جانا	۳۳
متعلقین لوطؑ بھی سوائے ان کی خائنہ بیوی کے بچا لیے گئے۔	۳۴
ان واقعات سے درس عبرت۔	۳۴
حضرت لوطؑ پر انفرادی طور پر سلام نہ آنے کی وجہ	۳۵
پست اقوام کا ارتفاع تصرف الٰہی کی دلیل ہے	۳۵
الیاس اور الیاسین میں فرق۔	۳۶
قوم لوطؑ کی عورتیں کیوں تباہ ہوئیں؟	۳۷
قوم لوطؑ کا علاقہ بحیرۂ مردار ہے۔	۳۷
ظلم کا بدانجام اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے	۳۷
کوئی شخص بشری لغزشوں سے پاک نہیں	۳۸
جناب یونسؑ پر منفردانہ سلام نہ آنے کی وجہ ان کی عجلت ہے۔ توبہ و استغفار سے ان کا دوبارہ حصول خلافت	۳۹
حشر کے متعلق ایک منصوص نکتہ	۴۰
جناب یونسؑ توبہ کرکے پھر سے نبی بنے	۴۱
بعد از وقت توبہ بے سود ہے۔	۴۱

مضمون	صفحہ
قوم یونسؑ کی برمحل توبہ	۴۱
قوم یونسؑ کا عروج و زوال	۴۱
اللہ کا رسولوں سے وعدۂ نصرت	۴۵
خدا کے حضور رسولوں کا عجز و بندگی	۴۶
رسولؐ کو مسحور کہنے والے ظالم ہیں	۴۷

سورۃ ص

مضمون	صفحہ
رکوع اوّل	۴۸
حرف سے علم اور بیج سے درخت کی تربیت خدا ہی کا کام ہے۔	۴۸
انسانی تقدس و تجمل خطا سے مبرّا نہیں۔	۴۸
قرآن کی ہدایت سہل و کافی ہے۔	۴۸
خدا کے کام اور کلام سے استفادہ باعث فلاح ہے	۴۹
انسان کے تراشیدہ عقائد باعث امن نہیں ہوسکتے	۴۹
کفار کا زعم عزت اور مخالفت قرآن	۴۹
خدا نے کوئی شے عبث نہیں بنائی	۴۹
اصل چیز تعلیم ہے نہ کہ معجزات	۵۰
الٰہ قابل تقسیم نہیں	۵۰
تکذیب انبیاء اور تکذیب تعلیمات الٰہیہ ایک ہی چیز ہے	۵۳
تعلیم الٰہی اور انبیاء کی حیثیت	۵۳
رکوع دوم	۵۳
خدا کی مہلت و گرفت حکیمانہ ہوتی ہے۔	۵۴
تاخیر عذاب اور تلقین صبر	۵۴
حوصلہ مندی کی تلقین اور حضرت داؤدؑ کی مثال	۵۴

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
جنّ، طیر، ہُدہُد وغیرہ سب انسان تھے	۵۵	عملِ صالح کفیلِ نجات ہے	۶۷
نبوت کے باوجود حضرت داؤد کی بشریت	۵۶	رکوع چہارم	۶۷
انبیاء خدا کی صف میں کھڑے نہیں کیے جاسکتے	۵۶	توکل میں استغفار اُسوۂ ایوبی ہے	۶۷
جناب داؤد کا تسامح اور توبہ	۵۷	عفوِ الٰہی کے شکریے میں دشمنوں کو معاف کرنا	۶۷
توبہ میں تعجیل	۵۷	انتقام کی بجائے عفو اولوالعزمی ہے۔	۶۷
ترکِ ہوٰی وتسلیمِ رضا	۵۸	شیطان کا عالمگیر اثر اور اس سے بچاؤ کی تلقین	۶۸
خدا کے سوا کوئی حکمِ مطلق نہیں	۵۸	ہر نکوکار رحمتِ عامہ کا مستحق ہے۔	۶۹
انسان کی گھبراہٹ اور صراطِ مستقیم کی ضرورت	۵۹	اتحاد برکت اور تفرقہ مصیبت ہے	۶۹
توبہ میں تاخیر کرنے سے گناہ کی مشق نہ بڑھائیں۔		حالاتِ داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوب وغیرہ میں عُقلاء	
یہی انبیاء وصلحاء کا مشن ہے۔	۵۹	کے لیے سبق۔	۶۹
رکوع سوم	۵۹	آخرت میں اعمال کے مطابق جسمِ لطیف	۷۱
کوئی مخلوق عبث نہیں	۵۹	جزا میں کسی کی رعایت نہیں	۷۱
مومنین ومفسدین کے انجام میں فرق	۶۰	متقی اور جنت	۷۱
قرآن اور دعوتِ تدبر	۶۰	جنت کی حقیقت کا تصور نہیں ہوسکتا۔	۷۲
اہلِ عقل کی ستائش	۶۰	جنت کی سدا سکھ زندگی۔	۷۲
آدم وحوا اور سب لوگ صرف اپنے ہی عمل کے		جنت کی نعمتیں ضائع نہیں ہوتیں۔	۷۲
جواب دہ ہیں۔	۶۱	سرکشوں کی بدانجامی	۷۳
صراطِ مستقیم کی طلب سے نزولِ برکات	۶۱	جہنمیوں کی مناسبِ اعمال خوراک	۷۳
ابتلائے فتنہ میں استغفار	۶۱	جہنم میں ائمہ کفر اور اُن کے پیروؤں کی تلخ کلامی	۷۳
عجزِ انبیاء وپرستشِ انبیاء؟	۶۱	دوزخیوں کا اعترافِ تقصیر	۷۵
حضرت سلیمانؑ کے متعلق مفسرین کے افسانے	۶۲	دوزخ میں تابع ومتبوع کا مناظرہ	۷۵
حضرت سلیمانؑ کی آزمائش	۶۳	رکوع پنجم	۷۵
توجہ الی اللہ سے حلِ مشکلات	۶۶	نجات، توحید اور تذکیر	۷۵
مصائب انسانی اعمال کا نتیجہ ہیں	۶۶	الٰہ وہ ہے جس کا ارادہ کوئی ٹال نہ سکے۔	۷۶
توبہ میں تعجیل داؤدؑ وسلیمانؑ کی سنت ہے۔	۶۶	دو الٰہ قطعاً نہیں ہوسکتے۔	۷۶

مضمون	صفحہ
عظمت توحید، شکر اور فلاح	۷۶
صحت و مرض اور حق و باطل کا مقابلہ	۷۷
ملائکہ، آدم اور ابلیس کا حالی مکالمہ	۷۷
ابلیس کی حقیقت	۷۷
لفظ ابلیس اور شیطان میں فرق	۷۹
مخلص بندوں پر شیطان کا غلبہ نہیں ہوتا۔	۸۱
راوی کی بجائے روایت کو جانچو	۸۱
ابلیس کے قول حق کی ربانی تصدیق	۸۱
شفاخانہ میں مریض کا مرض سمیت داخلہ	۸۱
مریض کو درد محسوس ہوتا ہے، مرض کو نہیں	۸۱
جہنم میں شیطانی مرض کو دور کرنا مقصود ہے اگرچہ مریض کو تکلیف ہو۔	۸۲
خدا نے جہنم سے بچنے کے طریقے بتا دیئے ہیں۔	۸۲
قرآن عالم گیر نصیحت ہے۔	۸۳
نتیجہ عمل سے دور نہیں۔	۸۳

سورۃ الزمر

مضمون	صفحہ
رکوع اوّل	۸۴
قرآن توحید سے مملو ہے	۸۴
قرآن پر غیر قرآن قاضی و حاکم؟	۸۴
نبی کریمؐ پر قرآن اترا نہ کہ بخاری، مسلم وغیرہ	۸۵
قرآن مجید میں تمام بنیادی اور متعلقہ علوم آگئے ہیں	۸۵
دو احکم الحاکمین ماننا شرک ہے۔	۸۵
شفاعت و کفارہ وغیرہ پر ایمان، جرم عظیم ہے	۸۵
ہیر پھیر ڈال کر غلط کو صحیح بنانا بے حیائی اور ڈھٹائی ہے	۸۵
انسانی شرف کو غیر اللہ کی غلامی سے آلودہ کرنا شرک عظیم ہے۔	۸۶
عقل کو نہ برتنا بہیمیت ہے	۸۶
انسانی فطرت حق کی طرف ہادی ہے، توحید واضح ہے۔	۸۶
نیکی اور بدی سب پر واضح ہے	۸۷
تدریجی ارتقاء عالمگیر ہے	۸۷
تعدد الٰہ تباہی خیز ہے	۸۷
خدا کی ذات لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ہے	۸۷
خدا کا دوست، بیٹا، معشوق وغیرہ کوئی نہیں	۸۷
وہ احتیاج سے پاک اور بے نیاز ہے۔	۸۷
اکیلا ہی غالب اور اپنے ارادہ و اختیار میں آزاد ہے۔	۸۸
تمام انسان آدم و حوا میں جرثومہ کی صورت میں تھے	۸۹
حیوانات کے آٹھ جوڑوں کی تشریح	۸۹
بغیر جوڑے کے پیدائش کی تردید	۹۰
ہر شخص کا نامۂ اعمال خلاصی یا گرفت کے لیے کافی ہوتا ہے۔	۹۲
دکھ سکھ میں خدا کی رضا کو مدنظر رکھنا چاہیے	۹۳
قرآن میں فکر و تدبر کی تعریف	۹۴
حکمت خیر کثیر ہے۔	۹۴
نادان چار پایوں سے بدتر ہیں۔	۹۴
رحمٰن کے بندے آیات کو سمجھے بغیر نہیں مان لیتے	۹۴
اہل دانش دوزخ سے ڈرتے ہیں۔	۹۴

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
رکوع دوم، سوم	95	رسولوں کی بشریت اور پیروؤں کے افترآت	109
عمل صالح کا اجر دنیا میں بھی ملتا ہے لیکن		رکوع چہارم	110
عاقبت میں بکمال وتمام ملتا ہے۔	95	اللہ تعالیٰ کی نظر دلوں اور نیتوں پر	112
صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد	95	کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں؟	112
اختیار وساوسے کا سارا صرف ایک ذات واحد		خدا تعالیٰ کا ارادہ بہر حال پورا ہو کر رہتا ہے۔	113
ہی کا ہے۔	96	متصرف حقیقی وہی ذات ہے۔	115
رضائے الٰہی کے سامنے سب رضامندیاں ہیچ ہیں	96	مصنوعی عظمت سراب ہے	115
فرضاً اگر رسولؐ بھی منشاء حق سے خلاف کریں		غلبہ حق و شکست باطل	115
توان کی رعایت نہ کی جائے گی۔	96	دشمنوں کے سامنے اسلام کا غلبہ	115
مدعیان اسلام کا شرک اور اس پر اصرار	97	قوموں کا عروج وزوال اور سنت اللہ	116
سوائے خدا کے تمام سہارے اور بھروسے تار		پیروان قانون الٰہی کا غلبہ	116
عنکبوت سے بھی کمزور ہیں۔	97	رکوع پنجم	117
دین میں جبر نہیں دوزخ یا جنت کی جونسی راہ		شفاعت اللہ ہی کے لیے ہے	117
پسند آئے اختیار کرو۔	98	وفات کی دو قسمیں۔ موت، نیند اور بس	118
حقیقت کے لحاظ سے مشرکین کی دنیا میں کچھ حیثیت	98	دربار الٰہی میں کسی کو شفاعت کی جرأت نہیں	119
بغیر دلائل کسی کی بات ماننا اس کی پوجا ہے۔	99	منکرین آخرت کی خدائے واحد کے ذکر سے نفرت	120
مجتہدانہ روش نہ کہ مقلدانہ	100	مالک حقیقی سے دوری، تباہی ہے۔	121
حنفیت مالکیت وغیرہ	102	مومن مصائب میں متوکل رہتا ہے۔	125
قرآن رافع اضطراب و ماحی باطل ہے	103	رکوع ششم	125
قرآن مجید میں جو کچھ ہونا چاہئے وہ ہے	106	نزول قرآن کے بعد کوئی عذر قابل قبول نہیں	123
قرآن کی زبان ہمیشہ زندہ رہے گی	107	آخرت سے دلیسی محال ہے	126
ایک عورت کے دو خداوند والی مثال	107	پیغمبر افترا کرے تو قتل ہوگا۔	127
سب حمد اللہ کامل مطلق کے لیے ہے۔	108	آخرت میں مشرک کی بری گت	127
خدا کے سوا کوئی ذاتی ستائش کا اہل نہیں	108	عقبیٰ میں متقین کی نوازش	127
احیائے موتی اور صنیب شق القمر اور دین کالا	109	خدا ہر چیز کا رب اور قابل توکل ہے	128

مضمون	صفحہ
خدا کے سوا کوئی صحیح اندازے نہیں لگا سکتا۔	۱۲۸
وہی ہر چیز پر قابض ہے	۱۲۸
ارض و سموات کی چابیاں اسی کے پاس ہیں	۱۲۹
متصرفِ حقیقی کو چھوڑ کر عاجز انسانوں پر توکل کرنا ظلم ہے۔	۱۲۹
رکوع ہفتم	۱۲۹
اصل مطاع	۱۲۹
شرک کی معافی نہیں	۱۳۰
نیکوں کا اجر، مومن برزخ سے مستثنیٰ	۱۳۱
شہیدوں کی ہندسی مثال	۱۳۲
جنت کا عرض ارض و سما کے برابر ہے	۱۳۳
عدلِ الٰہی کے سامنے اپیل کی گنجائش نہیں	۱۳۴
پورا بدلہ	۱۳۴
رکوع ہشتم	۱۳۴
عدلِ الٰہی بے نقص ہے	۱۳۵
قرآن مناسب موقع پر آیا	۱۳۵
اکمل کتاب	۱۳۶
ختم نبوت	۱۳۶
اتمام حجت	۱۳۷
رسولوں کے رسول	۱۳۷
آیات مقصود ہیں	۱۳۸
نبی و رسول میں فرق	۱۳۸
ناقابلِ معافی عذاب	۱۳۸
مومن و متکبر کے انجام میں فرق	۱۳۹
ایمان میں پورا اترنا	۱۴۰
عرش کے حامل اور گرد والے	۱۴۱

سورۃ المومن

مضمون	صفحہ
رکوع اوّل	۱۴۲
بیج میں درخت	۱۴۲
نطفہ میں انسان	۱۴۲
حروف میں علم	۱۴۲
آخری فیصلہ	۱۴۳
سچی توبہ	۱۴۳
جہنم علاج ہے	۱۴۴
شفاعت ثابت نہیں۔	۱۴۴
طاغوں کی ذہنیت	۱۴۴
آیات میں مجادلہ	۱۴۵
الٰہی گرفت	۱۴۶
امانت	۱۴۷
دین فطرت	۱۴۸
خدا کے حکیمانہ کاموں میں شفاعت کی گنجائش نہیں	۱۴۹
رکوع دوم سوم	۱۵۰
مشرکین کا خلاصی کی راہ ڈھونڈنا	۱۵۰
نظام کائنات اور اللہ کی نشانیاں	۱۵۲
پیشی کا دن	۱۵۳
اللہ جلدی حساب لینے والا ہے	۱۵۳
پیشی کے دن دل حلق میں اٹکتے ہیں	۱۵۴
خدا آنکھوں کی خیانتوں کو بھی جانتا ہے۔	۱۵۴

مضمون	صفحہ
ہر شخص کو نیکی اور بدی کا الہام ہوتا ہے	۱۵۵
اگلوں کے انجام سے عبرت	۱۵۶
سرکشوں کی تباہی اور مصر وفرعون کی مثال	۱۵۷
بنی اسرائیل کے بیٹوں کا قتل	۱۵۸
فرعون کی چال کی ناکامی	۱۵۸
تکبر کی وجہ	۱۶۰
فرعون کا مومن قریبی	۱۶۰
قرآنی تصدیق	۱۶۰
حکمت	۱۶۱
ظلم عظیم	۱۶۱
وسائط بمنزلہ صفر	۱۶۱
رکوع چہارم	۱۶۱
مومن آل فرعون کا لیکچر	۱۶۲
توحید مقصود ہے نہ کہ مبلغ توحید	۱۶۲
جزئیات پر کلیات کی ترجیح	۱۶۲
نقص عجلت اور خیر تفکر	۱۶۲
معین عذاب ضروری الوقوع ہے	۱۶۳
جھوٹ مضر، حکومت سراب، ظلم تباہی ہے۔	۱۶۳
فرعون کا دعویٰ تدبر اور آج کل کے مقلدین فرعون	۱۶۴
تقلید بے حس کر دیتی ہے۔	۱۶۴
کثرت حق کی دلیل نہیں	۱۶۴
سایۂ تیغ میں حق کی ادائی فرض ہے	۱۶۵
مومن عبرت ناک واقعات سے ڈرا رہا ہے	۱۶۵
رکوع پنجم	۱۶۸
بہشت ابدنیکی کا نتیجہ ہے نہ کہ سفارش کا	۱۶۷

مضمون	صفحہ
حق کی اطاعت، خدا کی اطاعت ہے، رسول یا مبلغ کی نہیں۔	۱۶۹
بے دلیل بات کو بے غلط ماننا تقلید ہے، جو موروث جہنم ہے۔	۱۶۹
روح میں صحت کا فطری عنصر موجود ہے۔	۱۷۰
لامحدود صرف ذات حق ہے	۱۷۰
خدا ایک ایک ذرے پر محیط ہے	۱۷۱
جس کو خدا کی مدد حاصل ہو، اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔	۱۷۲
دشمنان حق کے منصوبوں کی تباہی	۱۷۲
مقلد عابدوں اور سرکش معبودوں کا یکساں انجام	۱۷۲
عذاب جہنم دائمی نہیں ہے	۱۷۳
اتحاد و انتظام کے ساتھ توکل اور ایمان باللہ ہو تو نور علیٰ نور ہے	۱۷۴
رکوع ششم	۱۷۵
عقبیٰ میں لعنتی حالت اور روسیاہی	۱۷۵
آدم کی اولاد سے گناہ ہو جانا بعید نہیں ہے	۱۷۶
انبیاء شرارت سے گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے	۱۷۶
مذمت محرفین	۱۷۷
تکبر کی نامرادی	۱۷۸
غلط امیدیں، جھوٹی روایات اور مشرکانہ عقائد یقیناً نقصان دہ ہیں۔	۱۷۸
ملا اور اہل بصیرت کا تمسخر	۱۷۹
جزا و سزا سے انکار کرنے والے	۱۸۰
خدا کیوں عبادت کے لائق ہے	۱۸۱

مضمون	صفحہ
خدا کا شریک بنانا ناقدری ہے	۱۸۱
رکوع ہفتم	۱۸۱
مصائب میں صرف خدا ہی کو پکارنا چاہیے۔	۱۸۱
جہنم بھی خدا کی نعمتوں میں شامل ہے کیوں کہ روحانی بیماروں کی صحت گاہ ہے۔ مگر انسان کو بیماری سے بچنا چاہیے۔	۱۸۱
افسوس ان پر جو اپنے نفع و نقصان میں تمیز نہیں کرتے	۱۸۲
شرارت سے حقیقت کا انکار کرنا مستوجب عتاب ہے	۱۸۲
انسان کو اپنی پیدائش پر غور کرنے کی دعوت	۱۸۲
خدائے رحمان کو بھلا دینا احسان فراموشی ہے	۱۸۳
اپنی پیدائش پر غور کرنا ہی انسان کی ندامت اور عجز کے لیے کافی ہے۔	۱۸۴
انسان اپنی نفس پرستی سے فتنہ پیدا کرتا ہے	۱۸۴
رکوع ہشتم	۱۸۵
صراطِ مستقیم کو چھوڑنا اپنی ہی دشمنی ہے	۱۸۵
پیشی کے دن مجرمین کا انکارِ شرک	۱۸۵
حق سے اعراض اور اہلِ حق کو ستانا موجبِ عذاب ہے۔	۱۸۵
مومنین کو خدا کے وعدوں پر یقین و استقلال لازم ہے۔	۱۸۶
خدا کسی کے مقابلے پر آیات نہیں بھیجتا	۱۸۶
پیغمبروں اور مومنوں کو بحیثیت مجموعی کامیابی ملتی رہی ہے۔	۱۸۶
اپنے جیسوں یا اپنے سے کم تر کی عبادت کرنا شرم ناک ہے۔	۱۸۷
رکوع نہم	۱۸۷
مجبور و مختار مخلوق	۱۸۷
کوئی طاقت خدا کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔	۱۸۸
جبری ایمان بے کار ہے۔	۱۸۸
بروقت توبہ کرو	۱۸۸

سورۃ حٰمٓ السجدہ

مضمون	صفحہ
رکوع اوّل، دوم	۱۸۹
وحی کے لحاظ سے قرآن، اس کے بعد عقل	۱۸۹
عربی زبان کبھی مُردہ نہ ہوگی	۱۸۹
اہلِ عقل کا قرآن سے استفادہ اور فاسقوں کا نقصان اُٹھانا	۱۹۰
شفعاء کے بھروسے پر خدا سے بے نیاز ہوجانا ظلم ہے۔	۱۹۱
اعتقادی اور عملی مجرموں میں فرق	۱۹۱
خدا کے اندازے صحیح ہیں، اُن میں کسی کو دخل نہیں	۱۹۱
زمین چار دَوروں میں مکمل ہوئی۔	۱۹۲
آسمان دو دَوروں میں درست ہوئے	۱۹۲
قوم عاد و ثمود کا انجام	۱۹۳
کفار بھی رسولوں کو بشر ہی جانتے تھے۔ مگر ہمارے مومن اُن سے آگے نکل گئے۔	۱۹۳
نحوست و سعادت اعمال سے ہے	۱۹۴
رکوع سوم	۱۹۵
اعضاء کی گواہی	۱۹۵

مضمون	صفحہ
انسان کی ماہیت اور قربِ خدا	۱۹۶
جہنم میں جن و انس کا اجتماع	۱۹۸
رکوع چہارم	۱۹۸
کفار کا قرآن سننے سے منع کرنا	۱۹۸
مریدوں کی پیروں سے بے زاری	۱۹۹
مومنوں کو ملائکہ کی تسکین	۲۰۰
رکوع پنجم	۲۰۱
کعب بن الاشرف کا قصہ بہتان ہے	۲۰۲
شیطانی وسوسوں میں خدا سے مدد مانگو	۲۰۳
شمس و قمر	۲۰۴
قرآن مجید باطل سے پاک اور حکیم و حمید ہے	۲۰۶
حفاظتِ قرآن	۲۰۷
قرآن مجید کا ایک حرف بھی غیر وحی نہیں ہے	۲۰۷
قرآن مجید سینوں کی بیماریوں کو شفا دیتا ہے	۲۰۷
رکوع ششم	۲۰۸
تورات میں سزائی احکام بھی وحی ہیں۔ قرآن میں ایسا نہیں ہے۔	۲۰۸
تورات قبلِ نزولِ قرآن واجب الاتباع تھی	۲۰۹
قرآن حکیم تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے	۲۰۹
قرآن مرتّل، اکمل اور آمیزش باطل سے محفوظ ہے	۲۱۰
محدود علم والے کی لامحدود علم والے سے کیا نسبت؟	۲۱۰
جرائم کے مطابق سزا	۲۱۱
انسانی زندگی کے تغیرات	۲۱۱
انسان کی سرکشی اور خود فریبی	۲۱۲
قرآن اللہ کی طرف سے اور حق ہے	۲۱۳
سرکشوں کا خدا کی ملاقات میں شک کرنا	۲۱۴

سورۃ الشوریٰ

مضمون	صفحہ
رکوع اوّل	۲۱۵
حروف کا خلاصہ	۲۱۵
شرک کے انجام بد میں تمام چلنے پھرنے والے گرفتار ہو سکتے ہیں۔	۲۱۶
اللہ نیتوں سے خوب واقف ہے۔	۲۱۶
سب کا حساب ایک وقت نہیں ہوتا	۲۱۷
رکوع دوم، سوم، چہارم	۲۱۸
خدا کے کام لغزش سے پاک ہیں	۲۱۸
خدا کے سوا کسی کا حکم واثق اصول نہیں	۲۱۸
رسول اللہ کی دو حیثیتیں	۲۲۰
توالد و تناسل جوڑے سے ہوتا ہے	۲۲۱
خدا کی سماعت و بصارت	۲۲۱
خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے	۲۲۱
فرقہ فرقہ نہ بننے کی تاکید	۲۲۲
خدا کی عبادت اصل ہے، طریقِ عبادت اصل نہیں	۲۲۲
وَصَّيْنَا اور اَوْحَيْنَا کا فرق	۲۲۲
مشرکین پر توحید شاق ہے، وہ توحید سے نفرت کرتے ہیں۔	۲۲۲
نافرمانوں کو مہلت دیے جانے کی وجہ	۲۲۳
پیشی کے وقت کوئی عزیز کام نہیں آتا	۲۲۴
حق وہ ہے جو قدرتی دلائل سے ثابت ہو	۲۲۵

مضمون	صفحہ
قیامت حق ہے	۲۲۵
خدا کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں	۲۲۵
اصل چیز آخرت ہے اور وہاں نیک اعمال کام آتے ہیں۔	۲۲۶
خدا شرک سے بے زار ہے	۲۲۷
غیراللہ کی پرستش خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو شرک ہے۔	۲۲۷
مودۃ فی القربیٰ کے معنیٰ اور تشریح	۲۲۸
توبہ کی قبولیت اور ریا کی ناپسندیدگی	۲۲۹
خداتعالیٰ ترقیاں دینے اور جمع کرنے پر قادر ہے	۲۳۰
خداتعالیٰ کو کوئی بھی عاجز نہیں کر سکتا	۲۳۱
خدا ہی متصرف حقیقی ہے	۲۳۱
دنیا عارضی چیز ہے۔ عقبیٰ کو سنوارنا خوب ہے	۲۳۲
خدا کے سوا سب چیزیں فانی ہیں مگر نیکیاں ضائع نہیں ہوتیں۔	۲۳۳
بے حیائیوں سے اجتناب کی تاکید	۲۳۳
مومن اور مشورہ	۲۳۳
شوریٰ کے فیصلوں کی حیثیت دینی ہے مگر وحی کے برابر نہیں	۲۳۳
بدلے میں مثل اور عین کا فرق	۲۳۴
صبر اور معافی ہمت کے کام ہیں	۲۳۵
رکوع پنجم	۲۳۵
ظالموں کی اصلاح	۲۳۶
بغیر پوری صحت کے جہنم سے اخراج ناممکن ہے	۲۳۶
پیشی کے وقت جرائم کا انکار لاحاصل ہے	۲۳۷

مضمون	صفحہ
تصرفاتِ الٰہی جاری و ساری ہیں	۲۳۷
مسیحؑ کو بے باپ ماننے والوں کے لیے سبق	۲۳۸
خدا کا تکلم اور دیدار	۲۳۹
سب کلام اللہ کی طرف لوٹتے ہیں۔	۲۴۰

سورۃ الزخرف

مضمون	صفحہ
رکوع اوّل و دوم	۲۴۱
قرآن مجید فطرت کے مطابق ہے	۲۴۱
ظالموں کا انبیاء سے استہزاء	۲۴۲
خدا کا کوئی شریک و مشیر نہیں	۲۴۳
خدا نے ہر ایک کا جوڑا بنایا	۲۴۴
آنکھ اور سورج کا خالق	۲۴۵
ملائکہ کی تشریح	۲۴۵
مومن مقلد نہیں، محقق ہوتا ہے	۲۴۶
آباؤ اجداد کی سند	۲۴۷
رکوع سوم	۲۴۷
توحید ایک دائمی اصول ہے	۲۴۸
قرآن سے انقلاب	۲۴۹
خدا کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے	۲۵۰
خدا سے روگردانی بدیوں کا منبع ہے	۲۵۱
رکوع چہارم	۲۵۱
آخرت اور شیطان	۲۵۲
عذاب کا تعین نبی کے اختیار میں نہیں	۲۵۳
خدا کے سامنے سب جواب دہ ہیں	۲۵۴

مضمون	صفحہ
رکوع پنجم، ششم	۲۵۴
دلائل سے مذاق	۲۵۴
سرکشوں کی عہد شکنی	۲۵۵
فرعون کی تسلی	۲۵۶
فرعون کے انجام میں درسِ عبرت	۲۵۷
ولادتِ مسیحؑ پر تبصرہ	۲۵۷
فرشتے انسان سے ادنیٰ ہیں۔	۲۵۹
انسان اختیار کے سبب جواب دہ ہے	۲۵۹
بیّناتِ مسیحؑ کی حقیقت	۲۵۹
خدا اور رسول کی اطاعت ایک ہی چیز ہے	۲۶۰
اتباعِ رسول ایمان باللہ ہے	۲۶۰
نبی کی غیر از قرآن باتیں محفوظ نہیں	۲۶۱
متضاد باتیں وحی نہیں ہو سکتیں	۲۶۱
انجام سے بے خوف ہو جانا بہت برا ہے	۲۶۲
رکوع ہفتم	۲۶۲
نیک لوگوں کو گذشتہ کا غم اور آیندہ کا خوف نہیں ہوتا	۲۶۲
کیا اہلِ حدیث "بخاری" و "مسلم" کے پرستار نہیں ہیں؟	۲۶۲
بہشتی انعامات	۲۶۳
پرستارانِ غیر اللہ کو ڈانٹ	۲۶۵
شفاعت اللہ کے لیے ہے	۲۶۷
سُورۃ الدخان	
رکوع اوّل	۲۶۸
قرآن برکت والی رات میں اتارا گیا	۲۶۸

مضمون	صفحہ
موت، حیات، خدا کے ہاتھ میں ہے۔	۲۶۹
قوموں کی اصلاح کے لیے مہلت	۲۷۰
سرکشوں سے مواخذہ	۲۷۱
رکوع دوم	۲۷۳
شرارت کی مذمت	۲۷۳
مال اور افراد پر ناز زیبا نہیں	۲۷۵
محققین کی قلت اور جہلاء کی کثرت	۲۷۵
رکوع سوم	۲۷۶
اثم کی تشریح	۲۷۶
متقین کے انعامات کا ذکر	۲۷۸
قرآن کی زبان ہمیشہ زندہ رہے گی	۲۷۸
سورۃ الجاثیہ	
قرآن منکرین کی راہ نمائی کرتا ہے	۲۸۰
قرآن اور فطرت	۲۸۰
رکوع اول، دوم	۲۸۱
خدا کی قدرت کے نشانات	۲۸۱
اکیلا قرآن مجید کافی ہے	۲۸۲
قوانینِ قدرت کی مخالفت جرم ہے	۲۸۳
تفکر سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے	۲۸۴
مصائب میں صبر اور برائی کے بدلے بھلائی کی تلقین۔	۲۸۵
بنی اسرائیل کے انعامات کا ذکر	۲۸۶
وحی کے سوا سب چیزوں میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے	۲۸۷

مضمون	صفحہ
رکوع سوم	۲۸۹
صحیفہ فطرت میں انسانی حرکات محفوظ رہتی ہیں	۲۸۹
تناسخ کے قائل قرآن سے کیا فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔	۲۹۰
رکوع چہارم	۲۹۲
موقعہ کو ہاتھ سے کھو دینا عذاب کا موجب ہوتا ہے	۲۹۵
شفاعت کی تردید	۲۹۶

سورۃ الاحقاف

مضمون	صفحہ
رکوع اوّل	۲۹۷
انسان کو کن منازل سے گزارا جاتا ہے	۲۹۸
قرآن سے قبل تورات امام تھی	۲۹۹
کوئی رسول عالم الغیب نہیں ہے	۳۰۲
عالم اہل کتاب کی قرآن کے متعلق شہادت	۳۰۲
رکوع دوم	۳۰۳
قرآن تمام انسانوں کے لیے قیامت کبریٰ تک بھیجا گیا ہے	۳۰۴
اصل مقصود خداتعالیٰ کو راضی رکھنا ہے	۳۰۵
رضاعت کے متعلق حلت و حرمت کا بیان	۳۰۶
کفار کی پیشی کے حالات	۳۰۸
رکوع سوم	۳۰۹
قوم عاد کا ذکر	۳۰۹
آندھی کے عذاب کو بارانِ رحمت سمجھے	۳۱۰
آخرکار حق کا غلبہ	۳۱۲
رکوع چہارم	۳۱۲
ارتقائی زندگی سب کو ملتی ہے	۳۱۳
تناسخ کی تردید	۳۱۴
حضورؐ کو صبر کی تلقین	۳۱۵

سورۃ محمدؐ

مضمون	صفحہ
رکوع اوّل	۳۱۶
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حامی و ناصر ہے	۳۱۶
مومن کا انجام بخیر ہوتا ہے	۳۱۷
اسیران جنگ کے متعلق احکام	۳۱۸
نافرمانی و ناشکرگزاری ضیاع اعمال ہے	۳۱۹
رکوع دوم، سوم	۳۲۰
صالحین کی آرام گاہوں کا نقشہ	۳۲۲
نبی کو لغزشوں سے معافی مانگنے کا حکم	۳۲۳
لغزش و گناہ وحی نہیں ہُوا کرتے	۳۲۴
نادانستہ غلطیاں قابلِ مواخذہ نہیں	۳۲۴
سموئیل نبی اور طالوت بادشاہ کی مثال	۳۲۵
مفسد منافق کا حال	۳۲۷
موت کے وقت ملائکہ کا ظالموں سے برتاؤ	۳۲۸
رکوع چہارم	۳۲۸
خدا مجرمین کے نام نہیں بتاتا بلکہ خود تم ان کے طرزِ سخن وغیرہ سے پہچانو	۳۲۸
رسولِ کریمؐ چیف جج بھی تھے، انتظامی امور میں اُن کی مخالفت جرمِ عظیم ہے۔	۳۲۹

مضمون	صفحہ
اطیعوا الرسول کا مطلب	۳۳۰
تیاری کے وقت کمزوری کا اظہار ہلاکت ہے	۳۳۰
کھیل: ایمان اور تماشہ، تقویٰ کا مقابلہ	۳۳۱
حکومت کے فرائض	۳۳۱
مذمتِ بخل اور مصرفِ مال	۳۳۱
فتح مکہ میں ظہور رحمت	۳۴۶
رکوع چہارم	۳۴۶
رسول اللہؐ کے خواب کی صحیح تعبیر	۳۴۶
رسم پرستی کی تردید	۳۴۷
رسولِ کریمؐ اور صحابہ کا نقشہ تورات و انجیل میں	۳۴۸

سورۃ الفتح

مضمون	صفحہ
رکوع اوّل	۳۳۲
قبل جنگ اور بعد جنگ گناہوں کی بخشش مانگو	۳۳۳
طالبِ مغفرت ہونا خوبی ہے	۳۳۴
صالحین، صالحات اور منافقین و منافقات	
کا انجام	۳۳۵
رسولِ کریمؐ شاہد، مبشر اور نذیر تھے	۳۳۶
نبی کی بیعت خدا کی بیعت ہے	۳۳۶
رکوع دوم	۳۳۷
صحیح نتائج نکالنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے	۳۳۸
بد باطنوں کا نقشہ	۳۳۹
انتظامی امانت رسول اور نائب رسول کی	
ایک ہی حیثیت رکھتی ہے	۳۴۰
بغیر عذر کے جنگ میں شرکت سے انکار بغاوت ہے	۳۴۱
رکوع سوم	
اللہ تعالیٰ سینے کے رازوں کو جانتا ہے	۳۴۲
خدا کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا	۳۴۲
رسول اللہؐ پہلے خلیفہؓ تھے	۳۴۳
بغیر جنگ فتح میں حکمت	۳۴۳

سورۃ الحجرات

مضمون	صفحہ
امیرِ مجلس کے آداب	۳۴۹
رکوع اوّل	۳۵۰
عقل سے کام لینے کی تلقین	۳۵۱
مشورہ کرنا خوبی ہے	۳۵۱
دو برسرِ جنگ مومن جماعتوں میں صلح کا طریق	۳۵۲
امن و سلام کی تعریف	۳۵۳
رکوع دوم	۳۵۳
تمسخر کی مذمت	۳۵۴
غیبت کی مذمت اور اس کی مثال	۳۵۵
متقی بننے کی ترغیب اور اس کا انجام	۳۵۶
مومن و مسلم کا فرق	۳۵۶
مومن کا ذکر	۳۵۷
خدا کا احسان مانو	۳۵۸

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰		سقیم القلب	صفحہ ۲۰ پر سہو سے مسودہ میں مصحح نے اپنی طرف سے ایک جگہ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق سقیم القلب یعنی مشرکین کے شرک سے دل برداشتہ اور کبیدہ خاطر لکھ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؑ واقعی سقیم یعنی مریض تھے۔ اس میں کذب کا قطعاً دخل نہیں۔ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔
۶۴	۱۲	پاٹے دار تھی	پلے دار نہ تھی
۷۰	۶	رکوع سوم	رکوع چہارم
۱۰۶	۱۹	تمہاری کر دی گئی	تمہارے ماتحت کر دی گئی
۱۰۹	۱۱	حکیم مطلق	حَکَمِ مطلق
۱۱۱	۵	تسلیم کرتے ہیں	تسلیم ہیں
۱۱۲	۲۰	قادرِ مطلق	کاملِ مطلق
۱۳۷	۲۲	رسول ختم ہوئے	رسول ختم نہیں ہوئے
۱۵۴	۱۴	رسولوں	وسوسوں
۱۶۹	۱۴	طرف دے رہے ہو	طرف دعوت دے رہے ہو
۱۷۳	۵	انکار کرتی رہے	انکار کرتے رہے
۱۷۴	۱۱	غلبہ	غالب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۸۱	۱۳	(روشن اپنایا ہے جیسے	(روشن بنایا ہے جس میں
۱۸۱	۱۶	شکر نہیں نہیں کرتے	شکر نہیں کرتے
۱۸۵	½	رکوع ہفتم	رکوع ہشتم
۱۸۸	۵	رکوع ہشتم	رکوع نہم
۱۸۹	۱۲	رکوع اول	رکوع اول، دوم
۱۸۹	۲۳	عربی زبان زندہ نہیں	عربی زبان زندہ ہے
۱۹۰	۸	اس چیز سے	اس چیز
۱۹۲	۲	(دین)	(زمین)
۱۹۵	۱۴	دوسرا رکوع	تیسرا رکوع
۱۹۷	۳	اس بات سے کہ تم پر	اس بات سے کہ گواہی دیں تم پر
۱۹۸	۱۶	رکوع سوم	رکوع چہارم
۱۹۸	۲۴	خوف، زلزلہ وغیرہ	(خوف، زلزلہ وغیرہ)
۲۰۱	۷	رکوع چہارم	رکوع پنجم
۲۰۳	۱۰	مستعفی	مستغنی
۲۰۶	۲۳	(یہی)	(بھی)
۲۱۳	۳ تا ۴	اور جب ہم انسان پر (اس کی چھوٹی بڑی غلطیوں کو بھی نظر انداز کرکے ...... الخ	اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو منہ موڑتا جاتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اس کو (اپنے کیے کے مطابق) تکلیف پہنچتی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
			ہے تو پھر لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔
۲۱۵	۱۲	مرسل الرسل	یرسل الرسول
۲۱۷	۱۴	دشمنان قرآن اسلام کو	دشمنان قرآن و اسلام کو
۲۱۸	۱۰	رکوع دوم	رکوع دوم۔ سوم۔ چہارم
۲۲۶	۲۰	مائل	قائل
۲۳۴	۱۳	اس برائی کے	اس (برائی) کے
۲۴۱	۱	پہلا رکوع	رکوع اوّل دوم
۲۴۴	۲۲	اور جائز رکھا (ان ظالموں نے) اس (رحمان خدا) کے واسطے ایک حصہ بنایا	اور مقرر کیا انہوں نے واسطے اس (حق تع) کے اس (حق تع) کے بندوں میں سے ایک حصہ
۲۴۷	۲۲	دوسرا رکوع	رکوع سوم
۲۵۲	۱۹	اور جب تم ظلم کرتے ہے تو تمہیں (یہ امر) نفع نہیں دے سکتا کہ تم (سب) عذاب میں شریک ہو	اور ہرگز نفع نہ دے گا تم کو آج کے دن جب کہ ظلم کیا ہوا ہے تم نے یہ کہ تم عذاب میں شریک ہو
۲۵۲	۲۴	گم راہی میں ہو	گم راہی صریح میں ہو
۲۵۷	۰	ان پچھلے لوگوں	ان کو پچھلے لوگوں
۲۵۰	۸	پانچواں رکوع	چھٹا رکوع
۲۵۷	۱۵	پورا کرنے کرنے	پورا کرنے
۲۶۱	۲۰	اشرار نے کی تھی	اشرار کی تھی
۲۶۲	۳	عذاب درد دینے والے کے دن سے	درد دینے والے دن کے عذاب سے
۲۶۳	۱۶	شاہی	شامی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶۵	۴	اور (خطا)	اور ہم (خطا)
۲۶۷	۱۰	اس کا خیال تھا	ان کا خیال تھا
۲۸۰	۴	دی گئی ہے	دی ہوئی ہے
۲۸۴	۵	پہنچو گے	پھنسو گے
۲۸۴	۱۲	تو تو کیا	تو کیا
۲۸۴	۱۷	(قدرت الٰہی) کی ،	(قدرت الٰہی کی)
۲۸۴	۲۰	بے بصیری	بے بصری
۲۸۶	۹	بنی اسرائیل کو کتاب	بنی اسرائیل کو کتاب دی
۲۸۶	۱۰	قرآن مجید بھی عنایت ہوا	قرآن مجید ہی عنایت ہوا
۳۱۱	۵	پیش نہیں	پیش نہیں آیا
۳۱۷	۰	قادر مطلق	کامل مطلق
۳۲۱	۲۰	اس کثرت جنت کی	اس جنت کی
۳۲۳	۸	نابنجاری	نابنجار
۳۲۵	۵	بتانے	بتانے
۳۲۷	۸	قُلُوْبِ	قُلُوْبُ
۳۴۳	۶	تم ان کی بھی	تم ان کو بھی
۳۵۰	۱۲	پکار اور وغیرہ	پکار اور سمن و بخیلم وغیرہ

عبداللہ (پہلوان)

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ

بیان للناس

جلد ششم

احمد الدین

دوست ایسوسی ایٹس

پبلشرز بک سیلرز اینڈ جنرل آرڈر سپلائرز

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

Phone : 7122981 Fax : 092-42-7122981

email:shahid.adil@usa.net

تفسیر بیان للناس

جلد ششم

——— سورتوں کا انڈکس ———

مشتمل بر منزل ششم

نام سورۃ	نمبر سورہ	صفحہ
☆ الصافات	۳۷	۳
☆ ص	۳۸	۳۸
☆ الزمر	۳۹	۸۴
☆ المومن	۴۰	۱۳۲
☆ حم سجدہ	۴۱	۱۸۹
☆ الشوریٰ	۴۲	۲۱۵
☆ الزخرف	۴۳	۲۴۱
☆ الدخان	۴۴	۲۶۸
☆ الجاثیہ	۴۵	۲۸۰
☆ الاحقاف	۴۶	۲۹۷
☆ محمد	۴۷	۳۱۶
☆ الفتح	۴۸	۳۳۳
☆ الحجرات	۴۹	۳۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ والصّافات

رکوع اوّل کا مضمون اور نظم و ربط

سورۂ والصّٰفّٰت سے قرآن حکیم کی چھٹی منزل شروع ہوتی ہے۔ یہ سورت پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس میں ۱۸۲ آیتیں ہیں۔

پہلے رکوع میں بتایا گیا ہے کہ موجوداتِ عالم کا تمام سلسلہ اللہ تعالیٰ کے حکم و حکمت کے ماتحت نہایت باقاعدگی اور انتظام کے ساتھ چل رہا ہے۔ جو چیزیں اس انتظام اور باقاعدگی میں ذرا بھی مخل ہوتی ہیں، انہیں رد کر دیا جاتا ہے۔ قدرت کے اس اصول کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دنیا میں علم و ہدایت کی روشنی پھیلتی ہے اور اہلِ عالم پر اللہ کی توحید ثابت ہوتی ہے۔

آگے چل کر بتایا ہے کہ زمین کا، آسمانوں کا ستاروں کے طلوع ہونے والی جگہوں کا مالک خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے دنیا کے آسمانوں کو ستاروں سے رونق بخشی ہے۔ لہٰذا وہ لوگ حق پر نہیں ہیں جو خالقِ کائنات سے تو منہ موڑتے ہیں، لیکن اس کے پیدا کیے ہوئے چاند ستاروں کی پرستش کرتے ہیں۔

ایامِ جہالت میں مشرکینِ عرب کا ایک گروہ کاہنوں کے نام سے مشہور تھا۔ یہ لوگ شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ شہر کے باہر غیر آباد جگہوں میں جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی تھی، رات کے وقت اکیلے جا بیٹھتے تھے۔ شیطانوں کے لیے منتر پڑھتے، خون کرتے اور خوشبو جلاتے تھے اور ان سے دعائیں مانگتے تھے کہ انہیں آنے والے حادثات و واقعات سے آگاہ کیا جائے۔ پھر وہ معمول بن کر بیٹھ جاتے اور اس بات کے منتظر رہتے کہ دیکھیں انہیں شیطانوں کی طرف سے کن کن خبروں کی اطلاع دی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ "غیب بینی" کا یہ طریقہ سراسر لغو اور فضول ہے۔ اس لیے ان کاہنوں کے دل میں جیسے

کچھ بھی خیالات پیدا ہو جاتے تھے، وہ انہیں "الہام" کا درجہ دے کر لوگوں کے سامنے پیش گوئیاں کرتے اور ان کی قیمت وصول کرتے تھے۔ اس سارے سلسلے کی بنیاد محض اس جاہلانہ اعتقاد پر قائم تھی کہ شیطان آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں سنتے ہیں، اور پھر اپنے کاہن پرستاروں کو ان کی اطلاع دیتے ہیں۔ قرآن نے ان کے اس باطل عقیدے کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ ملائکہ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو وحی ہوتی ہے، شیاطین اس وحی کو ملائکہ سے ہرگز حاصل نہیں کر سکتے، نہ وہ ملائکہ کی باتوں کو چھپ کر سن سکتے ہیں، بلکہ حق بات یہ ہے کہ انہیں آسمان تک جانے کی طاقت ہی نہیں دی گئی۔ سورۃ الحجر میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ۝ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ۝	اور ہم نے آسمانوں میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے انہیں آراستہ کیا اور ہر شیطان مردود سے انہیں (اپنی حفاظت میں رکھا)، لیکن اگر کوئی (شیطان) چوری چھپے کوئی بات سننے کی کوشش کرے، تو شہاب کا ایک جلتا ہوا انگارا اس کا تعاقب کرتا ہے۔

اسی مطلب کی دو ایک آیتیں سورہ الشعراء میں بھی آئی ہیں!

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ۝ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝	شیطان اس (قرآن) کو لے کر نہیں اترے، نہ یہ کام ان کے لائق ہے اور نہ انہیں اس کی استطاعت دی گئی ہے، بلکہ انہیں تو ملائکہ کی باتیں سننے سے دور ہی رکھا گیا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں عوام الناس کا عام خیال یہی تھا کہ شیطان براہ راست ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ اس زمانے میں پیش گوئیوں کا کام صرف کاہنوں کے لیے مخصوص تھا، یہی وجہ ہے کہ جب قرآنِ مجید کے ذریعے پیشین گوئیوں کا ظہور ہوا، تو کفار نے رسول اللہ صلعم کو بھی کاہن کا خطاب دے دیا اور یہ الزام مشہور کیا کہ حضورؐ کو ملائکہ کے ذریعے پیشین گوئیاں حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ شیاطین کے ذریعے ملتی ہیں۔ اوپر کی آیت میں اللہ تعالےٰ نے برملا ان لوگوں کے اتہام کی تردید فرما دی ہے، شیطانوں کو قرآن سے کوئی علاقہ نہیں، نہ انہیں ایسی طاقت حاصل ہے اور نہ ہی وہ ملائکہ کی باتیں سن سکتے ہیں۔

شیطانوں کے ذریعے عام لوگوں کو وحی ہوسکتی ہے یا نہیں؛ قرآن نے اس سوال کا بھی جواب دیا ہے:

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی اَوْلِیٰٓـئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ۔	یقیناً شیطان اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں۔

زیرِ تفسیر رکوع میں بھی اسی غلط اور باطل عقیدے کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ شیطٰن قطعاً ملاءِ اعلیٰ کے کاروبار میں کوئی دخل نہیں دے سکتے، اگر وہ ایسی کوشش کرتے بھی ہیں، تو شعلے برسانے والے ستاروں کے مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگ اٹھتے ہیں۔ اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ کلامِ الٰہی ہر طرح کے تصرّف سے محفوظ ہے اور وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے براہِ راست انبیاء تک پہنچایا جاتا ہے۔ ان ہی آیتوں سے ایک اور نتیجہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ جس خدا نے یہ عظیم الشان کائنات ارضی وسماوی برپا کی ہے، کیا وہ انسان کو قیامت کے روز دوبارہ نہیں پیدا کرسکتا، دراں حالیکہ انسان کی خلقت اجرامِ فلکی کے مقابلے میں نہایت ہی ادنےٰ اور معمولی ہے کہ اسے طِیْنٍ لَّازِبٍ یعنی لیس دار مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

رکوع کی آخری آیتوں میں خدا تعالےٰ کی یہی عظمت و جلال واضح کرکے قیامت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جب آیاتِ الٰہی کے مکذب دوبارہ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے اور جب وہ یوم الفصل کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر افسوس و ندامت کا اظہار کریں گے۔

ترجمہ و تشریح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن ورحیم ہے۔

جس طرح روشنی سے سانپ، بچھو، چمگادڑ اور چوہے بھاگتے ہیں، جس طرح خوشبو اور صفائی سے گندگی پسند کرنے والے کیڑے دُور ہوجاتے ہیں، اور جس طرح قوت وصحت مرض کو پاس نہیں آنے دیتی، اسی طرح انتظامِ عالم بھی بدنظمی کے سامانوں کو مداخلت کا موقع نہیں دیتا۔ تمام کائنات ایک خاص نظم و اہتمام کے ساتھ کام کررہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

(۱) وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ قسم ہے صفیں باندھنے والوں کی صفیں باندھنا (صفیں باندھنے والوں سے وہ لوگ بھی مراد لیے گئے ہیں، جو توحید کے قیام و بقا کی خاطر منظم اور متحد ہو کر مداخلت اور مزاحمت کرنے والے کفار کا مقابلہ کرتے ہیں، اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر تیزی اور مستعدی کے ساتھ اپنی راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ قدرت ہی کے اصولوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جو چیزیں اس کے انتظام میں مخل ہوتی ہیں، دفع کر دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا)

(۲) فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ پھر ڈانٹ دینے والوں کی ڈانٹ دینا (قدرت کا یہ طریق کار ایسی ترتیب و حکمت کے ساتھ جاری ہے کہ اس سے علم بھی پیدا ہوتا ہے اور نصیحت بھی حاصل ہوتی ہے، یعنی)

(۳) فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ پھر (اس نظم و اہتمام خداوندی کو دیکھ کر) ذکر کی تلاوت (یا پیروی) کرنے والی (جماعتیں پیدا ہوتی ہیں، اور یہ سارا سلسلہ یہ سارا معقول و مدلل انتظام یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ کارخانہ عالم ایک اور صرف ایک قادرِ مطلق کی تعمیر ہے)

(۴) اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۭ یقیناً تم سب کا معبود صرف ایک ہی ہے۔

(۵) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۭ (ایسا معبود جو تنہا) آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اور (ستاروں کے مطالع و) مشارق (یعنی اُن کے مقاماتِ ظہور) کا پروردگار ہے مگر افسوس ہے کہ لوگ ستاروں کی پرستش کرتے ہیں، انہیں غیب بینی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں لیکن اُن چیزوں کے خالق اور پروردگار کی اطاعت سے غفلت اختیار کر لیتے ہیں)

(۶) اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِۨ الْكَوَاكِبِ ۙ یقیناً ہم نے دنیا کے آسمان کو (ایک عظیم الشان زینت بخشی، یعنی) ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا (آیت کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ لوگ خدا تعالےٰ کی سچی عظمتوں سے آگاہ ہو جائیں،

نیز انہیں معلوم ہو جائے کہ جس احکم الحاکمین نے یہ عظیم الشان آسمان، یہ بڑے بڑے اجرام فلکی پیدا کر رکھے ہیں، وہی احکم الحاکمین ان کے نظم و نسق کا بھی تنہا مالک ہے۔ خدا اپنی کائنات کا خالق ہی نہیں۔ بلکہ ناظم بھی ہے۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ کوئی بھی مخلوق اس کا تعلق جن و انس کے ساتھ ہو یا شیاطین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں مداخلت کر سکے۔ یہ عقیدہ بالکل باطل اور لغو ہے کہ شیطان آسمانوں میں داخل ہو سکتے ہیں اور پھر وہاں سے فرشتوں کی باتیں سُن کر اُن کی اطلاع دوسرے لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ یہ کاہنوں اور مکاروں کے پھیلائے ہوئے غلط اور باطل عقیدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو

(۷) وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ ہر سرکش شیطان سے (ان آسمانوں اور ستاروں کو اپنی حفاظت میں رکھا ہے۔

(۸) لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ (۹) دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ وہ اوپر کے لوگوں یعنی فرشتوں کی گفت و گو ہرگز نہیں سُن سکتے (اور یہ بات بے بھی ناممکن) اس لیے کہ انہیں دفع کرنے کے لیے ہر طرف سے (اُن پر دھکتے ہوئے شہاب) پھینک کر انہیں دھکیل دیا جاتا ہے اور یہ اُن کے لیے لازمی عذاب ہے[۱]۔ (پس جب یہ بات واضح ہو گئی کہ شیطانوں کے دفع کرنے کے لیے شہاب پھینکے جاتے ہیں تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ فرشتوں کی باتیں سُننے میں کامیاب ہو سکیں)

(۱۰) اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝
لیکن (ہاں، اگر) کسی شیطان نے (کوئی بات) جھپٹ لی کچھ جھپٹ لینا تو شہاب کا دھکتا ہوا انگارا اُس کے پیچھے ہو لیتا ہے (در اصل یہ انسان ہی تھے، جو ملاء اعلیٰ کی باتوں کو اچکنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی خلقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ ہوتا ہے)

---

[۱] آں حضرت صلعم کے زمانے میں بھی کئی مرتبہ کاہنوں پر شہاب گرتے تھے۔

(۱۱) فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّنْ طِينٍ لَّازِبٍ ۝ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو کیا یہ لوگ اپنی خلقت میں سخت تر ہیں یا ہماری دوسری مخلوقات؟ (ان لوگوں کی حقیقت تو بس اتنی ہے کہ) ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے!

انسان کی بے وقعتی اور بے مائگی تو اسی ایک دلیل سے ظاہر ہے کہ اس کی خلقت دوسری مخلوقات کی بہ نسبت بہت معمولی اور کم زور واقع ہوئی ہے لیکن یہ عجیب معاملہ ہے کہ یہی کم زور اور بے بس انسان تعلیمات خداوندی کا تمسخر اڑانے اور انبیائے الٰہی کی تکذیب کرنے میں کتنا بے باک اور کوتاہ اندیش ثابت ہوا ہے!)

(۱۲) بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝ (اے پیغمبر!) تم تو ان کے (انکار قیامت پہ) حیران ہوتے ہو، اور ان کی یہ حالت ہے کہ ایسے روشن اور بیّن دلائل کے باوجود ہنستے جارہے ہیں۔

(۱۳) وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ۝ اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے، تو وہ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

(۱۴) وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ۝ اور جب (خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لیے کوئی نشان نازل کیا ہے، تو) وہ (باوجود اس کے کہ واضح طور پر اس نشان کو دیکھ لیتے ہیں (پھر بھی) ہنسی اڑاتے ہیں (دلائل کے ساتھ وہ کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے، نہ ان کو دلائل سے کوئی غرض ہے۔ ان کے پیش نظر تو بس یہی ایک مقصد ہے کہ جس طرح بھی ہو، ہدایت الٰہی کو جھٹلایا جائے۔ ان سے کسی معقول جواب کی کب توقع ہوسکتی ہے؟

(۱۵) وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ (چنانچہ خدا تعالیٰ کے نشانات کو دیکھ کر وہ بے ساختہ) پکار اٹھتے ہیں کہ یہ تو صریحاً (دھوکا ہی) دھوکا ہے!

(۱۶) ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝

(ان لوگوں کی سمجھ میں یہ موٹی سی بات بھی نہیں آتی کہ جو خداوند قادر وقدیر تمام کائنات ارضی وسماوی کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے، وہی خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ اُٹھا کھڑا کرے۔ وہ پوچھتے ہیں) کیا (یہ حقیقت ہے کہ) جب ہم مرجائیں گے اور (مرنے کے بعد) مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے (تو) کیا ہم دوبارہ اُٹھائے جائیں گے؟

(۱۷) اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ (اور) کیا ہمارے پہلے باپ دادوں (کا) بھی (یہی انجام ہوا؟)۔

(۱۸) قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۝ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دو (کہ) ہاں! (تمہیں بہرحال دوبارہ اُٹھایا جائے گا اور انکار قیامت کے باعث اس وقت) تم ذلیل ہوگے۔

(۱۹) فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝
(انہیں دوبارہ اٹھانے کے لئے خداتعالےٰ کو کسی خاص اہتمام یا تکلیف کی ضرورت نہیں، صرف ایک ڈانٹ پکار کافی ہے، جیسا کہ فرمایا:) وُہ تو محض ایک ڈانٹ ہے (اور اس ڈانٹ کے پڑتے ہی) وُہ ناگہاں (زندہ ہوکر) دیکھتے ہوتے ہیں۔

(۲۰) وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ (اُن کا انکار قیامت اس وقت اُن کے سامنے آجاتا ہے اور) وُہ بول اُٹھتے ہیں، ہم پر افسوس! جزا وسزا کا دن تو یہی ہے!

(۲۱) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝
(پھر انہیں کہا جاتا ہے،) یہی فیصلے کا دن ہے، جسے تم جھٹلایا کرتے تھے!

رکوع دوم | یہ رکوع قرآن مجید کا سب سے بڑا رکوع ہے، جو ۵۳ آیتوں پر مشتمل ہے

اس میں سزاو جزا کی تفصیل دی گئی ہے۔ پہلے یہ بتایا ہے کہ دنیا میں جو لوگ حق کے مقابلے میں کفار و مشرکین کی امداد کرتے ہیں وہ خدا کے حضور نہ صرف اپنے متبعین کی کوئی امداد نہیں کر سکتے بلکہ الٹا اُن سے بیزار ہو جاتے ہیں خدا تعالےٰ اُن سب کو عذاب جہنم کی طرف دھکیل دیتا ہے اور اُن کو دنیا کی سرکشی اور غرور کا پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے۔ اُن کو کھانے کے لیے تھوہر کے درخت کا پھل اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور پیپ دی جاتی ہے لیکن جو لوگ دنیا میں احکامِ الٰہی کی اطاعت کرتے ہیں، انہیں اُن کے اعمال کے مطابق نیک بدلہ دیا جاتا ہے، مثلاً پاکیزہ شراب جو خمار پیدا نہیں کرتی اور نہ ہی اس کے استعمال سے عقل زائل ہوتی ہے۔ انہیں نہایت خوب صورت اور حیادار بیویاں دی جاتی ہیں اور آسائش و نعمت کے تمام سامان مہیا کیے جاتے ہیں۔

دوزخ اور جنت کے متعلق یہ سب کچھ مثال کے طور پر بتایا گیا ہے، عقل انسانی اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی۔ مقصود صرف یہ ہے کہ بُرے لوگوں کو بُرا بدلہ اور نیک لوگوں کو نیک جزا دی جائے گی۔

ترجمہ و تشریح

(۲۲) اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ لا (کارکنانِ قضا و قدر کو حکم ہوتا ہے کہ) اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا اور اُن کے ساتھیوں کو (جو اُن کے شرک و کفر میں معاون تھے۔) اور انہیں جن کی یہ لوگ پُوجا کرتے تھے (اُن سب کو) اکٹھا کرو۔

(۲۳) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ (یہ لوگ خدا کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ) اللہ کے سوا (معبودانِ باطل کی، لہٰذا اُن کی یہی سزا ہے کہ) انہیں جہنم کی راہ دکھا دو (مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ سے ایسے لوگ مراد ہیں،

جو دوسرے لوگوں سے کفر و شرک کے معاملے میں اپنی اطاعت کراتے ہیں، احکامِ الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام ٹھیراتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے کوئی بازپرس نہ ہو گی، جنہوں نے من دون اللہ اپنی اطاعت نہیں کرائی۔ دنیا کے ہزار ہا لوگ حضرت مسیح کی پرستش کرتے ہیں، لیکن خدا تعالےٰ کے نزدیک آپ قابلِ مواخذہ نہیں ہو سکتے کیوں کہ آپ نے تو دنیا کو توحید ہی کی راہ دکھلائی تھی، کبھی یہ نہیں فرمایا کہ اے لوگو تم میری عبادت کرو۔ اب اگر نصاریٰ نے ان کو معبود قرار دے لیا ہے، تو اس میں ظلم و قصور بھی اُن ہی کا ہے، نہ کہ حضرت مسیحؑ کا۔ پس اس آیت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ صرف انہیں لوگوں کو سزا دی جائے گی، جو کفر و شرک کی راہ میں عوام الناس کی راہ نمائی کرتے ہیں اور لوگوں سے اپنی عبادت آپ کراتے ہیں۔

(۲۴) وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ﴿﴾ (ابھی یہ لوگ دوزخ کے دروازے میں داخل نہیں ہونے پاتے کہ خدا تعالےٰ حکم دے دیتا ہے ذرا انہیں ٹھیرا لو (کیوں کہ) اُن سے کچھ دریافت کرنا ہے۔

(۲۵) مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿﴾ (اے آپس میں ایک دوسرے کی محبت اور حمایت کا دم بھرنے والو! اور ایک دوسرے کی مشکل میں کام آنے کا عہد کرنے والو! دیکھو آج تم کتنے خوفناک ٹھکانے کی طرف دھکیلے جا رہے ہو۔ ایک دوسرے کی امداد کرنے کا وقت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا؛ لیکن تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ آج) ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟۔

(۲۶) بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿﴾ (خدا تعالےٰ کے اس سوال کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں، بلکہ آج (شرمندگی اور ندامت کے ساتھ چپ چاپ کھڑے ہیں یعنے پورے طور پر) فرماں بردار ہیں۔

(۲۷) وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿﴾ (اب وہ

ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں) اور ایک دوسرے کی طرف سوال کرتے ہوئے متوجہ ہوتے ہیں (انہیں اپنے پیشواؤں پر غصہ آتا ہے کہ جن کی روک تھام کے باعث انہوں نے دنیا میں ہدایت الٰہی قبول نہ کی۔ اگر یہ راہ نما انہیں غلط راستے کی طرف نہ لے جاتے، تو وہ آج اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے)۔

(۲۸) قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ○ وہ کہتے ہیں، تم ہی (ہم کو بہکانے کے لیے) ہمارے پاس ہمارے دائیں (بائیں) سے آیا کرتے تھے (یمین کے معنی استعارۃً سختی اور طاقت کے بھی ہیں، اگر یہ معنی اس جگہ استعمال کئے جائیں، تو مطلب یہ ہوگا کہ تم ہمیں حق کی طرف جانے سے جبراً روکتے تھے)۔

(۲۹) قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ وہ کہتے ہیں (ہم نے تمہیں کب روکا تھا؟) بلکہ تم (خود ہی) ایمان لانے والے نہیں تھے۔

(۳۰) وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ○ اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا (تم اگر چاہتے تو ایمان لا سکتے تھے) لیکن تم (خود ہی) سرکش لوگ تھے (اور تمہارے دل ایمان کی طلب سے خالی تھے)۔

(۳۱) فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ○ (یہ جواب دینے کے بعد وہ کہتے ہیں)، ہمارے پروردگار کا قول ہم (سب) پر پورا ہوا (اب) ہمیں (عذاب کا) مزا چکھنا پڑے گا۔

(۳۲) فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ○ ہم نے تمہیں گمراہ کیا (اور واقعہ یہ ہے کہ) ہم خود (بھی) گمراہ تھے۔ (لیکن ہم نے تم پر کوئی سختی روا نہیں رکھی۔ تمہیں خدا نے عقل دی تھی، چاہیے تھا کہ عقل سے کام لیتے اور آنکھیں بند کرکے ہمارے پیچھے نہ ہو لیتے۔ تمہاری اندھی تقلید ہی نے تمہیں یہ بُرا دن دکھایا۔ اب کوئی افسوس کوئی پچھتاوا کام نہیں دے سکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ)

(۳۳) فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ٥ پس یقیناً
آج کے دن وُہ (پیشوا اور اُن کے متبعین سب ایک ہی جیسے) عذاب میں شریک ہیں۔
(اُن کی سزا میں کوئی فرق نہیں ہے)۔

(۳۴) اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ٥ یقیناً مجرموں کے ساتھ ہم
ایسا ہی (برتاؤ کیا) کرتے ہیں (جزا و سزا کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک برابر
جاری ہے۔ مجرم ہر روز دنیا سے رخصت ہو کر خدا کے حضور پیش ہوتے رہتے ہیں اور ہر
روز اُن کے اعمال کے مطابق انہیں سزائیں ملتی رہتی ہیں)

(۳۵) اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
يَسْتَكْبِرُوْنَ ٥ (اہلِ جہنم کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ) جب انہیں کہا جاتا تھا،
اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، تو وہ (بجائے اس کے کہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے
اُلٹا) تکبر کیا کرتے تھے۔

(۳۶) وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ٥
اور کہتے کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی خاطر چھوڑ دیں؟ (اللہ تعالیٰ نے
اُن کے اس قول کی تردید کی اور بتایا کہ پاگل اور شاعر کے پاس نہ تو حق ہوتا ہے اور نہ وہ
دوسرے رسولوں کی تصدیق ہی کرتا ہے)۔

(۳۷) بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ٥ (حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم نہ شاعر ہیں نہ دیوانے) بلکہ وُہ حق لے کر آئے ہیں اور (پہلے) رسولوں کی تصدیق
کرتے ہیں۔

(۳۸) اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ٥ (تم نے چوں کہ
ایک ایسے پیغمبر پر ایمان لانے سے انکار کیا ہے، جو تمام انبیاء کی جامع تعلیم کا حامل ہے
جو حق کے ساتھ آیا ہے۔ جو دیوانہ اور شاعر نہیں، اس لیے تمہارے اس انکار کا نتیجہ ہے کہ)

تم یقیناً دردناک عذاب چکھنے والے ہو۔

(۳۹) وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (تمہیں تمہارے گناہ کی بہ نسبت زیادہ عذاب نہیں دیا جائے گا، بلکہ) جو کچھ تم کرتے تھے، وہی تمہیں بدلہ بھی دیا جائے گا (انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ جیسا کرو، ویسا ہی پاؤ)

(۴۰) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ۔ مگر اللہ کے مخلص بندے (اپنے نیک اعمال کی جزا کے طور پر فضل و انعام کے مستحق ہیں)۔

(۴۱) اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وہ لوگ (ایسے خوش قسمت لوگ ہیں کہ) اُن کے لیے (خدا تعالیٰ کی طرف سے) رزق مقرر ہوگا۔

(۴۲) فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ۙ (اور یہ رزق معلوم کیا ہے؟) پھل، (یہ مخلص بندے اللہ کے ہاں) عزت دیے گئے ہیں۔

(۴۳) فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ۙ نعمتوں والے باغوں میں (اُن کا ٹھکانا ہے)۔

(۴۴) عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں

(۴۵) يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ۙ اُن میں (پاکیزہ اور) لطیف شراب کا پیالہ پھرایا جاتا ہے۔

(۴۶) بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ (یہ شراب بدذائقہ اور ناپاک نہیں ہوتی، بلکہ وہ دودھ کی طرح) سفید اور پینے والوں کے لیے (نہایت) لذیذ ہے۔

(۴۷) لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ (دنیا میں جو شراب استعمال کی جاتی ہے وہ خمار پیدا کرتی اور عقلوں کو زائل کرتی ہے، لیکن جنت کی شراب کی کیفیت اس سے الگ ہے) اُس میں نہ خمار (یعنی دردسر) ہوتا ہے اور نہ وہ اُس (کے پینے) سے متوالے ہوتے ہیں۔

(۴۸) وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ اور اُن کے پاس

عورتیں ہیں جن کی نگاہیں نیچی ہیں اور آنکھیں بڑی بڑی۔

(۴۹) كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ۝ (وہ عورتیں اپنی رنگت اور خوبصورتی کے لحاظ سے ایسی معلوم ہوتی ہیں) گویا وہ محفوظ کئے ہوئے انڈے ہیں (بہشت میں عورتوں کا ہونا ناگزیر ہے کیونکہ مردوں کے ساتھ ساتھ ان کو بھی اعمالِ حسنہ کی نیک جزا ملے گی۔ بہت سے لوگ غلط فہمی سے جنت میں عورتوں کی موجودگی کو معیوب قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ کوئی معیوب بات نہیں۔ اگر یہاں دنیا میں عورت کا وجود ضروری ہے، تو وہاں اُن کا ہونا کیوں بُرا ہے؟ خصوصاً جب کہ اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ وہاں عفت و عصمت اور حیاداری کے جوہر پوری طرح نمایاں ہوں گے، مخالفین کا اعتراض بالکل بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ واقعہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاۤءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۳۸-۳۵ یہ عورتیں جنت میں ایک نئی زندگی حاصل کریں گی ہیں۔

(۵۰) فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ پس (اہلِ جنت) ایک دوسرے سے سوال کرتے ہوئے متوجہ ہوتے ہیں (ان لوگوں کی گفت و گو میں سے ایک بات بطور مثال کے بتائی گئی ہے یعنی)

(۵۱) قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ۝ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا (کہ دنیا میں) میرا ایک دوست تھا۔

(۵۲) يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝ (میرا وہ دوست مجھے تعجب کے ساتھ) پوچھا کرتا تھا کیا تو بھی (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہے؟

(۵۳) ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝ (اور) کیا (یہ درست ہے) جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے، تو کیا ہمیں بدلہ دیا جانے گا؟

(۵۴) قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝ (پھر) اس نے (اپنے ساتھیوں سے)

کہا کیا تم (میرے اُس دوست کو دوزخ میں) جھانک کر دیکھو گے؟

(۵۵) فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۝ پس اُس نے (خود ہی) جھکانکا تو (کیا) دیکھا کہ (اُس کا رفیق) دوزخ کے وسط میں (پڑا) ہے۔

(۵۶) قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ۙ۝ پس اُس نے اپنے ساتھی کو پکار کر) کہا اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے (بھی) ہلاک کر ڈالتا (یعنی میری موت بھی انکار قیامت کے عقیدے پر ہوتی اور آج میں بھی تیرے ساتھ جہنم کی آگ میں جلتا ہوتا)۔

(۵۷) وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝ اور (خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اپنی عقل و بصیرت سے کام لینا سکھایا ورنہ تیری اندھا دھند تقلید مجھے بھی مبتلائے عذاب کر دیتی۔ بے شک) اگر میرے پروردگار کی نعمت (میرے شامل حال) نہ ہوتی، تو میں بھی (دوزخ میں) حاضر کیے جانے والوں میں (شمار) ہوتا۔

(۵۸) اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۙ۝ (آگے چل کر وہی جنتی کہتا ہے) کیا (یہ ٹھیک نہیں کہ) ہم (پھر کبھی) مرنے والے نہیں؟

(۵۹) اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ اِس (ہمیں ایک ہی مرتبہ موت سے دوچار ہونا پڑا اور وہ) ہماری پہلی موت (تھی) اور ہمیں (کوئی) عذاب (بھی) نہیں دیا جائے گا۔

(۶۰) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ بے شک یہ بڑی کامیابی کی بات ہے۔
سورہ فرقان میں بھی اوپر کے مطلب کی ایک آیت آئی ہے، یعنی لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى۔ مطلب یہ کہ ہمیشہ کی زندگی ہی فوزِ عظیم ہے۔

(۶۱) لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ (جہنم کی زندگی، در اصل زندگی کہلانے کی مستحق نہیں۔ جن لوگوں کو وہاں داخل کیا جاتا ہے، اُن کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کو موت آجائے، تاکہ وہ دردِ عذاب سے نجات پائیں، لیکن اُن کی یہ خواہش پوری

نہیں ہوسکتی۔اس کے خلاف جنت کی زندگی ایک ابدی زندگی ہے۔وہاں آسودگی اور اطمینان کے تمام سامان مہیا ہیں خدا تعالیٰ اولادِ آدم کو اسی زندگی کے حصول کی طرف توجہ دلاتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ ایسی ہی (فوز عظیم حاصل کرنے) کے لیے عمل کرنے والوں عمل کرنا چاہیے

(۶۲) اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ (جنت کی زندگی کی مختصر کیفیت بیان ہوچکی ہے۔اب لوگوں کو مخاطب کرکے پوچھا جاتا ہے) کیا (جنت کی) یہ نعمتیں) بہتر ہیں بلحاظ مہمانی کے یا (اہلِ دوزخ کی خوراک یعنی) سقوہر کا درخت ؟ (ان دونوں میں سے ایک چیز کا انتخاب کرلو۔ اگر تمہارے اعمال اچھے ہیں تو تمہیں اس کا معاوضہ جنت کی صورت میں ملتا ہے ۔اعمال برُے ہیں تو پھر جہنم کے لیے تیار رہو یعنی اس مقام کے لیے جہاں کھانے کے واسطے سقوہر دیا جاتا ہے)۔

(۶۳) اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ (یہ سقوہر کا درخت ایسا درخت نہیں ہے جسے اہلِ دوزخ آسانی کے ساتھ کھا سکیں گے بلکہ) ہم نے اس (درخت) کو (ان) ظالم لوگوں کے واسطے فتنہ (ابتلا) بنایا ہے۔(انہیں بڑی تکلیف اور مصیبت کے ساتھ اس کا پھل کھانا پڑتا ہے)۔

(۶۴) اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ (دنیا میں بھی سقوہر کا درخت ہوتا ہے لیکن اسے دوزخ کے درخت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔اس کی ہیبت کا اندازہ تو اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ) وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ میں (سے) اُگتا ہے۔

(۶۵) طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ (اس کی ظاہری شکل و شباہت بھی بہت خوفناک اور ڈراؤنی ہے کیونکہ) اس کے پھل ایسے ہیں جیسے (بدصورت) سانپوں کے سر۔

(۶۶) فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ (دنیا میں ایک کھانا پسند نہ آئے

تو انسان اس کے بجائے عموماً کوئی دوسرا کھانا کھا لیتا ہے۔ لیکن جہنم کی دوائی اور خوراک مقرر ہے اور اسے کھائے بغیر کوئی چارہ نہیں) پس وہ اسی (بدذائقہ اور بدنما خوراک) میں سے کھانے والے ہیں پس اسی سے (اپنے) پیٹ بھرنے والے ہیں۔

(۶۷) ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ پھر یقیناً (انہیں پینے کے لئے ٹھنڈا یا میٹھا پانی بھی میسر نہیں بلکہ عذاب کی انتہا یہ ہے کہ) ان کے لئے اس (تھوہر) پر کھولتے ہوئے پانی کی ملاوٹ ہے۔

(۶۸) ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝ (ان مریضوں کو دوائی دے کر جہنم کے ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ تھوہر اور گرم پانی کی یہ تمام ضیافت دوزخ کے داخلے سے پہلے پہلے ہو چکتی ہے) پھر یقیناً ان (لوگوں) کو دوزخ کی طرف لوٹنا ہوتا ہے۔

(۶۹) اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ (یہ دوزخ کی سزائیں دی گئیں، صرف اس لئے کہ یہ لوگ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے تھے، وہ اپنے آباؤ اجداد کے اندھے مقلد تھے، اور جو برائیاں اور گمراہیاں ان کے باپ دادوں میں پائی جاتی تھیں، اُن برائیوں اور گمراہیوں کو انھوں نے بھی قبول کر لیا اور اپنے اسلاف کے رسم و رواج اور کفر و شرک کے عقاید کو کسی حال میں بھی ترک کرنا گوارا نہ کیا، خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہم اجمعین انہیں اس گمراہ کن تقلید سے منع کرتے، تو وہ باز نہ آتے اور اُلٹا اُن کی مخالفت اور ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے۔ اگر اُن کے آبا و اجدا راہِ راست پر ہوتے، تو اُن کے اتباع میں کوئی حرج نہ تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ) انہوں نے اپنے آباء کو گمراہ پایا۔

(۷۰) فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝ پس (اُن کے لئے یہ جائز نہ تھا کہ گمراہوں کے نقشِ قدم پر چلتے) (اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھنے کی وجہ سے) وہ

(جنتی) انہیں (گمراہ آباء) کے نقشِ قدم پر دوڑائے چلتے رہے۔

(۷۱) وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝ اوران سے بیشتر اگلے لوگوں میں (بھی) اکثر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں۔ (جو گمراہ اس دنیا سے گذر گئے ان کا علاج ہم جہنم میں کرتے ہیں اور جو گمراہ دنیا میں بقیدِ حیات موجود ہوتے ہیں ان کی اصلاح کی دنیا میں کوشش کی جاتی ہے)۔

(۷۲) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ۝ (مشیت ایزدی نے کبھی نہیں چاہا کہ لوگوں کو گمراہی میں پڑا رہنے دیا جائے، چنانچہ وقتاً فوقتاً اُن کی ہدایت کا سامان بہم پہنچایا گیا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے) اور ہم نے ان لوگوں میں (اُن کی گمراہیوں کے بُرے نتائج سے آگاہ کرنے اور دوزخ کی آگ سے) ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے۔ (مگر افسوس اُن پر ہدایت و تنذیر کا بہت کم اثر ہوا۔ انہوں نے خداوند تعالےٰ کی سچی تعلیم کو ٹھکرا دیا، خدا کے رسل و انبیا کی شدید مخالفت کی اُن پر تمسخر اُڑائے، انہیں پاگل، شاعر اور ساحر وغیرہ کے القاب دیے، غرضیکہ تمام عمر اُن کے در پئے آزار رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کی قوتِ انتقام حرکت میں آئی اور عذاب الٰہی نے بڑے ہی حسرت ناک طریقے پر انہیں صفحۂ ارضی سے نیست و نابود کر کے رکھ دیا، اس طرح کہ گویا وہ قومیں تختۂ زمین پر کبھی آباد ہی نہ ہوئی تھیں۔ اُن ہی لوگوں کی تباہ و برباد بستیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے):

(۷۳) فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ۝ پس دیکھ! اُن لوگوں کا کیسا (بُرا) انجام تھا، جو (پیغمبرانِ حق کے ذریعے) ڈرائے گئے (لیکن اس کے باوجود عند و عداوت کے باعث قبولِ حق سے دُور رہے)۔

(۷۴) إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝ ہاں (اُن میں سے) اللہ کے مخلص بندے (بچائے گئے۔ تقاضائے عدل بھی یہی ہے کہ جہاں سرکشوں پر عذاب نازل ہو، وہاں اہلِ خلوص کو

نجات کا مستحق سمجھ کر بچا لیا جائے، لیکن بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی بہت بڑے عذاب کی صورت میں، اہل کفر و شرک کے ساتھ ساتھ، اہلِ ایمان بھی پس جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں قانونِ الٰہی یہ ہے کہ اُنہیں آخرت کی زندگی میں بہت اچھا اجر دے کر اُن کی تلافی کر دی جاتی ہے)۔

رکوع سوم اس رکوع میں تین مضمون آئے ہیں۔ سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ جب کسی شخص پر ظلم و ایذا کی انتہا ہو جائے، جب آلام و مصائب کا مقابلہ کرتے کرتے اُس کے جسم و دماغ کی قوتیں مضمحل ہو جائیں، تو آخرکار اس کے دکھے ہوئے دل سے نکلی ہوئی دعا، قانونِ خداوندی کو ضرور حرکت میں لا کر رہتی ہے۔ حضرت نوح ؑ کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ اُن کی قوم نے انہیں بڑی بڑی ایذائیں پہونچائیں اور ایذا رسانی کا یہ سلسلہ زمانۂ دراز تک جاری رہا، یہاں تک کہ آپ نے بے قرار ہو کر خدا کے حضور فریادیں کیں۔ خدا تعالےٰ نے آپؑ کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور آپ کو ایک طوفان کی خبر دی۔ آپ نے طوفان کی آمد سے پہلے پہلے ایک کشتی تیار کی اور اپنے خاندان کے لوگوں کو، دوسرے مومنوں کو اور ہر قسم کی ضروری اشیاء کے ایک ایک جوڑے کو کشتی میں ساتھ لے لیا۔ جب طوفان آیا، تو نوحؑ اور خاندانِ نوحؑ کے سوا باقی تمام قوم غرقاب ہو گئی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہی مظلوموں کا حقیقی فریاد رس ہے اور ظالم کے مقابلے میں ہمیشہ مظلوم کی حمایت کرتا ہے۔

حضرت نوحؑ کے مختصر ذکر کے بعد، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ چوں کہ تمام انبیاء کا مقصد ایک ہی تھا، یعنی توحید، اس لیے یہ بات کھول کر واضح کر دی کہ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ بھی نوحؑ ہی کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح سورۃ الانبیاء میں آیا ہے اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی تمام نبیوں کی امت بھی درحقیقت ایک ہی امت ہے —— ان دو جلیل القدر پیغمبروں کا باہمی تعلق

واضح کرنے کے بعد ابراہیمؑ کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی بت شکنی کا واقعہ۔ اس واقعہ پر ہمارے راویوں اور مفسروں نے بہت ہی حاشیہ آرائی اور مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی روح اس کی غرض وغایت اور مقصد سب مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حقائق کے چہرے سے لغو بے ہودہ روایات کی نقاب اٹھا دی جائے اور اس چیز کو قرآن پاک ہی کے مقصد و منشا کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

بت شکنی کا واقعہ سورۂ انبیا میں بھی آیا ہے۔ اس سورہ میں بتایا گیا ہے کہ ابراہیم شروع ہی سے ہدایت یافتہ تھے، انہیں اصنام پرستی سے شدید نفرت تھی وہ اپنے باپ اور اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ؟ یہ مورتیں کیا ہیں جن کے لیے تم اعتکاف بیٹھتے ہو؟ وہ لوگ اپنی بت پرستی کی کوئی توجیہ یا کوئی معقول وجہ نہیں بتلا سکتے، اُن کا جواب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے، لہذا ہم بھی انہیں کی تقلید میں بتوں کی عبادت کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ابراہیمؑ انہیں بتلاتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے آباؤ اجداد بھی گمراہ تھے ——— یہ جواب اُن کے لیے قطعاً غیر متوقع تھا۔ وہ اپنے معبودوں کی شان میں ایسے "گستاخانہ" الفاظ سننے کے لئے تیار نہ تھے بلکہ یہ چیز اُن کے تصوّر سے بھی دور تھی کہ کوئی شخص اُن کے بتوں اور دیوتاؤں کی توہین کر کے زندہ بھی رہ سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ پتھر کے بنے ہوئے معبود ہر ایسے شخص کو جو اُن کی ہتک وتوہین کا مرتکب ہوتا ہو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اسی لیے وہ ابراہیم سے متعجب ہو کر پوچھتے ہیں اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ؟ ہماری عبادت اور ہمارے معبودوں کے بارے میں جو کچھ تم کہہ رہے ہو، وہ سچ سچ کہہ رہے ہو، یا مذاق کر رہے ہو؟ ابراہیمؑ کہتے ہیں، مذاق کیسا، یہ پتھر کے گھڑے ہوئے بت تو حقیقۃً کچھ بھی نہیں ہیں۔ تم ان کو اپنا رب سمجھے بیٹھے ہو، حالاں کہ تمہارا رب تو وہی ہے، جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ میں جو کچھ تمہیں کہہ رہا سچائی کے ساتھ کہہ رہا ہوں

(وانا علیٰ ذالکم من الشّٰھدین) لیکن اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے اور ان بے جان بتوں ہی کو اپنے معبود، پروردگار اور قادر مطلق مانتے ہو، تو میں تمہیں تجربہ کرکے دکھلا دوں گا کہ ان اصنام میں کوئی طاقت، قوت اور اختیار نہیں پایا جاتا۔ وَتَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ○ تمہارے جانے کی دیر ہے، پھر میں ان کے ساتھ ضرور کوئی نہ کوئی داؤ کھیلوں گا، میں دیکھوں گا، میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے خودساختہ معبودوں کی حقیقت کیا ہے؟ فَجَعَلَھُمْ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیْرًا لَّھُمْ لَعَلَّھُمْ اِلَیْہِ یَرْجِعُوْنَ○ اور جب وہ لوگ چلے گئے، تو ابراہیم نے سب سے بڑے بت کو چھوڑ کر باقی سب کو پرزے پرزے کردیا، وہ لوگ اس بڑے بت کو رب العالمین سمجھتے تھے، ابراہیم کا خیال تھا، شاید وہ اسی بت سے آکر دریافت کریں گے کہ تمہاری موجودگی میں ان چھوٹے بتوں کا کیا حشر ہو گیا؟ پھر اس وقت، جب انہیں کوئی جواب نہ ملے گا، جب اس "بڑے خدا" کی بے بسی بھی ان پر عملاً واضح ہو جائے گی، تو شاید اس موقعہ پر، وہ گمراہی اور ضلالت سے باز آجائیں۔ لیکن ان لوگوں کے دل بتوں کی اصل حقیقت سے پہلے ہی واقف تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان کے معبود بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب وہ لوگ واپس آئے، تو انہوں نے "صنم کبیر" سے نہ حادثے کی تفصیل دریافت کی، نہ یہ پوچھا کہ تم نے بت توڑنے والے شخص کو منع کیوں نہ کیا اور نہ اس کے سامنے یہ فریاد کی کہ تو "بت شکن" پر اپنا عذاب نازل کر! اس کے علاوہ وہ اس بات سے بھی اچھی طرح واقف تھے کہ بتوں کو ریزہ ریزہ کرنے والے ابراہیم ہی تھے کہ بت توڑنے سے پہلے ہی انہوں نے اعلان کر رکھا تھا (لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ) کہ "میں تمہارے بتوں کے ساتھ ضرور کوئی نہ کوئی داؤ کھیلوں گا۔" پھر جن لوگوں کو آپ کے اس چیلنج کا علم نہ تھا، وہ دریافت کرتے ہیں، مَنْ فَعَلَ ھٰذَا بِاٰلِھَتِنَا؟ اور جن لوگوں کے سامنے یہ چیلنج دیا گیا تھا، وہ بتاتے ہیں سَمِعْنَا فَتًی یَّذْکُرُھُمْ یُقَالُ لَہٗ اِبْرٰھِیْمُ○ ہم نے ایک نوجوان کو، جسے

ابراہیمؑ کہتے ہیں، ان کا ذکر کرتے سنا تھا۔

اوپر کی یہ تمام تفصیل سورہ الانبیاء سے لی گئی ہے اور اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ وہاں ایک بہت ہی ضروری بحث شامل ہونے سے رہ گیا ہے، یعنی ہمارے راویوں اور مفسروں کی یہ باطل اور بے حقیقت افسانہ آرائی کہ حضرت ابراہیمؑ نے بت توڑ کر پجاریوں کے سامنے اپنی صنم شکنی کا انکار کر دیا تھا یا دوسرے لفظوں میں آپ نے دروغ گوئی کا ارتکاب کیا تھا۔ اس افسانے کی بنیاد' دو باتوں پر بیان کی جاتی ہے' ایک مسلمؒ اور بخاریؒ کی یہ روایت کہ لم یکذب ابراھیم فی شئ قط الا ثلاث الخ ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں صرف تین ہی جھوٹ بولے۔ اُن میں سے (بقول اہلِ روایت) ایک یہ ہے کہ جب پجاریوں نے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا' کیا ان بتوں کو تمہیں نے توڑا؟ تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا۔ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيرُهُمْ هٰذَا: بلکہ یہ فعل اس بڑے بُت کا ہے! گویا ان الفاظ سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فعل کے ارتکاب سے انکار کیا ہے۔

لیکن واقعات کا جو سلسلہ اوپر دیا جا چکا ہے' اس پر نظر ڈالنے سے سارا معاملہ خود بخود صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے طرز عمل کی پہلی کڑی یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کو بتوں کی پرستش سے روکتے ہیں' اپنی قوم کو اور قوم کے آباؤ اجداد کو علانیہ گمراہ بتلاتے ہیں' اُن کے یہ طور طریقے سب پر واضح ہو جاتے ہیں اور وہ اچھی طرح جان لیتے ہیں کہ ابراہیمؑ ہمارے بتوں کا دشمن ہے۔ آپ کا دوسرا قدم یہ ہے کہ قوم کو اپنے اس عقیدے سے آگاہ کر دیتے ہیں کہ تمہارے بتوں کی ہتک و توہین بھی مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی' اُن میں کوئی قوت' کوئی طاقت' کوئی رعب اور اختیار موجود نہیں۔ وہ محض پتھر ہیں' نفع اور نقصان کی قدرت سے قطعاً محروم۔ لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ابراہیمؑ ہمارے بتوں کو بے حقیقت جان کر کسی وقت اُن کی بے عزتی بھی کر سکتے ہیں۔ آپ کا تیسرا قدم

یہ ہے کہ آپ اللہ کی قسم کھا کر یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ اے لوگو! آگاہ رہو میں تمہاری غیرحاضری میں تمہارے بتوں کے ساتھ ضرور ایک چال چلوں گا۔ اب ان بت پرستوں پر واضح ہو جاتا ہے کہ ابراہیمؑ یقیناً ان بتوں کو کوئی نہ کوئی گزند پہنچا کر رہیں گے ـــ اور آخر کار جس بات کا اندیشہ تھا وہ ہو کر رہی۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ بُت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں ان احوال کو سامنے رکھنے سے کسی طرح بھی یہ بات ذہن میں داخل نہیں ہو سکتی کہ ابراہیمؑ کو جھوٹ بولنے کی ضرورت تھی۔ جھوٹ بولنے کی ضرورت تو اس حالت میں تھی کہ آپ بُت پرستی کی علانیہ مذمت نہ کرتے، بت پرستوں کو گمراہ نہ بتلاتے، بُت شکنی کے ارادے کا اعلان نہ کرتے اور کسی کو بتلائے بغیر خفیہ طور سے بُتوں کو توڑتے۔ پھر اگر راز فاش ہو جاتا تو حیلے بہانے سے کام لینے کا معاملہ سمجھ میں بھی آسکتا ہے، مگر جب آپ کا طریقِ عمل ان تمام امور کے خلاف ہے، آپ کی ایک ایک بات سے صاف گوئی اور جرأت و عزم کا ثبوت ملتا ہے۔ تو پھر تعجب ہے کہ اہل روایات کیوں اس بات پر تُلے بیٹھے ہیں کہ آپ کے قول کو جھوٹ ہی ثابت کیا جائے؟ کیوں ایک روایت کو سچا ثابت کرنے کے لئے قرآن پاک کے مطالب میں بھی تحریف سے باز نہیں آتے؟ کیوں ایک ایسے پیغمبر کی عصمت و عظمت کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں، جس کے متعلق خود قرآن پاک إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا کی گواہی دے رہا ہے؟ کیا یہ بات قابلِ شرم نہیں کہ خود اللہ تعالیٰ جس شخص کو نہایت سچا قرار دے چکا ہو اُسے محض اس اندیشے کی بنا پر کہ ایک روایت کی صحت اور عصمت کو نقصان پہنچے گا، جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا کا مطلب کیا ہے؟ سطور بالا سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ صنم پرستوں کے ساتھ لفظی مباحثہ نہیں کر رہے بلکہ اُن پر اتمامِ حجت کرنے کے لئے عملی اور تجرباتی دلائل سے اُنہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ منطق اور فلسفے کی باریکیوں سے ہٹ کر صاف اور سیدھے سادے الفاظ میں

اپنے مخاطبوں کے سامنے ایسے ثبوت مہیا کرتے ہیں، جنہیں عملی طور پر بھی پیش کیا جا سکے ان کا دعویٰ ہے کہ مشرکین وکفار کے معبود بالکل بے جان اور بے حقیقت پتھر ہیں، وہ جملہ نوع انسان کے خیر و شر پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اب اس دعویٰ کی عملی دلیل ان کا وہ فعل تھا، جو بتوں کو ریزہ ریزہ کرنے پر منتج ہوا۔ اور بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ کا جملہ اتمام حجت کے ترکش کا آخری تیر تھا۔ جوں ہی یہ تیر چھوڑا گیا، دشمن پشیمانی اور ندامت کے ساتھ سر جھکائے سامنے کھڑا تھا۔ ہمارے راویوں اور مفسروں نے جو ابراہیمؑ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے پیغمبر پر جھوٹ بولنے کا الزام لگا دیا۔ لیکن ابراہیمؑ کے دشمن خاموش تھے۔ وہ دل سے اُس کی سچائی کے قائل تھے، یہاں تک کہ وہ اپنے ہی ظلم کا اعتراف کرتے ہیں اور سر جھکا کر دبی زبان سے اگر کچھ کہتے ہیں، تو صرف یہ کہ ابراہیم! تم خود جانتے ہو، یہ بت باتیں نہیں کیا کرتے! آپ نے فرمایا: پھر کتنے افسوس کی بات ہے تم پرستش بھی کرتے ہو، تو ان معبودوں کی، جو نہ ہیں زبان تک نہیں رکھتے، جو تمہارے نفع و نقصان پر قادر نہیں، یہ کتنی بے عقلی اور جہالت کی بات ہے!

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا الخ کے الفاظ نے کتنا بڑا کام کیا! اگر ابراہیمؑ اس طرح کا سچ بولتے، جس طرح کا سچ ہمارے راوی اور مفسر مانگتے ہیں، یعنی یہ کہہ دیتے، ہاں! ان بتوں کو میں نے ہی توڑا ہے، تو ان پجاریوں پر عملاً اتمام حجت کر کے انہیں قائل کس طرح کیا جاتا؛ ان کی زبان سے "مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ" کا اعتراف کیسے ممکن تھا؟ وہ ندامت کا اظہار کس طرح کرتے؟ پھر ابراہیمؑ ان کے معبودوں کی بے بسی پر انہیں شرمندہ کس طرح کرتے۔ اور یہ عظیم الشان طریق حجت یہ تجرباتی دلیل آنے والی نسلوں کے لئے مشعل ہدایت کیوں کر بنتی؟ اگر ابراہیمؑ کا جواب ان الفاظ کے سوا کوئی دوسرا جواب ہوتا۔ تو یہ قابل قدر فوائد ہمیں کس طرح حاصل ہوتے؟

زیر تشریح سورہ یعنی سورۂ والصافات کے ایک مقام پر بھی مفسرین نے حضرت ابراہیمؑ پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے ان کے نزدیک واقعہ یہ ہے کہ آپ کی قوم کے کچھ

لوگ آپ کو کسی عید یا میلے میں ساتھ لے جانا چاہتے تھے، آپؑ کو اُن کے ساتھ جانا گوارا نہ تھا، اس لئے کہہ دیا اِنِّیْ سَقِیْمٌ یعنی میں بیمار ہوں۔ چوں کہ صحیحین کی ایک روایت نے آپ کے اس قول کو غلط بتایا ہے، لہٰذا راوی سمجھتے ہیں اور پیغمبر جھوٹ بولتے ہیں۔ تعجب ہے خدا اپنے پیغمبر کے قول کو جھوٹ نہیں ٹھیراتا، ابراہیمؑ اپنے جھوٹ کا اعتراف نہیں کرتے، کفار آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتے، لیکن بخاری اور مسلم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ آپ کی تکذیب میں ایک بے اصل وحقیقت اور خلاف قرآن روایت کو شائع کرتے پھریں۔ پھر مفسرین کی عقل پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ بھی بے سوچے سمجھے اس روایت کی پیروی کئے جا رہے ہیں۔ اور اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ اس قسم کی ہفوات سے خدا کے ایک سچے نبی پر ہی حرف نہیں آتا، بلکہ قرآن کے وقار کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

اِنِّیْ سَقِیْمٌ کا صحیح مفہوم قرآن کے اپنے الفاظ کے مطابق یہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم کے کفر و شرک کے باعث "سقیم القلب" ہو گئے تھے۔ قوم کی گمراہیوں سے آپ دل برداشتہ اور کبیدہ خاطر رہتے اور انہیں کہتے کہ میں تمہاری مِنْ دُوْنِ اللہ کی عبادت کو دیکھ دیکھ کر بیمار ہو گیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی صاف اور واضح بات کو لوگوں نے کیوں خواہ مخواہ جھوٹ قرار دے لیا!

دو بحث صاف ہو گئے ہیں۔ اس رکوع کا تیسرا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خداتعالیٰ سے ایک صالح فرزند کے لئے دعا کی؛ اس دعا میں ہمارے لئے ایک قابل اتباع سبق موجود ہے یعنی آپ خداتعالیٰ سے بیٹا بھی مانگتے ہیں تو کیسا؛ صالح یعنی مناسب کام کرنے والا، (FIT) صلاحیت رکھنے والا، نیکوکار اور لائق۔ حضرت ابراہیمؑ کی پیروی میں ہمیں بھی یہ چاہیے کہ خداتعالےٰ سے صالح اولاد ہی کے لئے دعا کریں اور اپنی اولاد کی صالحانہ تربیت کا خیال رکھیں؛ ورنہ بُری اولاد سے تو یہ بہتر ہے کہ انسان لاولد ہی رہے۔۔۔

خداوند تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو اسحٰق نام کا ایک حلیم اور بردبار بیٹا عطا فرمایا۔ جب یہ بیٹا چلنے پھرنے کے قابل ہوا، تو حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا،

کہ آپ اسحٰق کو ذبح کر رہے ہیں ۔ صبح اُٹھ کر اسحٰق کو یہ خواب بتایا اور اس سے دریافت کیا کہ تم پر اس خواب کی تعمیل کرنا چاہتا ہوں تمہاری کیا رائے ہے ؟ اسحٰقؑ نے جواب دیا خداتعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے آپ اُسے بجا لائیں میں انشاءاللہ عزم و استقلال کے ساتھ اپنے آپ کو خدا کی راہ میں قربان کردوں گا ۔ حضرت ابراہیمؑ بیٹے کو ماتھے کے بل بچھا کر حکمِ الٰہی کی تعمیل کرنے ہی کو تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش میں پورا دیکھ کر اسحٰق کو ذبح کرنے سے روک دیا اس واقعہ میں ہمارے لئے دو عظیم الشان سبق موجود ہیں ایک یہ کہ ہمیں خداتعالیٰ کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے ۔ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اس معاملے میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے ۔ آپ خدا کے دین کی خاطر اپنے باپ سے جُدا ہو جاتے ہیں گھر کو خیرباد کہتے ہیں اپنی قوم اور اپنا وطن چھوڑ دیتے ہیں اور اب خدا کی محبت و اطاعت کی انتہا یہ ہے کہ جب آپ خواب میں یہ دیکھتے ہیں کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو آپ اسی وقت اپنے لختِ جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ۔ اسحٰق کی نوعمری ابن کی محبت اس کے دل اور خون کا رشتہ ان ساری چیزوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو محبتِ الٰہی کی راہ میں حائل ہونے کی جرأت کر سکے ۔ بے شک اللہ کی سچی اطاعت اسی کا نام ہے ! دوسرا بڑا سبق یہ ہے کہ ہمیں والدین کی اطاعت کس طرح کرنی چاہئے ۔ اسحٰقؑ کا اُسوہ اس باب میں ہماری یہی راہ نمائی کرتا ہے ۔ انسان کی سب سے زیادہ عزیز چیز کیا ہے ؟ یہی چند روزہ زندگی ! اسحٰق نے اپنے باپ کے اشارے پر بلا تامّل اپنی زندگی پیش کر دی ! یہ زندگی بڑھاپے کی زندگی نہیں تھی جس سے بیزار ہو کر انسان چاہتا ہے کہ اُسے موت آجائے ۔ اسحٰق کی زندگی نوجوانی کی زندگی تھی جس پر انسان اپنے مستقبل کی بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کرتا ہے موت سے غافل کر دینے والا زمانہ زمانے سے بے نیاز کر دینے والی عمر والدین سے بے پروا کر دینے والے لمحے کتنی سعادت مند تھی وہ روح جو دنیا کی غفلت غرور اور سرکشی سے بالکل پاک تھی اور جس نے قربانی کا مطالبہ اس طرح پورا کیا کہ جسم کے ساتھ روح کے تمام ارمان بھی قربانی کے لئے پیش کر دیئے ۔

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم وبیش را

باپ اور بیٹے کی اطاعت کا یہ گوہر خدا نے بڑی ہی قیمت پر خریدا۔ ابراہیمؑ کو بلاء مبین سے نجات دی اور اسحٰقؑ کو قیامت تک باقی رہنے والی ذبح عظیم کے بدلے ذبح ہونے سے بچا لیا۔ آپ خدا کے دین کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ دن رات اس راہ میں تکالیف برداشت کرتے اور ہر روز دین الٰہی کی خدمت میں قربان ہوتے۔ یہ تھی ذبح عظیم!

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اللہ تعالےٰ نے ابراہیمؑ کو ابدی دعاؤں کا مستحق بنایا۔ تمام مومن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ جیسے محسن اور مومن کو "علیہ السلام" کی دعا کے ساتھ یاد کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیمؑ کو اسحٰق کی نبوت کی بشارت بھی دی اور دونوں کو برکتیں عطا فرمائیں۔

(۷۵) وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ اور (اپنی قوم کی پے درپے ایذا رسانیوں اور مخالفتوں سے تنگ آکر) یقیناً نوحؑ نے ہم کو پکارا اور ہم کیسے اچھے (دعا) قبول کرنے والے ہیں۔

(۷۶) وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ اور ہم نے اسے اور اس کے خاندان (اہل) کو بہت بڑی مصیبت سے بچایا۔

(۷۷) وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ (طوفان کے بعد حضرت نوحؑ کی اولاد کو خدا تعالیٰ نے پھلنے پھولنے کی توفیق بخشی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے) اور ہم نے اس کی (حقیقی) اولاد ہی کو باقی رہنے والے بنایا (کفار کا تو بالکل خاتمہ ہی ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لڑکا بھی انہی کے ساتھ غرقاب ہو گیا جسے نوح علیہ السلام نادانستہ طور پر اپنا بیٹا سمجھتے تھے۔ اس کی ناجائز پیدائش اُسے مجرم نہیں بناتی تھی۔ اس کا جرم تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالےٰ کا دشمن اور نافرمان تھا) یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ وہ بلا وجہ کسی شخص کو مصیبت یا عذاب میں ڈالے۔ اگر نوح علیہ السلام کا بیٹا سرکشی کی راہ اختیار نہ کرتا تو وہ اپنی ناجائز ولادت کے باوجود نجات حاصل کر لیتا۔

(۷۸) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ اور (یہ واقعہ اس لائق تھا کہ اُس کی یاد آئندہ آنے والی نسلوں کی عبرت وبصیرت کے واسطے محفوظ رکھی جائے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ) ہم نے پیچھے آنے والے لوگوں میں اُس کا تذکرہ (باقی) چھوڑ دیا۔

(۷۹) سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۝ (دُنیا کی تقریبًا ساری قومیں حضرت نوحؑ کو نیکی اور سلامتی کے ساتھ یاد کرتی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ) تمام جہانوں میں نوحؑ پر سلامتی ہے!

(۸۰) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ (اور یہ بات صرف حضرت نوحؑ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام نیکوکار بندوں کو ہم اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔

(۸۱) إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ بے شک وہ (نوحؑ) ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

(۸۲) ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ۝ پھر دُوسروں کو (یعنی بدکار اور سرکش لوگوں کو) ہم نے غرق کر دیا۔

(۸۳) وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۝ (اب حضرت ابراہیمؑ کا ذکر شروع ہوتا ہے) اور یقینًا ابراہیمؑ بھی اُسی کی جماعت سے (تعلق رکھتے) تھے۔ (حضرت نوحؑ دُنیا میں توحید کا پیغام لے کر آتے تھے اور یہی حضرت ابراہیمؑ کی نبوّت کا مقصد تھا)[1]

(۸۴) إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ جب وہ اپنے پروردگار کے حضور سلامتی والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔

(۸۵) إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ جب اُس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا، یہ (بُت) کیا ہیں، جن کی تم پُوجا کرتے ہو؟

(۸۶) أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ کیا جھوٹ (بنا کر) اللہ کے سوا

---

[1] قرآن پاک سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ تمام انبیائے کرام خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی غرض و غایت لے کر آئے تھے۔ اُن کی تعلیم میں قطعًا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے، کیوں کہ ایک کے انکار سے سب کا انکار لازم آئے گا — دوسرے لفظوں میں یہ خدا کا انکار ہے، جو صریحًا کفر و بغاوت ہے۔

دوسرے معبودوں کو تم چاہتے ہو؟
(۸۷) فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ تمام جہانوں کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے (کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ تمہارے کفر و شرک کو نظرانداز کردے گا اور تمہاری بداعمالیوں پر تمہیں کوئی سزا نہ دی جائے گی!)
(۸۸) فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ○ پھر اُس نے (یعنی ابراہیمؑ نے) ستاروں کی طرف ایک نظر دیکھا۔
(۸۹) فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ○ اور کہا میں تو (تمہارے مشرکانہ اعمال کو دیکھ دیکھ کر) بیمار (ہوگیا) ہوں۔
(۹۰) فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ○ پھر وہ (لوگ) اُس سے پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹ گئے۔
(۹۱) فَرَاغَ اِلٰى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ○ پھر (ابراہیمؑ) اُن کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کیا تم (کھانا) نہیں کھاتے؟
(۹۲) مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ○ تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے نہیں؟
(۹۳) فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ○ پھر (انہیں بالکل خموش اور بے حقیقت پتھر سمجھ کر ابراہیمؑ نے) انہیں داہنے ہاتھ سے مارنا شروع کیا۔
(۹۴) فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ○ تو وہ لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے۔
(۹۵) قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○ اُس نے کہا: کیا تم اُن (بتوں) کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم (خود اپنے ہاتھوں سے) تراشتے ہو۔
(۹۶) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ اور (پتھر کی بے جان مورتیوں کی پوجا تو کسی بھی صورت میں جائز نہیں، عبادت کے لائق وہی ایک اللہ (ہے جس) نے تمہیں پیدا کیا اور جو کچھ تم بناتے ہو (یعنی پتھروں کا خالق بھی وہی ہے)
(۹۷) قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ○ (بت پرستوں سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا) وہ (غصّے میں آکر) پکار اٹھے اُس کے لئے (یعنی ابراہیمؑ کے لئے) ایک عمارت بناؤ (اس عمارت میں لکڑیاں جمع کرکے آگ تیار کردو) پھر (اُس دہکتی ہوئی) آگ میں اُس کو ڈال دو!

(۹۸) فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ○ پس انہوں نے اُس کے ساتھ ایک داؤ کھیلنا چاہا (وہ ان کو کسی نہ کسی طرح آگ میں ڈالنا چاہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو صاف بچالیا) اور (اُلٹا) ان (کے دشمنوں) کو ذلیل (ورسوا) کردیا۔

(۹۹) وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ○ اور (جب دشمنوں کی ریشہ دوانیوں اور مخالفتوں کی انتہا ہوگئی تو آپ نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ ہجرت خدا ہی کی طرف جانے کے مترادف ہے، کیوں کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی خاطر کیا جاتا ہے، وہ اللہ ہی کی طرف لے جاتا ہے ۔ ابراہیم نے) کہا: مَیں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں ۔ وہ جلد ہی مجھ کو (کامیابی کی) راہ دکھلا دے گا۔

(۱۰۰) رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (آپ شام میں چلے جاتے ہیں، تو بڑھاپے اور تنہائی کی تکلیفوں سے اُکتا کر، خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں) اے میرے پروردگار! مجھے (اولاد) عطا کر جو صالحین میں سے ہو۔

(۱۰۱) فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ (دعا قبول ہوتی ہے) پس ہم نے اس کو ایک بُردبار بیٹے کی خوش خبری دی ۔

(۱۰۲) فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ پس جب وہ (لڑکا یعنی اسحٰق) اُس (ابراہیمؑ) کے ساتھ کوشش کرنے لگا (یعنی کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے قابل ہوگیا تو انہی دنوں حضرت ابراہیمؑ نے ایک خواب دیکھا، چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے کو) کہا: اے میرے چھوٹے بیٹے! (آپ کا بڑا بیٹا اسمٰعیلؑ، خدمت کعبہ کے لئے عرب ہی میں رہ گیا تھا، وہ اُس وقت ساتھ نہیں تھا) میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں ۔ تو دیکھ (اس بارے میں) تیرا کیا خیال ہے! (اسحٰق نے) کہا: اے میرے باپ! (میری اس میں کیا رائے ہوگی؟) جو حکم تجھے دیا گیا ہے (بلا تردد اُس پر عمل) کر۔ اگر اللہ نے چاہا، تو قریب ہے کہ تو مجھے صابروں میں پائے۔

(۱۰۳) فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ پس جب دونوں (ایک فیصلے پر) متفق ہوگئے (یعنی باپ ذبح کرنے پر اور بیٹا ذبح ہونے پر) تو اُس (ابراہیمؑ) نے (اسحٰق کو)

ماتھے کے بل لٹا دیا۔
(۱۰۴) وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۙ اور ہم نے اُسے پکارا کہ اے ابراہیم!
(۱۰۵) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ تو نے رؤیا
خواب ہی کو سچ کر دکھایا (حالانکہ خواب کچھ ہوتا ہے اور اس کی تعبیر کچھ ہوتی ہے ــــــ قرآن حکیم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے میں دو ایک خواب بیان ہوئے ہیں، ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خواب کی تعبیر اس کے مشاہدے سے بالکل الگ چیز ہے مثلاً ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے اور دوسرے نے دیکھا کہ اُس کے سر پر روٹیاں ہیں جنہیں پرندے کھا رہے ہیں، حضرت یوسف ان خوابوں کی تعبیر اس طرح بیان کرتے ہیں:

اَحَدُكُمَا فَيَسْقِىْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ	تم میں سے ایک اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر
وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ	مامور ہو جائے گا اور دوسرا سولی پر چڑھایا جائیگا
الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ (سورۂ یوسف)	اور اس کے سر کو پرندے نوچیں گے!

اسی طرح عزیز مصر کا وہ خواب، جس میں سات موٹی گائیں اور سات دُبلی اور سات ہری بالیں اور سات خشک دکھائی گئی تھیں، ایک مستقل تعبیر رکھتا ہے، یعنی سات برس غلّہ کثرت سے ہوا اور سات برس مسلسل قحط پڑا۔ ان حقائق کو سامنے رکھا جائے، تو یہ باور ہی نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابراہیم جہاں خواب میں لپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہیں، وہاں سچ مچ اسحٰق کا مادی طور پر ذبح کرنا ہی مراد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جوں ہی وہ اُس کو ماتھے کے بل پچھاڑتے ہیں، امرِ الٰہی اُن کو اس فعل سے روک دیتا ہے۔

پس یہاں بیٹے کو ذبح کرنے کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ حضرت اسحٰق تمام عمر کے لئے خدمتِ دین کی راہ میں قربان ہوتے رہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے منصبِ نبوت پر قائم ہوئے اور ساری عمر توحید کی تبلیغ میں مصروف رہے۔

مگر حضرت ابراہیم کا یہ جذبہ کہ اپنے لختِ جگر کو خدا کے نام پر فی الحقیقہ قربان ہونے پر تیار ہو گئے، بڑا ہی مبارک جذبہ ہے۔ گو خدا تعالیٰ کے نزدیک اُن کے طریقِ عمل میں غلطی تھی، مگر صدق و خلوص اور جوشِ اطاعت کا جو پاکیزہ جذبہ اُن کے دل میں موجود تھا، ناممکن تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور سے مستحقِ انعام نہ سمجھا جاتا۔ اس مبارک جذبے کی پہلی جزا یہ تھی

کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کی جان بچائی اور ایک معمولی قربانی کے بجائے ہمیشہ باقی رہنے والی قربانی سے سرفراز کیا۔ دوسری جزا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو آنے والی نسلوں کے لئے یادگار کے طور پر باقی رکھا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے) اور ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں!

(۱۰۶) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ○ درحقیقت یہ (واقعہ) ایک واضح آزمائش تھی (حضرت ابراہیمؑ اس آزمائش کو سمجھ نہ سکے اور خواب کے ظاہری دکھاوے پر ہی عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے عین موقعہ پر اُن کو اس بلا سے نجات عطا فرمائی اور اُن سے جو لغزش ہوا چاہتی تھی اس کو روک دیا)

(۱۰۷) وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ اور (ہم نے اس (اسحاق) کو ایک بڑی قربانی کا فدیہ دیا (یعنی اُن کو زندہ رکھا، تاکہ وہ ساری عمر خدا کی راہ میں قربان ہوتے رہیں)

(۱۰۸) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ اور ہم نے پیچھے آنے لوگوں میں (ابراہیم کی یادگار باقی) چھوڑ دیا (آپ کو دنیا کی تمام قوموں کے نزدیک عزت و احترام حاصل ہے)

(۱۰۹) سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ (پس) ابراہیم پر (تمام دنیا کی قوموں کی طرف سے) سلامتی ہو۔

(۱۱۰) كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ (اللہ کی راہ میں) نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

(۱۱۱) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○ بے شک وہ (ابراہیم) ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا۔

(۱۱۲) وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اور (اب ذبح عظیم کی تشریح ہوتی ہے، یعنی) ہم نے اس (ابراہیم) کو خوش خبری دی کہ اسحاق نبی ہوگا (ایسا نبی، جس کا شمار) صالحین میں سے (ہوگا) اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فدیہ مینڈھے کی قربانی کا فدیہ نہ تھا، بلکہ اسحاقؑ کی نبوت کا فدیہ تھا۔ اگر اسحاقؑ ذبح ہو جاتے تو بشارت کا موقعہ کس طرح پیدا ہوتا!

(۱۱۳) وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ○ اور ہم

نے اُس (یعنی ابراہیمؑ) پر اور اسحاقؑ پر برکت (عطا) کی۔ (یہ برکت محض اُن کے نیک اعمال کی وجہ سے تھی۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک نسل و خون کے رشتے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ بُرا شخص ہر حالت میں بُرا ہے خواہ پیغمبر کی اولاد ہی میں کیوں نہ داخل ہو اور نیک شخص بہر حال نیک ہے اگرچہ اُس کے آباؤ اجداد انتہائی طور پر بدکار و بدعمل رہ چکے ہوں۔ پس یہی وجہ ہے کہ) اُن دونوں (یعنی ابراہیم اور اسحٰق) کی اولاد میں نیکوکار (بھی پیدا ہوتے رہے ہیں) اور اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے بھی (یہاں تک کہ انہی کی اولاد میں سے گوسالہ پرست بھی پیدا ہوتے)

رکوع چہارم

چوتھے رکوع میں خدا تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا چند الفاظ میں ذکر فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ اُن پر کیا کیا مہربانیاں کی گئیں۔ اُن پر خدا تعالیٰ کا پہلا احسان یہ تھا کہ اُن کو اور اُن کی قوم کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات عطا فرمائی۔ دوسرا احسان یہ تھا کہ اُن کو زمین کی حکومت عنایت کی گئی۔ تیسرا احسان یہ تھا کہ انہیں کتاب عطا کی گئی اور چوتھا بڑا احسان یہ تھا کہ اُن کو سیدھے راستے کی ہدایت کی گئی۔ وَلَقَدْ مَنَنَّا (یعنی ہم نے ان پر احسان کیا) کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ سے جو کام اِس دنیا میں لئے گئے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی کا نتیجہ ہیں۔ اگر اُس کا فضل شامل حال نہ ہو، تو کوئی خدمت سرانجام نہیں دی جاسکتی۔

اس کے بعد حضرت الیاسؑ کا ذکر ہے۔ اُن کی قوم کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ "بعل" (ایک بت کا نام) کی پرستش کرتی تھی۔ آپ نے اُن کو اس مشرکانہ فعل سے منع کیا، مگر وہ لوگ باز نہ آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں عذابِ الٰہی میں گرفتار کیا گیا۔ ہاں نیکوکار بندے بچا لئے گئے۔ اس کے بعد حضرت لوطؑ کا ذکر ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اُن کے متعلقین کو نجات دی اور سرکشی کرنے والے لوگوں کو ہلاک کیا۔ البتہ حضرت لوطؑ کے متعلقین سے بھی ایک عورت ایسی تھی جو بدکردار لوگوں کے ساتھ ہی ہلاک کر دی گئی، کیوں کہ وہ شریر لوگوں کی مددگار تھی اور اُن کے ساتھ خفیہ طور سے ساز باز رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن لوگوں کی تباہی اور بربادی کی نشانیوں کی طرف توجہ دلا کر عبرت دلاتا ہے کہ ہم بداعمالیوں سے بچتے رہیں۔ اِس جگہ یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ یہاں حضرت لوطؑ پر انفرادی طور سے سلام نہیں لایا گیا، کیوں کہ اُنہوں نے اپنی قوم

کی بداخلاقیوں کی کھلی مخالفت نہیں کی تھی اور اُن کے مقابلے میں جرأت کے بجائے کمزوری کا ثبوت دیا تھا)

(۱۱۴) وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ○ اور (حضرت موسٰی حضرت ہارون اور اُن کی قوم بہت ہی مصیبت میں مبتلا تھی، جب کہ) ہم نے موسٰی اور ہارون پر اپنا احسان کیا۔

(۱۱۵) وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ہم نے اِن دونوں کو اور اُن دونوں کی قوم کو بڑی (دردناک) مصیبت سے (یعنی فرعون کے ظلم و استبداد سے) نجات دی۔

(۱۱۶) وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ○ اور (صرف نجات ہی نہیں بخشی بلکہ) ہم نے ان کی مدد (بھی) کی اور وہ (فرعون کے ملک و مال پر) غالب (بھی) ہوئے (ایسی بے بس اور کمزور قوم کو حکومت و سلطنت کا حاصل ہوجانا، تصرفِ الٰہی نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کتنی ہی مظلوم قوموں کو، ذلت و نکبت کی پستیوں سے اُٹھا کر عزت و شوکت کی بلندیوں پر فائز کیا، پس یہ بھی اس کے تصرف کی ایک مثال ہے)

(۱۱۷) وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ○ اور اُن دونوں کو (یعنی موسٰی و ہارون کو) ہم نے ایک واضح کتاب (یعنی توریت) عطا کی۔

(۱۱۸) وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ اور ہم نے اِن دونوں کو ہدایت دے کر ایک سیدھے راستے پر چلایا۔

(۱۱۹) وَتَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ اور پیچھے آنے والے لوگوں میں اُن کا ذکرِ خیر باقی چھوڑ دیا کہ وہ کہتے ہیں کہ:

(۱۲۰) سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ○ سلامتی ہو موسٰی و ہارون پر۔

(۱۲۱) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ بے شک ہم نیک بندوں کو ایسا ہی اجر دیا کرتے ہیں۔

(۱۲۲) اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ○ بے شک وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے

(۱۲۳) وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اور الیاس (بھی ہمارے) رسُولوں میں سے (ایک رسُول) تھا (اور اس کی تعلیم بھی وہی توحید تھی جو تمام نبیوں کی تعلیم و ہدایت کا مرکز ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے)

(۱۲۴) اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ جب اُس نے اپنی قوم کو (وعظ و نصیحت کرتے ہُوئے) کہا کہ تم (لوگ اپنی نافرانیوں سے باز کیوں نہیں آتے اور اللہ سے) کیوں نہیں ڈرتے؟

(۱۲۵) اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ○ (بڑے افسوس کا مقام ہے کہ) کیا تم بعل (یعنی سُورج) کو پکارتے (اور اُس کی پرستش کرتے) ہو اور سب سے اچھے پیدا کرنے والے (خدا) کو چھوڑتے ہو! (عبادت خالق کی ہونا چاہیے نہ کہ مخلوق کی)

(۱۲۶) اَللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (عبادت کا استحقاق تو صرف اللہ (ہی کو پہنچتا ہے جو نہ صرف) تمہارا پروردگار ہے بلکہ تمہارے اگلے باپ دادوں کا (بھی) پروردگار (ہے)

(۱۲۷) فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ پس (الیاس کی قوم نے) اس کو جھٹلا دیا (اور اُن کی سرکشی کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ وہ (عذاب الٰہی کے سامنے) حاضر کئے گئے۔

(۱۲۸) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○ مگر (یہ عذاب صرف شریروں ہی کو دیا گیا تھا۔ اللہ کے مخلص بندے اس سے بچا لئے گئے)

(۱۲۹) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ہم نے اُس کا (یعنی حضرت الیاس کا ذکر خیر) پیچھے آنے والے لوگوں میں چھوڑ دیا۔

(۱۳۰) سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْيَاسِيْنَ الیاسین پر سلامتی ہو!

(۱۳۱) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ ہم (اپنے) نیک بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

(۱۳۲) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○ بے شک وہ (الیاسؑ) ہمارے ایماندار

بندوں میں سے تھا۔

اب آگے لوطؑ کا ذکر فرمایا۔ رسالت اکتسابی چیز نہیں ہے۔ یہ محض تصرف الٰہی اور فضل خداوندی سے حاصل ہوتی ہے۔ جیساکہ فرمایا:

(۱۳۳) وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ اور تحقیق لوطؑ البتہ رسولوں میں سے تھا

(۱۳۴) إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۝ ہم نے اسے شریر لوگوں میں سے چند مسلم متعلقین سمیت بچالیا۔ متعلقین میں سے ایک عورت بھی تھی، مگر وُہ خائنہ تھی اور بدکردار مُجرمین سے سازباز رکھتی تھی۔ اسی طرح دوسرے ظالموں کی عورتیں وغیرہ بھی ان نابہجاروں کے اس فعل قبیح میں شریک و معاون تھیں۔ لہٰذا وُہ بھی ان کے ساتھ ہی عذاب الیم کی چکی میں پس گئیں۔ نیک لوگوں کو بچالیا گیا۔ جیساکہ فرمایا، دیکھو ہمارا تصرف) جب ہم (خدا) نے اس (لوطؑ) کو اور اس کے سب اہل کو (زلزلہ اور پتھروں وغیرہ کی بارش کے عذاب الیم سے) نجات دی)

(۱۳۵) إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ۝ مگر (اس کی عورت) بڑھیا (کو نہ بچایا، کیوں کہ وُہ اپنے اعمال غیر حسنہ کے سبب ان تباہ و برباد ہونے والے لوگوں کے ہمراہ) پیچھے رہنے (اور ہلاک ہونے) والوں سے تھی (اس قوم کی تمام عورتیں اس بات پر فخر کیا کرتی تھیں کہ ہمارے مرد دوسری قوموں کو لوٹ لیتے ہیں اور ان کے ساتھ بدفعلی کرکے شرمندہ کرتے ہیں۔ اس لیے وُہ بھی ساتھ ہی غارت کردی گئیں۔ اگر عورتیں نیک ہوتیں تو ان کو بھی نجات مل جاتی، مگر وُہ خود ظلم و معصیت میں برابر کی شریک تھیں اور مردوں کے مظالم پر فخر و غرور کا اظہار کیا کرتی تھیں پس وُہ بھی ساتھ ہی رگید دی گئیں۔ صرف چند نفوس کے سوائے باقی سب غارت کر دیے گئے جیساکہ فرمایا:)

(۱۳۶) ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ۝ پھر ہم (خدا) نے (سب) پچھلوں کو اکھاڑ مارا۔ (اور ان کا تمام علاقہ کھارے پانی کی جھیل میں تبدیل کردیا، جو آج تک بحیرۂ مُردار کی شکل میں موجود ہے اور عذاب الٰہی کا خوف ناک منظر پیش کر رہا ہے۔ عقل مندوں کو اس سے سبق اور عبرت حاصل ہوتی ہے، جیساکہ فرمایا۔ اے لوگو! خاص کر عرب والو! تمہارے تو شام کے سفر وغیرہ میں یہ ہول ناک منظر راستہ میں آجاتا ہے۔ پھر غور و فکر کرو اور بے خوف نہ ہو جاؤ۔ یہ سنت اللہ ہمیشہ جاری رہے گی کہ جب کبھی ظلم کا پیمانہ لب ریز ہُوا۔ ہم نے اُلٹ دیا۔ اس عالیشان نصیحت کو گوش ہوش سے سنو۔)

قبول کرو۔ ورنہ خدا کا ہاتھ تم سے دور نہیں۔ جب گرفت آگئی تو پھر کیا کرو گے؟ پس یہی بہتر ہے کہ عذاب سے
پہلے پہلے توحید کے پیرو بن کر آپس میں حریت و مساوات کا برتاؤ کرو اور دوسروں کو بھی یہی تعلیم دو۔
(۱۳۷) وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ﴿۱﴾ (۱۳۸) وَبِاللَّيْلِ
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿ع﴾ اور تحقیق تم البتہ گذرتے ہو اوپر ان (تباہ شدہ لوگوں کے علاقہ) پر صبح
کو (کبھی اور کبھی سفر میں) اور رات کو (کبھی قیام وغیرہ کرتے ہو اور پھر ان کا انجام دیکھ کر کیا دل میں خوفِ خدا
سے کبھی لرزتے بھی ہو، یا یوں ہی گذر جاتے ہو) کیا تم پھر عقل سے کام نہیں لیتے (عقل جیسی نعمت عظمیٰ سے
بے پرواہ رکھنا پرلے درجے کی ضد اور گناہ ہے۔ عقل سے کام لینے میں بڑے بڑے فواید حاصل ہوتے ہیں۔
عقل سے پرے ہٹنے والوں کو چارپایوں سے بدتر کہا گیا ہے۔ بھول جانے والوں کو یاد دلانا بھی انعامِ
الٰہی ہے۔ انبیاءؑ کے ذکر سے بھی اپنے انعاموں کا دکھانا اور توحید کی طرف مائل کرنا مقصود ہے۔ یہاں
ایک چیز قابلِ بیان ہے کہ اس جگہ انفرادی طور پر جناب لوطؑ پر سلام نہیں لایا گیا، کیوں کہ لوطؑ نے
اپنی قوم کے مقابلہ میں کمزوری دکھائی اور دب گئے تھے اور دوسرے لوگوں کے بارے میں اپنی قوم
سے کھلی مخالفت نہ کی بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کا کہنا کسی قدر مان گئے تھے۔ جبھی وہ بڑے زور سے
کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تجھے دوسرے لوگوں کے معاملہ میں دخل دینے سے روک نہیں رکھا ہے؟
اس وقت آپ کوئی دنداں شکن جواب نہیں دیتے اور یہ کام شانِ رسالت سے قدرے بعید تھا۔ ویسے
تو بحیثیت مجموعی تمام رسل پر اسی سورت کے اخیر میں سلام آیا ہے۔ اس کمزوری کے باوجود وہ رسولوں
سے الگ نہیں کیے گئے۔ ہاں! اولوالعزم ثابت نہ ہوئے۔ اسی طرح انفرادی طور پر جناب یونسؑ پر
بھی سلام نہیں آیا، جس کی وجہ ان کی جلد بازی کر کے نکل جانا اور یہ سمجھنا کہ خدا کا ہاتھ مجھ تک نہ
پہنچے گا، وغیرہ وغیرہ تھی۔ وہ ان حالتوں میں عہدۂ رسالت پر فائز تھے، اگرچہ کام نہیں کرتے تھے۔ ان
کو زمرۂ رسل سے نکالا نہیں گیا تھا، خواہ صلاحیت والے نہ رہے تھے۔ یہ انسانی لغزشیں قابلِ درگذر
ہیں، ہاں! انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی غلطی پر اصرار نہ کرے، اپنی ضد پر اڑا نہ رہے۔ بھول ہو جائے
تو یاد آنے پر فوراً معافی مانگے۔ انسانی کمزوریوں سے کوئی انسان خالی نہیں ہے۔ خود رسول کریمؐ کو کئی
بار آگاہ کیا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تکبر آنے کی وجہ سے تیرے دل پر مہر لگا دیتا اور کسی اور شخص
سے رسالت کا کام لے لیتا اور تجھے ہٹا دیتا۔ اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو وحی بند کر دیتا پھر تو ہم پر کون سا
وکیل لاتا! وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے جو یہ کچھ نہ کیا گیا۔ وہ ہماری انسانی کمزوریوں کو
جانتا ہے، اسی واسطے درگذر کرتا رہتا ہے۔ ہاں! غلطی معلوم ہو جانے کے بعد اصرار کرنا، یہ عذاب کا

موجب اور گرفت کا سبب بن جاتا ہے۔ غرض جب بھی پتہ لگ جائے کہ یہ کام غلط تھا، تو فوراً معافی مانگے اور گڑگڑائے، گناہ پر دلیر نہ ہو جائے۔ الغرض انسان بھولنے والا تو ضرور ہے، مگر شرارت کے جُرم پر اصرار نہ کرے۔ جناب یونسؑ باوجود اتنی لغزشوں کے رسول ہی رہے۔ اگرچہ یہ افعال مستحسن نہ تھے۔ اور انسانی کمزوری کے سبب اُن سے سرزد ہوتے رہے تھے۔ جب شکنجہ میں آکر گناہوں کا اعتراف کیا، خدا تعالےٰ نے ان کو، صالحین میں سے کر دیا، گو وہ پہلے صلاحیت والے نہ رہے تھے غرض فرمایا)

(۱۳۹) وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ اور تحقیق یونسؑ البتہ (بالضرور میرے) رسولوں میں سے تھا۔

(۱۴۰) اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۞ (اس وقت بھی وہ رسول ہی تھے۔ زمرۂ انبیاء سے خارج نہیں کیے گئے تھے) جب (یونسؑ) اپنے مالک (حقیقی یعنی خدا) سے بھاگ گیا (دوسری جگہ آیا ہے کہ جب غصے ہو کر چلا گیا۔ غرض بھاگ گیا۔ صبر نہ کیا۔ انتظار کرتا تو خدا خود اُسے نکلنے کا حکم کرتا۔ یا عذاب ہی ٹل جاتا جیسا کہ ہُوا بھی یہی۔ قوم نے رجوع کیا، خدا تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ گھبرا کر بخشش مانگنا اور توبہ کرنا خوبی کی بات ہے۔ عذاب کی خواہش کرنا شریروں کا کام ہے۔ رسول کریمؐ سے ناقدردان لوگ عذاب مانگتے تھے۔ یہ عذاب لانا آپ کے ہاتھ میں تھوڑا ہی تھا۔ آپ تو بحکم خدا فرماتے تھے کہ اگر یہ میرے بس کی بات ہوتی تو تمہارا میرا فیصلہ ہو گیا ہوتا، یہ ہے انسانی کمزوریوں کی صحیح تصویر۔ عذاب نہ کسی کے کہنے سے آتا ہے، نہ کسی کے کہنے سے ٹلتا ہے۔ انسانی خیالات ہمیشہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ بے تغیر صرف خداتعم کی ذاتِ قدس ہی ہے اور رہی باریک بینی، وہ خوب جانتا ہے کہ کون سا کام کس وقت کرنا ہے؟ وہی خدا صحیح اندازے لگانے والا ہے۔ ہمیں صبر سے کام لینے کی عادت ڈالنا چاہیے۔ بے صبری تکالیف کا موجب بن جاتی ہے۔ ہمارے رسول کریمؐ کو حکم ہے کہ مچھلی والے کی مانند نہ بننا، بلکہ صبر کرنا۔ تو ثابت ہُوا کہ صبر ضروری چیز ہے۔ یہی بے صبری تھی، جو یونسؑ سے ظہور میں آئی کہ کیوں خدا میری بات نہیں مانتا اور قوم کو عذاب نہیں بھیجتا، جب کام اُن کے حسب منشا نہ ہُوا تو اَبَقَ یعنی اپنے آقا کے نافرمان غلام کی طرح بھاگ نکلے اور کشتی پر سوار ہو گئے اور نینوا سے شام عبور کر کے سیریا کی طرف کہیں دور دراز علاقہ میں نکل جانا چاہا اور سمجھ لیا کہ خدا کا ہاتھ مجھ تک نہیں پہنچے گا۔ انسان جلد بازی میں گھبراہٹ کے موقعہ پر ایسے کلمات زبان سے نکال بیٹھتا ہے۔ غرض ابھی توبہ کا

موقعہ ہاتھ سے نہیں نکلا تھا، اس لیے رسُولوں میں سے نکالے نہیں گئے۔ غرض بھری ہوئی کشتی میں جا بیٹھے وہ ہچکولے کھانے لگی۔ کشتیوں کو خدا ہی پانی پر چلاتا ہے۔ دُوسرا کوئی اس لائق نہیں ہے۔ کشتی کے ڈگمگانے سے ملاحوں نے یہ سمجھا کہ سمندر کا دیوتا ناراض ہے ایک آدھ آدمی کو بھینٹ چڑھانا چاہیے، تاکہ باقی صحیح سلامت بچ جائیں۔ اپنی خوشی سے تو کون جان دیتا، قرعہ اندازی کی ٹھہری۔ جس میں یُونس بھی شریک تھے)

(۱۴۱) فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿١٤١﴾ اس نے بھی، قرعہ ڈالا (تو اُسی کا نام نکلا)، پس ہوگیا زک اُٹھانے والوں سے (سمندر میں پھینکا گیا۔ یہ ثمرہ تھا، جو اُن کو خدا کے بھاگنے پر ملا)

(۱۴۲) فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿١٤٢﴾ جوں ہی ان کو سمندر میں پھینکا گیا، ایک بہت بڑی مچھلی (شارل) نے اُن کو نگل لیا، جو خُدا کے حکم سے مُنہ کھولے ہوئے اُن کی منتظر تھی۔ مچھلی کا مُنہ بڑا تھا، مُنہ کے اندر ٹھہرے نہیں بلکہ فوراً پیٹ میں چلے گئے۔ یہ مچھلی بحیرۂ روم میں پائی جاتی ہے اور اُسی سمندر کا یہ واقعہ ہے۔ برعکس اس کے وَہیل مچھلی کا پیٹ اگرچہ بہت بڑا ہوتا ہے، مگر مُنہ تنگ ہوتا ہے اور مُنہ میں جالی ہونے کے باعث بغیر چبائے کوئی چیز پیٹ میں نہیں جا سکتی لیکن شارل کے مُنہ میں جالی نہیں ہوتی، اس لیے فرمایا کہ اس کو نگل لیا، چبایا نہیں، مُنہ میں ورا نہیں رکے۔ فوراً پیٹ میں اُتر گئے۔ غرض جب پھینکے گئے تو) پس لقمہ بنایا اس کو مچھلی (شارل) نے اور وہ (یُونسؑ) سزاوار ملامت تھا۔ (یہ ملامت کا لفظ ذاریات میں فرعون پر بھی آیا ہے اور یہاں نبی پر بھی یہ لفظ بولا گیا ہے۔ انسان پیدا ہی ضعیف کیا گیا ہے اس کی باتیں خدا تعالیٰ کی باتوں کی مانند نہیں ہُوا کرتیں۔ غرض مچھلی کے پیٹ میں جاتے ہی اپنے ظلم اور نافرمانی کا سچے دل سے اقرار کیا، اور خدا کی معبودیت اور قدوسیت کی تعریف شروع کر دی۔ ابھی دوسرا عالم وارد نہیں ہُوا تھا۔ ہاں، فرعون پر دوسرا عالم وارد ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی زاری نہیں سُنی گئی۔ یُونسؑ کو موقعہ حاصل تھا۔ اس لیے جلد ہی خدا کی جناب میں آہ و زاری کر کے نجات حاصل کر لی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:)

(۱۴۳) فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤٤﴾

پھر اگر نہ ہوتا (قریب ہی وہ یونسؑ) تسبیح کہنے والوں میں سے (تو پھر اُس کا انجام کیا ہوتا؟ یہ کہ) البتہ اس (مچھلی) کے پیٹ میں اُس دن تک رہتا (جب) کہ لوگ (مر کر خدا تعالیٰ کے حضور) پیش ہوتے ہیں (یعنی

وہیں ہر گز حاضر ہوتا اور تکالیف اٹھاتا۔ ثابت ہؤا کہ انسان مرنے کے ساتھ ہی پیشی میں چلا جاتا ہے نہ کہ کسی دُور دراز قیامت کا انتظار کرتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا وُہ مچھلی ہمیشہ رہنے والی تھی کہ اُس قیامت تک یہ اس کے پیٹ ہی میں رہتے ؟ ہرگز نہیں۔ اگر یُونسؑ بغیر توبہ کے مرتا تو بنی ہرگز نہ رہتا۔ پس عجز منظور ہوا۔ گڑگڑانے اور توبہ کرنے پر خداتعالیٰ نے ان کو صالحین سے بنا دیا۔ انسان فوراً معافی مانگ لے تو بہت کچھ بہتری ہوجاتی ہے جیسے فرمایا:)

(۱۴۵) فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ○ ہم (خدا) نے (نہ کہ مچھلی نے) اس (یونسؑ) کو ننگے میدان میں پھینکا۔ اس حال میں کہ وُہ بیمار تھا (انسان اگر وقت پر توبہ کرے تو خداتعالیٰ کی رحمت سے ہر طرح کی تلافی ہوسکتی ہے۔ یونسؑ ابھی آخری درجہ میں نہیں پہنچا تھا کہ گناہوں کا اقرار اور خدا کی تعریف کرنے لگا، پس بچا لیا گیا اور اس میدان میں ان کی ایسی نازک حالت میں یہ حفاظت کی کہ قدرتی طور پر کدو کا بیج قریب کردیا۔ وُہ جلدی اُگتا ہے ایک تو اُس کے پتے چوڑے ہوتے ہیں۔ قدرے سائے کا کام دیتے ہیں۔ دُوسرے اُس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی)

(۱۴۶) وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ○ (کہ) اور ہم (خدا) نے اُس (بیمار یُونسؑ) پر کدو کا (بیل دار) درخت اُگا دیا (انسان سچے دل سے وقت نکل جانے سے پہلے پہلے توبہ کرے تو خُداتعالیٰ کی رحمت اپنی بخشش میں بخل نہیں کرتی ہاں! بعد از وقت گڑگڑانا فضول محض ہوتا ہے۔ قوم یونسؑ نے جناب یونسؑ کے بھاگ جانے کے بعد جب کچھ آثار عذاب الٰہی کے پائے تو فوراً نہ صرف خود بھی گناہوں سے باز آگئی بلکہ دوسروں کو بھی نیکی کی ہدایت کرنے لگ گئی اور ان کو اصل راستہ پر لانے کی سر توڑ کوشش کرکے اپنی ایک لاکھ کی تعداد میں اور اضافہ مصلحین کا کردیا، تو خداوند کریم نے ان سے گرفت دُور کردی اور اُن کو اور بھی موقعہ دیا جیساکہ فرمایا:)

(۱۴۷) وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ○ اور ہم نے اس (یونسؑ) کو ایک لاکھ (انسانوں) یا زیادہ کی طرف بھیجا (تھا۔ یعنی اُنہوں نے اوروں کو بھی دعوت اسلام دی اور اپنے ساتھ ملالیا، حالاں کہ پہلے ہی ایک لاکھ انسان حقیقی تعلیم سے بیزار تھے۔ اب وُہ دُوسروں کے معلم بن گئے۔ یا یہ معنے کہ یونسؑ ان کی طرف بھی آئے تھے جن کو اُن کی قوم اب اپنی طرف بلا کر ملا رہی ہے۔ الغرض وہ ایمان لائے اور عذاب ٹل گیا)۔

(۱۴۸) فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ پس وہ (قوم یونسؑ واحد خدا پر) ایمان لے آئے

پس ہم (خدا) نے ان کو ایک وقت تک موقع دیا (کہ فائدہ اٹھاؤ اور سیدھے راستہ پر چل کر نیکوکاری میں اور بھی بڑھو۔ یہ لوگ خوب پھلے پھولے اور انہوں نے عروج حاصل کیا اور کئی نسلوں تک نیکی اور اچھائی کے ساتھ بسر کرتے رہے۔ صدیوں بعد بگڑے تو نینوا پر ایسی تباہی آئی کہ اینٹ سے اینٹ بج گئی اور وہاں کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ انسان بڑا ناقدر شناس ہے اور احسانات الٰہی کو نظرانداز کردیتا ہے۔ اس سورہ میں جو انبیاء کا ذکر آیا ہے، تو اس میں بھی یہی بات ہے کہ دیکھو ہم نے ان پر کیسے کیسے احسان وانعام کیے وہ اپنی ذات میں بے احتیاج نہ تھے۔ ہمارے محتاج اور عاجز بندے تھے اور ان پر پیغام لانے والے ملائکہ تھے۔ یہ نبیوں سے نچلے درجے کے کارکن تھے۔ کیوں کہ یہ محض مجبور اور کٹ پتلی تھے۔ انبیاء تو پھر بھی کسی قدر اختیار رکھتے، مگر فرشتے محض بے اختیار ہیں۔ پھر جب (خدا) نے رسولوں اور نبیوں کو اپنے بیٹے نہ بنایا، تو ان سے گھٹیا درجہ کی مخلوق (فرشتوں) کو کب بیٹیاں بنانے لگا تھا۔ تف ہے ایسے اعتقاد پر! ناقصوں کا مجموعہ ناقص ہی ہوگا، اور کامل مطلق صرف ایک ہی ہوگا۔ دو کامل مطلق کبھی نہیں ہو سکتے کیا خدا کی اولاد ٹھہرانے والے یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ولد کے لیے والد اور والدہ کا ہونا ضروری ہے۔ والد رکن ہے اور والدہ شرط ہے۔ جیسے مٹی رکن اور سانچا شرط۔ اگر سانچے کے بغیر اولاد نہیں ہو سکتی تو پھر رکن کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے؟ خدا جیسی ہستی کے لیے تو اولاد صاحبہ (عورت) یعنی سانچے کے بغیر نہ ہو سکے، لیکن نعوذ باللہ مریم صدیقہ کو بغیر رکن (یعنی مٹی) کے مسیح ہو جائے! لوگ کدھر بہکے جا رہے ہیں؟ یہ جملہ معترضہ آگیا ہے غرض یہ ہے کہ کامل مطلق کسی رشتے ناطے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ارشاد ہوتا ہے، جو لوگ ایسا برا عقیدہ رکھتے ہیں):

(۱۴۹) فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ○ پس ان سے پوچھ کہ کیا تیرے (بلکہ تمام جہانوں کے) پروردگار کے لیے تو لڑکیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے؟ (ظالم لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرشتے عورتیں ہیں اور (نعوذ باللہ) خدا کی لڑکیاں ہیں اور کاہن لوگ انھیں قابو یا مسخر کرکے ان سے جماع بھی کرلیتے ہیں اور اس طرح خدا سے رشتہ بھی کرلیتے ہیں اور ان کے ذریعے سے اور بھی جو کام چاہتے ہیں کرلیتے ہیں۔ ان حد درجہ شریر ظالموں کا خدائے برتر کے متعلق ایسا گندہ اور پلید عقیدہ تھا۔ اس پر یہ پوچھا گیا کہ)

(۱۵۰) أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ○ یا کیا یہ لوگ دیکھنے والے تھے کہ ہم (خدا) نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے؟

(۱۵۱) اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ خبردار! (سن رکھو!) تحقیق یہ لوگ جھوٹ باندھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ

(۱۵۲) وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اللہ نے (اولاد کو) جنا ہے اور تحقیق یہ (لوگ بالکل ہی) البتہ جھوٹے ہیں (وہ اولاد سے پاک ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے۔ پھر جب یہ بات ہے تو اگر بالفرض اولاد بھی بناتا تو کیا لڑکیوں کو ترجیح دیتا؟ جیسا کہ فرمایا)

(۱۵۳) اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝ کیا (خدا نے) بیٹوں پر بیٹیوں کو چن لیا ہے (شرم کرو، یہ بے چاری تو جھگڑے میں اپنے حقوق تک بھی پیش نہیں کر سکتیں۔ دوسری کمزوریاں تو الگ رہیں)

(۱۵۴) مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ تمہیں (اے ایسا عقیدہ رکھنے والے ظالمو!) کیا ہوگیا؟ کیسے (ذلیل اور گرے ہوئے) فیصلے دیتے ہو؟ (اس سچی اور پاکیزہ تعلیم سے اثر نہیں لیتے۔ کوئی معقول جواب دو)

(۱۵۵) اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ (کیوں اس قدر طغیان و عصیان میں بڑھنے کی جرأت کرتے ہو اور دانستہ اندھے بنتے ہو؟)

(۱۵۶) اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ یا کیا تمہارے واسطے (اس بہت بڑے عقیدہ کی سند میں) کوئی (بھی معقول، ظاہر اور سچی اور واضح دلیل ہے؟ (اس بے ہودہ اور ناپاک خیال کی دلیل ہی کیا ہوگی؟ اب انہیں نادم کرنے کو فرمایا)

(۱۵۷) فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ پس تم اپنی (کوئی ایسی) کتاب لے آؤ (جس میں لغو و باطل خیال صحیح ہو (اور اسے عقلمندوں کی سوسائٹی میں پیش کرو) اگر تم سچے ہو (اور جس سے خدا کی لڑکیاں ثابت ہوں اور کاہنوں کا ان کو مسخر کرکے سب کام لینے کا ثبوت مل جائے اور پھر ان کاہنوں اور خدا میں سمدھی والا رشتہ ثابت ہو۔ پس اگر تمہارے پاس کوئی معقول دلیل ہے تو سامنے لاؤ۔ تف ہے یہ نامعقول عقیدہ رکھنے والوں پر۔ ان لوگوں نے برائی میں یہاں تک ترقی کی کہ

(۱۵۸) وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝ اور بنایا ان (ظالم مشرکوں) نے (اپنے دل کے چاؤں سے) اس

(خداتعالیٰ) کے درمیان اور جنوں (یعنی کاہنوں، مآلوں اور وہم پرست جفّاروں وغیرہ) کے درمیان رشتہ (ان بدبختوں نے خدا کے قدوس کے داماد ٹھہرائے۔ نعوذ باللہ) اور البتہ جن (یعنی یہ کاہن اپنی بدکاری، بدعملی اور کذب وافترا کے سبب یقیناً) جان چکے ہیں کہ تحقیق وہ (خدا کی) حضوری میں پکڑے جائیں گے (لوگوں کا مال کھانا اور اپنے مرید بنانا، ان کو معلوم تھا کہ ایک دن یہ چیزیں رنگ لائیں گی، مگر دنیا کے لذائذ سے نکلنا بھی نہ چاہتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ ہم لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں، کیوں کہ)

(۱۵۹) سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○ اللہ پاک ہے، اُس سے جو یہ کہتے ہیں۔ اُن کو اسی لیے دنیا اور آخرت میں رسوائی ہے کہ دانستہ جرائم کرتے اور کراتے ہیں) مگر اللہ تعالیٰ کے چُنے ہوئے بندے (ایسا کام نہیں کرتے، وہ تو اگر بھول جائیں تو فوراً مغفرت مانگتے ہیں۔ گناہ کرکے اصرار نہیں کرتے اس لیے وہ گرفتار کرکے اور پابہ زنجیر نہیں لائے جاتے، بلکہ مہمانوں کی طرح عزت و توقیر اور شان و شوکت سے بُلائے جاتے ہیں۔ یہ ہے سعید و شقی کا بیّن فرق! اس دن مجرمین الگ کیے جاتے ہیں اور مفلحین الگ۔ اب نیک اور خداپرست جنوں کا قول نقل فرمایا کہ وہ بدباطن پیروں اور ان کے مریدوں کو کہتے ہیں کہ

(۱۶۱) فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ○ (۱۶۲) مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ○ (۱۶۳) اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ○ پس تم لوگ اور جن کی تم خداتعالیٰ کے سوائے پرستش کرتے ہو، کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے (کون کسی کے جبر وغیرہ سے گمراہ بنتا ہے) مگر وہی (شخص) جو خود جہنم میں جانا چاہتا ہے (جو بدباطن ہو اور اپنے ہاتھوں دوزخ کا ایندھن اکٹھا کر رہا ہو۔ بس بات یہ ہے کہ یہاں کوئی بے انصافی نہیں ہے۔ ہر ایک کے ساتھ پورا پورا عدل و انصاف کیا جائے گا۔ جو جس لائق ہے وہی پائے گا، کوئی کسی کے ذرہ بھر کام نہ آئے گا۔ ہر جماعت کے لیے الگ الگ حدود مقرر ہیں اور ان کو بتدریج ترقیاں حاصل ہوتی رہیں گی۔

(۱۶۴) وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ○ اور ہم میں سے جو (بھی) ہیں (ہمارا معاملہ بالکل صاف رکھا جائے گا، ایک کی جگہ دوسرے کو نہیں ملے گی، شفاعت و سفارش بھی کسی کے کام نہیں آئے گی۔ قانون مقررہ کے مطابق جیسا کسی نے کیا ہوگا، اُس کے عین مناسب) اس کے واسطے معلوم (اور مقرر) جگہ ہے (کوئی کتنی بھی ترقی کرے۔ انسانیت سے

بجل کر الوہیت کا مقام حاصل نہیں کر سکتا)

(۱۶۵) وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ۝ ہم (انتہائی عاجزی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے حضور) صف بستہ (کھڑے) رہتے ہیں۔

(۱۶۶) وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ۝ اور تحقیق البتہ ہم (خدا تعالیٰ کی) پاکیزہ تعریفیں بیان کرتے رہتے ہیں۔ (آگے چل کر کفار اور مشرکین مکہ کی ضد و عداوت اور ہٹ دھرمی کا ذکر فرمایا:)

(۱۶۷) وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ۝ اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی نصیحت کی کوئی کتاب ہوتی تو ہم بھی دوسری قوموں کی طرح نیک اعمال سرانجام دیتے، مگر کتاب نازل ہونے پر ان ہی لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:)

(۱۶۸) لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت (کی کتاب موجود) ہوتی،

(۱۶۹) لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝ تو ہم اللہ کے مخلص (اور نیک) بندے ہوتے۔

(۱۷۰) فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ مگر جب ہدایت والی کتاب اُن کے پاس آگئی، تو بجائے اس کے اس پر ایمان لاتے، اُلٹا) اُس سے انکار کیا (یاد رہے کہ یہ انکار اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی معمولی بات نہیں)، پس جلدی ہی وہ جان لیں گے (کہ اس کفر و انکار کی پاداش میں ان کے لیے کتنا سخت عذاب تیار ہے!)

(۱۷۱) وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ (۱۷۲) إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ (جس طرح کفار اور مشرکین کو عذاب کی وعید لائی گئی، اُسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو جزائے خیر کی بشارت بھی دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے) اور ہمارے پیغام پہنچانے والے بندوں کے ساتھ ہمارا وعدہ ہو چکا کہ تحقیق وہی غالب (اور فتح مند) رہیں گے (خدا اُن کا ناصر اور وہ منصور ہیں۔ ہمیشہ فتح اور کامیابی اُنہیں ہی ملی اور اُنہی کے لشکروں کو ظفر مندی حاصل ہوتی رہی۔ جیسا کہ فرمایا)

(۱۷۳) وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ اور تحقیق ہماری (خدا کی) فوج ضرور غالب ہونے والی ہے) سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کب وقوع میں آئے گا؟ محض ڈراوے ہی سے تو کام نہیں لیا جارہا؟ پس اے رسول! گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لمبا انتظار نہیں کرنا پڑے گا)

(۱۷۴) فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ (۱۷۵) وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ۝

پس ایک (تھوڑے) وقت تک ان سے مُنہ موڑ اور تُو دیکھے گا (یعنی تجھے معلوم ہو جائے گا کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہُوا) اور یہ لوگ (بھی) قریب ہی دیکھ لیں گے (کہ اُن کی یہ مخالفت کیا رنگ لائی؟ ہمارا سچا وعدہ ہے کہ ہمارے رسول اور دوسرے مؤمنین ضرور غالب آئیں گے۔ یہ وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ ہاں مناسب موقعہ پر مناسب ٹلوٗ کیا جائے گا۔ نہ اُن کے کہنے سے کچھ ہوگا، نہ تمہارے گھبرانے سے کوئی کام قبل از وقت کیا جائے گا۔ ہمارے اندازے مقرر ہیں، آگے پیچھے نہیں ہو سکتے اور تغیر و تبدل سے پاک ہیں۔ جب وہ گھڑی آ جاتی ہے تو پیچھے ہٹنا تو محال ہی ہے، آگے بھی نہیں بڑھ سکتی۔ پس تم ان کے سوالوں سے بے چین نہ ہو جایا کرو۔ ہم کو اور ان کو چھوڑ دو۔ ہم خود اُن سے نپٹ لیں گے)

(۱۷۶) اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ○ کیا پس یہ لوگ ہمارے عذاب کو جلدی مانگتے ہیں؟ (انہیں چاہیے کہ اپنے اس خیال سے توبہ کریں۔ ان پر جب ہمارا عذاب آگیا، تو بہت بُری گت بنے گی۔ تصور میں لاؤ ہمارے اس دردناک عذاب کو اور اس ہولناک منظر کو آنکھوں کے سامنے لا کر اس پر غور کرو۔ اب بھی موقعہ ہے کہ حق کی مخالفت سے باز آ کر امن و سلامتی کی راہ اختیار کرلو، ورنہ دنیا میں بھی ذلیل اور تباہ ہو جاؤ گے اور دوسرے عالم میں بھی بُری طرح جکڑے جا کر طرح طرح کی تکالیف کا شکار بنو گے۔ سنو!)

(۱۷۷) فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ پس جب عذاب اُن کے میدان میں اُتر آیا (فتح مکہ کے موقعہ پر دس ہزار کفار کیسی وحشت اور خوف کی حالت میں دست بستہ حاضر ہوئے! اسی طرف اشارہ ہے کہ) پس جو ڈرائے گئے ہیں، اُن کی صبح بہت بُری ہوگی۔ (یہ دنیا کی رسوائی کا حال ہے، آگے عقبےٰ کی ذلت کا حال ہے۔ تکرار لفظی نہیں ہے۔)

(۱۷۸) وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ○ اور تو اُن سے ایک وقت تک مُنہ پھیر لے (قدرے انتظار کر، اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف دھیان رکھ)

(۱۷۹) وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ○ اور دیکھ بیں قریب ہے کہ وہ لوگ بھی (عبرت ناک اور غرور شکن عذاب) دیکھیں گے (اور اُن کے جہنمی عذاب کا حال بھی تجھے بتا دیا جائے گا کہ کس طرح دو پہرو ہیل کی بیویوں کی طرح اُن سے یہ برتاؤ ہُوا۔ یہ بظاہر جو تکرار لفظی ہے اس میں دونوں عذابوں کا ذکر فرمایا، ایک دنیا کا دوسرا عقبیٰ کا۔ تکرار نہیں ہے، واقعات کا اظہار ہے۔ قرآن مجید نے تمام اقوام عالم کو دعوت دی ہے کہ اس نظام میں آ جائیں۔ اہل کتاب کے نیک لوگ جو اپنی اپنی کتب کے صحیح حصہ پر ٹکے ہوئے تھے، وہ بھی ممکن ہے فلاح پائیں، اس عالمگیر دستور العمل کے ماتحت بہت بڑی بھلائی موجود ہے اس لیے وہ بھی مدعو ہیں۔

الغرض کفار مکہ کی رسوائی اور ان کے عذاب عاقبت کا ذکر کر کے فرمایا یہ وعدے کسی ایسے ویسے شخص کے نہیں جو ٹل جانے والے ہوں یا غلط ثابت ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، جو کبھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ تمام عزتیں اور غلبے اُسی کی ملکیت ہیں جب اُس کے وعدے دنیا میں بھی صحیح اور ٹھیک ہوئے تو کیا آخرت میں صحیح ثابت نہ ہوں گے؟ حالاں کہ آخرت کا ذکر بار بار قرآن مجید میں دُہرایا گیا ہے۔ خدا کے وعدوں کی سچائی جب دنیا میں واضح ہوتی رہتی ہے، تو سوائے کسی سخت ضدی ظالم اور ناقدردان کے کس کا منہ ہے کہ اسے غلط قرار دے پس عاقبت ضرور ہے اور نتیجہ خیز ہے۔)

(۱۸۰) سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (۱۸۱) وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ تیرا رب (تمام موجودات کی ربوبیت کرنے والا) عزت والا رب اِس سے پاک ہے، جو یہ (لوگ اس کے شریک یا اولاد اور رشتہ دار وغیرہ بنا کر طرح طرح کی بکواس اور غلط باتیں) بیان کرتے ہیں اور سلام ہے پیغام لانے والوں (اور دوسرے مومنین صالحین) پر (اللہ کی طرف سے بھی اور لوگوں کی طرف سے بھی۔ مگر مرکزی اور بنیادی بات یہ ہے کہ سب عزتیں اور تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، پس چاہیے کہ اللہ ہی کی بڑائی بیان کی جائے اور بس، جیسا کہ فرمایا:)

(۱۸۲) وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور ساری کی ساری تعریف (صرف کامل ذات) اللہ تمام جہانوں کے پرورش کرنے والے ہی کے لیے ہے۔

(اس سورۃ میں رسولوں کی حیثیت واضح کی گئی ہے کہ وہ بندے ہیں، عاجز ہیں اور خدا کے محکوم ہیں۔ ہم نے اُن پر انعام کیے۔ فرشتے مجبور محض ہیں اور اللہ تعالیٰ کے منشا اور مرضی کے مطابق مشین کی طرح کام کرنے کے لیے فطرۃً مجبور ہیں۔ مگر تم نے ان کو مختار اور خدا کے رشتہ دار بنا کر ظلم عظیم کی راہ اختیار کی ہے۔ بغیر کسی معقول دلیل کے بہتان تراشنا بہت بڑا افترا ہے۔ تم نے یہ بھی کہا کہ کاہنوں نے فرشتوں کے ساتھ تعلق پیدا کر کے خدا کے ساتھ ناطہ جوڑ رکھا ہے، حالاں کہ کاہن خود یہ جانتے ہیں کہ اُنہیں خدا کے حضور جا کر ان ساری لغویات کا جواب دینا پڑے گا جیسے جادوگر یہود سب کچھ جانتے بوجھتے کے باوجود اپنے علم کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ اسی طرح کئی نام نہاد مسلمان بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور کہتے اور مانتے ہیں اور ظلم و کفر کی باتیں کہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جان بوجھ کر علم کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ کاہن لوگ قریباً سب کے سب یہودی تھے۔ زبان سے کتاب موسیٰ کا اقرار کرتے تھے، مگر ان کا عمل علم کے خلاف تھا۔ ہاں ان میں نیک اور توحید پرست بھی تھے۔ سبحان ربی رب العزت عما یصفون وسلام علے المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُورۂ صٓ

مضمون اور نظم و ربط

صٓ ۔ یہ ایک حرف ہے جس میں پروردگار نے ساری سورۃ بطور بیج کے رکھی ہے اور پھر اس کی تشریح و تفصیل بھی اپنی وحی کے ذریعے کر دی۔ یہ خدائی تفسیر کسی انسان پر نہیں چھوڑی جاتی، جیسا کہ سورۃ کے مضمون سے ظاہر ہے۔ اس کی تمام عبارت شاہد ہے کہ ایسی تفسیر انسانی طاقت اور انسانی فہم سے بعید ہے۔ قرآن مجید کے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنے میں یہی راز تھا اور یہی حکمت تھی کہ اس کی الٰہی تفسیر قرآن میں آجائے اور انسانی دماغوں پر نہ چھوڑی جائے۔ چنانچہ حروف تک قرآن میں آ گئے۔ یہی اس کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ یہ کتاب مفصل، مکمل اور اپنی شرح آپ ہے۔

گذشتہ سورۃ میں فرمایا کہ نبی انسان ہیں، وہ بھول نے والے ہیں اور ہمارے عاجز اور محکوم بندے ہیں۔ ہم ہی ان پر انعام واحسان کرتے ہیں۔ اس سورۃ میں بھی نبیوں کی کمزوریاں دکھائی ہیں کہ وہ باوجود نبی اور بادشاہ ہونے کے غلطی کر جاتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے تو ان کی یہ حیثیت قرار دی ہے، مگر ظالم لوگ ہیں کہ ان کو آسمان تک لے گئے ہیں اور خدائی صفات سے متصف قرار دے کر اور قرآن پاک کو پس پشت ڈال کر اپنی اہوائ کے پیچھے لگ رہے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہم قسم کے پیرائے میں مؤکد کر کے کہتے ہیں کہ:

رکوع اول (۱) صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ یہ قرآن نصیحت والا ہے (یعنی ذکر و نصائح سے بھرپور ہے۔ راستہ دکھانے کی سب باتیں اس میں موجود ہیں اور سمجھنے کے لیے اس کو آسان کر دیا ہے۔ سینے کی بیماریوں کی شفا کے نسخے اس قرآن میں رکھ دیے گئے ہیں۔ غرض اگر ہم وحی یا عقل سے ہی کام لیتے، تو سب سامان اس میں ہماری فلاح و بہبود کا ہمیں مل جاتا، مگر انسان بڑا سرکش ہو جاتا ہے اور تمام دانائیوں کو بالائے طاق رکھ کر ضد و شرارت سے حق کا مقابلہ کرنے پر اتر آتا ہے۔ بھول چوک تو قابلِ معافی ہے، مگر عناد قابلِ مواخذہ ہے۔ خداوند کریم نے انسان کو عقل و تمیز دے کر اس کی وسعت کے مطابق مکلف بنایا ہے اور اتنی ہی بات کا یہ جواب دہ بھی ہے اور اکثر خطائیں جو بھول اور غفلت سے ہو جاتی ہیں، ان سے درگذر کیا جاتا ہے، مگر شرارت و تکبر سے جو فعل کیا جائے وہ باعثِ گرفت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ آئندہ احتیاط کیا کرے اور اپنے امراض کا علاج قرآن مجید میں

تلاش کرے، کیوں کہ یہ صاحبِ اختیار ہے۔ اُس سے ضرور جواب طلب کیا جائے گا پس وحی اور صحیفۂ فطرت سے حکمت حاصل کر کے فائدہ اٹھانا فلاح کا باعث ہے۔ یہ دونوں چیزیں خدا کا کلام اور کام ہیں اور پُر حکمت مکمل و بے غلط ہیں۔ ان میں کبھی تبدیلی نہ پائی جائے گی۔ انسانی کوششیں اکثر غلط اور قابلِ تبدیل ثابت ہوتی ہیں اور ان میں ایک کا دوسرے کے ساتھ تصادم بھی ہو جاتا ہے، اس لیے صرف عقلی فیصلوں پر تمام انسانوں کا اتحاد نہیں ہو سکتا۔ ہاں سب کا اجتماع صرف وحی یعنی قرآن پر ہو سکتا ہے۔ مَن گھڑت عقاید و خیالات میں رہ کر دنیا کبھی امن کی صورت نہیں دیکھ سکتی۔ قرآن مجید مؤثر کتاب ہے یہ غور و فکر والے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ پھر کیا ان ناقدردانوں کو نہیں کھینچتی؟ کھینچتی تو ضرور ہے، مگر یہ لوگ دیدہ و دانستہ اپنے جھوٹے وقار اور جھوٹی عزت کو بچانے کی خاطر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ قرآن پاک کے جاذبِ اثر میں تو کچھ کلام نہیں)

(۲) بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ بلکہ جو لوگ کافر ہیں وہ اپنی عزت (کے زعم) میں ہیں اور (اس لیے) مخالفت کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ کیا اس شخص (محمدؐ) کی بات مان لیں، اس میں تو ہماری ہتک و توہین ہے اور ہماری امارت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ ان کا یہی غرور و تکبر اُن کو حق کی طرف آنے سے روکتا ہے اور کئی دفعہ ایمان لانے کی خواہش کرتے ہیں تو یہی جھوٹی عزت اُن کے راستے میں حائل ہوتی ہے اور آباؤ اجداد کے طور طریقے نبھائے چلے جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر انہوں نے اپنے اسلاف کی روش کو چھوڑ دیا، تو وہ غلط کار قرار پائیں گے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہم انہیں کے نقشِ قدم پر چلیں اور اِنچ برابر ادھر اُدھر نہ ہٹیں۔ اس طرح ہمارے بزرگوں کا وقار اور ہماری عزت قائم رہے گی، ورنہ جگ ہنسائی اور سخت بدنامی ہوگی۔ یہ چیز تھی، جو اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہو جانے کے باوجود صراطِ مستقیم سے دُور رکھتی تھی۔ یہ کفار کی دائمی سنت ہے۔ اگلوں کو بھی یہی خیال صداقت سے محروم رکھتا تھا، چنانچہ اُن کا انجام بھی بہت افسوس ناک ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے:)

(۳) كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝

ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی (ناقدردان) تباہ کیے قرنوں سے (پھر یہ عذاب انہیں عذابِ آخرت میں لے گیا۔ وہ مر کر مٹ نہیں گئے اور نہ ہی وہ ضائع ہونے کے لیے بنائے گئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے کوئی شے عبث نہیں بنائی ہے۔ پس جب ان اشرار کو دوسرے عالم کا نقشہ سامنے آیا، تو) پھر انہوں نے دُہائی دی اور (بہت چیخے چلائے، مگر بے سُود کیوں کہ) اس وقت رہائی کا کوئی موقعہ نہ تھا (کفار کا ہمیشہ سے یہ خیال رہا کہ اُن کو ڈرانے والا فوق الفطرت اور دوسری نوع کا پیغمبر ہونا چاہیے جو عجیب و غریب کام کر کے دکھا سکے اور خلافِ قدرت اعجوبے دکھا سکے جب کبھی اس سے عجائبات و معجزات کا مطالبہ کیا جائے، فوراً حاضر کر سکے۔ نادان یہ نہیں سوچتے کہ ایسے شخص کو خدا کی کتاب کی کیا ضرورت

ہے؟ جب کسی نے کوئی مطالبہ کیا، فوراً پورا کردیا۔ کم بخت یہ نہیں سوچتے کہ غرض تو پیغام حق سے ہے جس کو خدا نے منتخب کرلیا، اُسی سے کام لے لیا۔ اس میں شخصیت سے کیا بحث ہے؟ ان کی ضد و شرارت کی انتہا یہ ہے کہ پیغمبر بھی مانگتے ہیں تو ایسا، جو عجیب و غریب شخصیت کا حامل ہو، نہ کہ تمہارے جیسا انسان۔ حالاں کہ یہ خدائی انتخاب ہے، اس میں کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں ہے۔ وہ جس کو اپنے کام کے لائق سمجھتا ہے، اپنی رحمت اور مہربانی سے اس کو منصب نبوت عطا کردیتا ہے۔ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے؛ وہ مناسب موقعہ و محل دیکھ کر عزت و اکرام کرتا ہے۔ ہاں جن کے متعلق قبل از پیدائش نبی بننے کی خبر فرمائی۔ وہ مشروط تھی کہ اگر ایسا ہوگا اور ایسا کرے گا۔ تو کریں گے، ورنہ یہ کام کسی دوسرے سے لے لیں گے، جیسے یونسؑ وغیرہ کا حال ہوا اور یہ بھی فرمایا کہ اے گروہِ انبیاء ڈرتے رہو، اگر ہمارے احکام کی خلاف ورزی کروگے۔ تو یہ وعدہ پورا نہ ہوگا۔ یہ ہے خدا کے سامنے انسانوں کی حیثیت! مگر عجائب پرست لوگوں کی ذہنیت کا یہ عالم ہے کہ وہ ان انبیاء کو کچھ اور ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا)۔

(۴) وَعَجِبُوٓا أَن جَآءَهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ ۖ وَقَالَ ٱلْكَٰفِرُونَ هَٰذَا سَٰحِرٌ كَذَّابٌ

اور (ان کفار نے) تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ڈرانے والا آیا (بڑے حیران ہوئے) اور کافروں نے یہ کہا کہ یہ شخص) جادوگر (دھوکے باز، اپنی باتوں کو خدا کا کلام کہنے والا) بہت جھوٹا (بات کو خوب سنوار سنوار کر ظاہر کرنے والا ہے، یہی ہمیں جھوٹی لچھے دار گفت وگو سے دھوکا دینا چاہتا ہے۔ کیا یہ غلط نہیں ہے کہ ایک ہی خدا منوانا چاہتا ہے اور دوسرے تمام معبودوں کو باطل قرار دیتا ہے؟ کیا اس کی ایسی ناقص تعلیم جسے یہ توحید کا نام لے کر ہمیں سناتا ہے، کبھی ماننے کے لائق ہوسکتی ہے؟ خدا نے خود ہمارے دیوتاؤں کے سپرد مختلف کام کیے ہوئے ہیں۔ کوئی مارے کوئی پیدا کرے، بارش، ہوا، روشنی، رزق، اولاد وغیرہ وغیرہ پر الگ الگ الٰہ ہیں۔ ان سب کاموں کو صرف ایک ہی ہستی کے قبضے میں ماننا تو بہت ہی تعجب کی بات ہے۔ یہ تعلیم قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس سے تو یعوق، یغوث، نسر وغیرہ وغیرہ سب دیوتے محض بے کار اور عبث قرار دینے پڑیں گے۔ افسوس ان سیاہ بختوں نے یہ نہ سوچا کہ الٰہ ایک ہی ہونا چاہیے۔ جس کی مرضی کو کوئی نہ توڑ سکے۔ الٰہ میں ساری الوہیت آجاتی ہے اور الٰہ قابلِ تقسیم بھی نہیں ہوا کرتا۔ سب کام وہ اکیلا ہی کرتا ہے۔ یہی بات ان کو بہت ناگوار گذرتی تھی اور کہتے تھے کہ ہماری عقل و فہم سے باہر ہے کہ ساری کائنات کا چلانے والا ایک ہی تسلیم کیا جائے۔ جیسے کہ ان مشرکوں نے کہا کہ)

(۵) أَجَعَلَ ٱلْءَالِهَةَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَىْءٌ عُجَابٌ ○ کیا اس (پیغمبر) نے بہت سے معبودوں کو اکٹھا کرکے ایک معبود بنا دیا۔ تحقیق یہ بات بڑی عجیب (حیرت ناک اور پریشان کن) ہے۔ (پس انہوں نے اس پر بڑی نفرت کا اظہار کیا، وہ غصے میں آگئے کہ یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں ہے)۔

(۶) وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۝ اوران میں سے ایک جماعت امراء کی چلی گئی (یہ کہتے ہوئے) کہ چلو اور اپنے معبودوں (کی پرستش) پر قائم رہو۔ تحقیق یہ ہمارے معبود عمدہ شئے ہیں (ہم اپنے آباؤ اجداد سے ہمیشہ یہی سنتے دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ یہ معبود برحق ہیں۔ اکیلا معبود ماننا باطل ہے۔ عیسائیت بھی تین معبودوں کی قائل ہے پھر ہم ہی خدائے واحد کے پرستار کیوں بن جائیں؟ دنیا میں بے شمار مذہب آئے اور ہیں، مگر ایسی توحید کہیں بھی دیکھی سنی نہیں جیسی کہ اب ہمیں بتائی جا رہی ہے)

(۷) مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ ہم نے اس بات کو نہیں سنا (کہ خدا ایک ہی کامل مطلق ہے اور تمام کارخانہ کو آپ ہی چلا رہا ہے اور تو اور) پچھلے مذہب (مسیحی) میں بھی (عیسائیت تثلیث پرست تھی پس سوائے اس کے) یہ (تعلیم) کچھ بھی نہیں، مگر (دل سے گھڑی ہوئی) نری بناوٹ ہے (اس میں اصلیت ذرہ برابر بھی نہیں ہے۔ ایک ایسی چیز کو جو تمام ادیانِ عالم کے خلاف کسی دوسری راہ پر چلنے کا حکم دے، ہم ایسے امیر و کبیر لوگ اس غریب آدمی کے کہنے پر کیسے مان لیں؟ ہم رؤساء ایک معمولی انسان کی بات تسلیم کرلیں تو مر مٹنے کی جگہ ہے! گویا ان لوگوں نے شخصیتوں کی بحث چھیڑ دی اور شخصیت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے، جس میں پڑ کر انہوں نے اصل چیز یعنی تعلیمِ الٰہی کو بھی اب نظر انداز کر دیا۔ وہ کہتے ہیں)

(۸) أَأُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْ ذِكْرِي ۖ بَلْ لَمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ ۝ کیا اس پر ہمارے درمیان سے ذکر (یعنی قرآن مجید) اتارا گیا ہے؟ (یعنی بالفرض اگر خدا نے کوئی دستور العمل بھیجنا ہی تھا، تو کیا ہم ایسوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہ تھا کہ اس کام کے لیے اسے منتخب کیا جاتا؟ لے دے کر یہی ایک غریب و نادار شخص رہ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ غریب امیر کا جھگڑا ان کی اصل غرض نہیں ہے) بلکہ (واقعہ تو یہ ہے کہ یہ لوگ) میرے ذکر (یعنی کتاب ہی) میں شک رکھتے ہیں (چاہیے تو یہ تھا کہ نسخہ پر غور کرتے کہ عین ان کے امراض کے مطابق اور مناسب ہے یا نہیں؟ اس سے کیا غرض کہ کس کے ذریعے پہنچا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ضد و عناد کے باعث ذلت و بربادی کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں، فرمایا) بلکہ ابھی (تک) انہوں نے میرے عذاب کا مزہ (ہی) نہیں چکھا۔ (یہ کس برتے پر اکڑتے پھرتے ہیں؟ کارخانۂ قدرت میں ان کو کیا دخل ہے، کیا اہمیت ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اختیار نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم جو بھی چاہیں کریں، جہانبانیوں پر ہمارا قبضہ ہے۔ ہم آپ اپنے اوپر آسانیاں پیدا کرلیں گے ہمیں کوئی روک ٹوک یا گرفت کرنے والا نہیں ہے۔

ہم مختار اور سعید ازلی ہیں۔ کیا یہ لوگ واقعی اپنے ادعا میں درست ہیں؟)

(۹) أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۞ یا کیا ان کے پاس تیرے غالب بخشنے والے رب کی رحمت کے خزانے ہیں؟ (یا خود ہی خدائی کا دعوے رکھتے ہیں اور سب کو ماتحت کر سکتے ہیں؟)

(۱۰) أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ○ یا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اُن (سب) پر ان کو حکومت (حاصل) ہے (اگر ایسا نہیں، بلکہ اس سے کچھ کم درجہ پر بھی ان کو کچھ اختیار رہے، تو) پس اسباب میں ہی (ارتقاء پاکر) اوپر چڑھ جائیں (دراصل وہ بہت ہی بودے اور کمزور لوگ ہیں۔ اب اس جگہ جنگ احزاب کی پیشین گوئی فرمائی کہ اندھیری خیمے اکھاڑ کر تباہی مچائے گی، جیسا کہ ارشاد فرمایا:)

(۱۱) جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ○ یہ ایک حقیر جماعت ہے، جو یہاں دوسری جماعتوں میں بھاگ اٹھی ہے (غور وفکر سے کام لو اور قبل از وقت بربادی اور عذاب الیم سے بچنے کی کوشش کرو اور اس عالمگیر اور پُر امن نظام میں سلامتی کے ساتھ رہو، ورنہ یاد رکھو میرے پیغام اور میرے رسل وانبیاء کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا کچھ ہوتا رہا ہے۔ تمہارے آس پاس کے کھنڈرات بھی مکذبین کی تباہی کے زندہ شاہد ہیں۔ ان لوگوں کے عبرت ناک انجام پر غور کرو۔ اس سے سبق حاصل کرو، عبرت پکڑو اور یاد رکھو کہ حق کی مخالفت کا ہمیشہ یہی نتیجہ نکلا کرتا ہے، ہمارے ہاں دیر تو ہے لیکن اندھیر نہیں۔ اگر تم لوگ اپنی سرکشیوں اور نافرمانیوں سے باز نہ آئے، تو تم بھی اُسی عذاب کی لپیٹ میں آجاؤ گے، جس میں پہلے مکذبین آتے رہے ہیں۔ فرمایا:)

(۱۲) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ○

(۱۳) وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ○

ان (موجودہ اشرار) سے پہلے نوحؑ کی قوم اور عاد نے اور فرعون میخوں والے نے (حق کو) جھٹلایا تھا (اور میخوں والا فرعون کون تھا؟ بڑے سامانوں اور لشکروں کا مالک۔ جو اہل ایمان کو میخوں سے تکلیف دیا کرتا تھا) اور ثمود نے اور قوم لوطؑ نے (بھی حق کو جھٹلایا تھا اور سرکشی کی راہ اختیار کی تھی۔ پھر دیکھو اُن لوگوں کا انجام کیا ہوا؟) اور بن (کے رہنے) والوں نے (بھی نہ صرف سچی بات سے منہ موڑا، بلکہ وہ حق کے خلاف مقابلہ پر

پر اتر آئے اور حق کی مخالفت کرنے کے لحاظ سے) یہ (سب کے سب ایک ہی طرح کے گروہ ہیں جیسا کہ فرمایا)
(۱۴) إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ نہیں تھے یہ سب مگر
جھٹلانے والے (میرے پیغام کو اور میرے) پیغمبروں کو (رسولوں کو جھٹلانا در اصل پیغام ہی کا جھٹلانا
ہوتا ہے، ٹھیک جس طرح پیغام کا جھٹلانا پیغمبروں کا جھٹلانا ہے۔ انبیاء کی حیثیت درمیان میں صفر
کی ہوتی ہے۔ اصل چیز پیغام ہوتا ہے۔ پھر جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا: تو نتیجہ کیا نکلا ؟) پس
میرا (خدا تعالیٰ کا) عذاب اُن پر پورا ہوگیا۔ (تمام پیغمبر جھٹلائے گئے مخالفتِ الٰہی کے سبب ہی اقوام
کی گرفت ہوتی ہے)

رکوع دوم | اب قریش مخاطب ہیں، تو جب یہ لوگ بھی سرکشی اور بدعملی کی آخری حد تک پہنچ جائیں گے،
تو کیا یہ بچ جائیں گے ؟ ہرگز نہیں ! پس موقعہ کو غنیمت جانیں اور اپنی اصلاح کرلیں، ورنہ ہمیں گرفت
کرنے کے لیے کسی بڑے ساز و سامان کی ضرورت نہیں ہے۔ اچانک پکڑ لیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے
کہ جب یہ لوگ شرارتیں کریں گے مسلمانوں کو حد درجہ ستائیں گے اور ان کو ہجرت پر مجبور کریں گے،
تو یہ ضدی اور شریر کفار (نہ کہ دوسرے امن پسند کفار) پہاڑوں کے پھٹنے پر دھوئیں اور پھوک سے
اسی طرح تباہ و برباد کر دیے جائیں گے، جس طرح باغوں اور بستیوں والی پہلی قومیں نیست و نابود
کی جا چکی ہیں۔ ایسے متعصب اور فتنہ پرور لوگوں کو پہلے چھوٹے چھوٹے عذابوں میں مبتلا کیا جاتا ہے
تاکہ وہ باز آجائیں اور جب وہ اپنی روش سے باز نہیں آتے، تو آخر کار ہم شدت والا عذاب
بھیجتے ہیں۔ امراء لوگ پہاڑوں پر گئے، تو وہیں اُن پر عذاب نازل ہوا اور وہ تباہ و برباد کر دیے گئے۔
پھر زلزلوں، بیماریوں اور دوسری تکلیفوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوتے رہے۔ اُن کو بغیر سلسلہ ٹوٹے
کے آگے ہی لے جایا گیا۔ سیرگاہوں سے گھروں تک آنے کی مہلت نہ مل سکی۔ پس یہ ایک پیش گوئی
ہے: جو حرف بہ حرف پوری ہوئی پھر یہ لوگ رجوع الی الحق کیوں نہیں کرتے ؟ ورنہ عذاب آ کر رہے گا:

(۱۵) وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ۝ اور
یہ لوگ انتظار نہیں کرتے مگر ایک صیحہ کا (صیحہ میں ہر ایک مصیبت شامل ہے۔ جب یہ عذاب وارد
ہوجاتا ہے) پھر اس کو ڈھیل نہیں ہے (کہ توبہ وغیرہ یا کسی سے کچھ کہنے سننے کی مہلت ملے۔ اس وقت

تو حق کا مذاق کرتے ہیں، اور پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ وقت آنے پر سخت نادم و پریشان ہوں گے جیساکہ فرمایا کہ مخالفین حق تمسخر اڑاتے ہیں)

(۱۶) وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ۝ اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصّہ (عذاب کا) حساب کے دن سے پہلے ہی ہمیں دے دے (ہنسی اڑاتے ہیں کہ جو عذاب تُو نے ہمارے واسطے مقرر کر رکھا ہے، وہ قبل از وقت ہی ہمیں بھیج دے! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اندازہ پورا ہونے کے بغیر گرفت کی جائے؟ خدائی کام تمام کے تمام حکیمانہ ہوتے ہیں۔ اگر کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس کی بات ہو) تو بھی عذاب مانگنے پر ان کا مدعا پورا ہو جائے، مگر یہ خدا کے مقرر کیے ہوئے قوانین ہیں، جو اپنے اپنے موقع ومحل پر پورے ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ٹھٹھا کرتے ہیں، تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ عذاب بہرحال وقت پر ہی آئے گا۔ فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہوتا، تو مدت سے کام ختم ہو چکا ہوتا۔ انسانی اندازے اکثر غلط بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ اے رسولؐ! حوصلے اور ہمت سے کام لو، استقلال دکھاؤ اور جرأت سے خدا کے دین کی تبلیغ کرتے رہو۔ اس موقعہ پر حضرت داؤدؑ کی زندگی کی طرف توجہ دلائی کہ اُن کی مثال سامنے رکھو کہ وہ ہاتھوں سے کمائی کرنے والے اور انتظام، خوبی اور قوت والے تھے۔ وہ ہر وقت اللہ کی طرف رجوع رکھتے تھے۔ پہاڑی لوگ اُن کے قابو میں تھے۔ اُن کو صبح وشام اپنے ساتھ نماز پڑھاتے تھے۔ غرضیکہ انتظام اور عبادت کے لحاظ سے اُن کی زندگی لائق اتباع ہے۔ فرمایا:

(۱۷) اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ۝ جو کچھ وہ (کفار) کہتے ہیں، اس پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کرو، جو ہاتھوں والا (یعنی قوت وانتظام والا) تھا، وہ بار بار اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔

(۱۸) اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ۝

(۱۹) وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ۝ ہم (خدا) نے کام میں لگا دیا اُس (داؤدؑ) کے ساتھ پہاڑوں (یعنی پہاڑی لوگوں) کو (ٹھیک جس طرح قرآن میں بار بار بستیوں

کی سرکشی کا ذکر آیا ہے، حالاں کہ مراد اُن سے اُن بستیوں کے باشندے تھے جو خدا تعالےٰ کے خلاف سرکشی کرتے تھے۔ اسی طرح یہاں پہاڑوں سے مراد پہاڑوں کے رہنے والے ہیں۔ الغرض! فرمایا: اے پہاڑو! اس کے ساتھ دن بھر چلو، پھرا اور کام کرو۔ جب وہ لوگ صبح کام پر آتے، تو حضرت داؤدؑ پہلے ان کو نماز پڑھاتے۔ جب عصر کے وقت چھٹی دیتے، تو پھر بھی اپنے ساتھ نماز پڑھاتے اور اس کے بعد رخصت کرتے۔ صبح شام دو نمازیں پڑھانا (قبل طلوع اور قبل غروب) احسن وقت ہیں۔ غرض ضحیٰ، اشراق، صبح، شام، دلوک الشمس اور عصر وغیرہ سے بھی دو ہی وقت مراد ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص ان دو وقتوں سے بھی زیادہ ذکرِ الٰہی کرے، تو یہ اور بھی اچھا ہے۔ الغرض وہ) پہلے اور پچھلے وقت (یعنی صبح و شام اُس کے ساتھ مل کر اپنے پیدا کرنے والے خدا کی تسبیحیں کرتے تھے۔ اور طیر بھی (جو کئی شہروں سے) اکٹھے کیے ہوئے تھے (اُن کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور وہ) سب کے سب (داؤدؑ اور عمالیق وطیر وغیرہ) اُس (خدا کی طرف (نہ کہ داؤدؑ کی طرف) رجوع کرنے والے (یعنی اوّاب) تھے (طیر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک پَردار جانور اور دوسرے بے پَر جانور یعنی) انسان۔ طیر: تیز رَو، جلدی چلنے والا اور طائر: پروں والا۔ غرض یہ طیر یعنی فوجی لوگ جن کو جن و انس بھی کہا گیا ہے، یہی سلیمانؑ کو داؤدؑ سے وراثت میں ملے تھے، ہُدہُد بھی اُنھیں میں سے تھا، نہ کہ جانور تھا۔ یہ سب لوگ نیکوکار تھے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ جرائم پیشہ، سرکش اور باغی تھے جنہیں .. داؤدؑ نے مختلف کاموں پر لگایا ہُوا تھا یا طوق و سلاسل اور بیڑیوں وغیرہ میں جکڑ کر اپنی قید اور حفاظت میں رکھا ہُوا تھا غرض بہت عمدہ انتظام تھا۔ یہ سب خدا کی مہربانیاں تھیں، جیسے ارشاد ہوتا ہے:)

(۲۰) وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ○

اور ہم (خدا نے) نے اس (داؤدؑ) کی بادشاہی کو مضبوط کیا تھا اور ہم (خدا) نے اس (داؤدؑ) کو دانائی اور مقدمات وغیرہ کے) فیصلے کی طاقت (یعنی استعداد بھی) (انسانی حیثیت کے مطابق) دے رکھی تھی (باوجود ایسے حالات کے انسان بے غلط اور منتہائے سوال نہیں ہو سکتا۔ مرتے دم تک اس کو صراطِ مستقیم پہ گام زن رہنے کی دعا مانگنا ضروری ہے۔ آدمی خواہ کتنے بڑے عروج پر پہنچ جائے، پھر بھی بھولنے والا ہے۔ حضرت داؤدؑ ہی کے معاملے پر نگاہ ڈالو۔ وہ

بہت بڑے منتظم، طاقت ور، اوّاب اور دانا نبی تھے، مگر بشری کمزوریوں سے پھر بھی مبرا نہیں تھے۔ خدا نے حکمت اور مقدمات فیصل کرنے کی طاقت ودیعت فرما رکھی تھی، مگر اس کے باوجود آپ نے سخت لغزش کھائی۔ انبیاء کو خدا کی صف میں بٹھانے والے اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں، خدا کی دی ہوئی عقل کو نعمت جان کر اس سے کام لیں اور انسانوں کو ان کے رتبے سے بڑھا کر ظلم عظیم کے مرتکب ہو کر عذاب الیم کو دعوت نہ دیں۔ غرض جناب داؤدؑ سے بایں علم و حکمت جو لغزش ہوئی۔ اس کا ذکر آگے فرمایا اور خوب واضح کیا کہ انبیاء مافوق الانسان نہیں ہوتے اور نہ انسانی کمزوریوں ہی سے مبرا ہوتے ہیں۔ فرمایا:)

(۲۱) وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ اور کیا تیرے پاس ان جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے: جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے

(۲۲) اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝ جب وہ داؤدؑ کے پاس آئے، تو وہ ان سے گھبرا گیا۔ انھوں نے کہا: ڈرو نہیں، ہم دو فریق ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ تو آپ ہم میں انصاف کا فیصلہ کر دیجیے، اور نا انصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھے راستے پر ڈال دیجیے۔

(۲۳) اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ۝ (ان دونوں میں سے ایک کہتا ہے مقدمے کی کیفیت یہ ہے کہ) بالتحقیق یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس (صرف) ایک (ہی) دنبی ہے پس اس نے کہا: (یعنی اس نے مطالبہ کیا کہ (یہ) ایک دنبی بھی میرے حوالے کر دو اور بات چیت میں مجھ پر زیادتی کرتا ہے۔

(۲۴) قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا

مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ
وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝ (اس مقدمہ میں جناب داؤد نے صریح غلطی کھائی کہ
دوسرے فریق کا بیان لیے بغیر فیصلہ دے دیا اور صرف ایک ہی کا بیان سُن کر کہہ دیا)
البتہ تحقیق اس نے تیری دُنبی کا سوال کرکے کہ اُسے اپنی دُنبیوں میں شامل کرلے تجھ
پر ظلم کیا اور تحقیق بہت سے (نہ کہ سب) شریک لوگ ایسے ہیں کہ بعض اُن کے بعض
پر زیادتی کرتے ہیں (یعنی ایک دوسرے کو ستاتے ہیں) مگر وہ لوگ جو مُومن (امن پسند یا
خدا پر ایمان رکھنے والے اور عاقبت کے عذاب سے ڈر کر) صلاحیت والے کام کرنے والے
(وہ ایک دوسرے پر سختی نہیں کرتے) ہیں اور (یہ اصل مُومن) جو ہیں تھوڑے ہیں (سب
کو ایسا صلاحیت والا بننا ضروری ہے۔ غرض وہ چلے گئے۔ بعد میں آپ کو خیال آیا کہ میں
نے بہت بڑی غلطی کی کہ یک طرفہ فیصلہ دے دیا جو حقیقت میں سخت گناہ تھا۔ ارشاد ہوتا
ہے) اور داؤدؑ نے گمان کیا یہ کہ ہم نے (مقدمہ بھیج کر) اُس کی آزمائش کی ہے (اور وہ اس
امتحان میں پورے نہیں اُترے اور بھول گئے۔ فوراً تلافی کی طرف طبیعت متوجہ ہوگئی) پس
اپنے پروردگار سے بخشش مانگتا ہوا (سجدے میں) گر گیا۔ جھکتا ہوا اور خدا کی طرف رجوع
کیا (انسان کو چاہیے کہ وہ گناہ کرکے اڑا نہ رہے، ورنہ دردناک عذاب سے اس کا علاج کیا
جاتا ہے۔ دیکھو داؤدؑ آزمائش میں پھنسے آپ سے غلطی سرزد ہوئی، تو آپ فی الفور خدا
کے حضور گڑگڑائے۔ پس اللہ نے آپ کو معاف کردیا۔

(۲۵) فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝
پس ہم (خدا) نے اس (داؤدؑ) کا یہ (گناہ) معاف کردیا (معاف کردینے کی وجہ اُس کی
گریہ وزاری تھی) اور تحقیق اس (داؤدؑ) کو ہمارے (خدا کے) نزدیک (اوّاب ہونے کے سبب
قُرب حاصل تھا اور اچھا ٹھکانا (حاصل) تھا (یہ خصوصیت داؤدؑ ہی کی نہ تھی، بلکہ جو بھی
شخص ایسا ہو وہ فلاح پاتا ہے۔ آئندہ کے لیے فرمادیا کہ خبردار! ایسا کام نہ کیا کرو، بلکہ مقدمات

کو سوچ سمجھ کر فیصلہ دیا کرو بُن رکھو کہ)

(۲۶) یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ۠

اے داؤدؑ! تحقیق ہم (خدا) نے تجھے اس زمین (کے تھوڑے سے ٹکڑے) میں حاکم بنایا ہے (تو نے یک طرفہ فیصلہ دے کر غلطی کی ہے۔ ویسے تو سب لوگ اپنی اپنی جگہ خلیفہ اور حاکم ہیں مگر یہ حاکمانہ رنگ انتہائی تھا، جیسے طالوت وغیرہ بھی خلافت اور بادشاہی کے مالک تھے۔ یہ اُن لوگوں کو عہدے دیے گئے تھے نہ کہ وہ مستقل اور خودمختار تھے۔ پس اے داؤدؑ! تو بھی مستقل اور خودمختار نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جواب دہ ہے) پس لوگوں کے درمیان (پوری تحقیقات کے بعد) ٹھیک (طور پر جو حالات مقدمہ سے نتیجہ نکلے) فیصلہ کیا کر! (ہر فریق اور اس کے گواہوں کے بیان لے کر اور ان پر اچھی طرح جرح وغیرہ کر کے حکم صادر کرنا چاہیے۔ خودپسند اور آزاد مطلق بننے کی کوشش ناجائز ہے) اور (دیکھو اپنی) نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو (ہمارے فرمان کی ہر وقت اطاعت کرو۔ اگر تم نے اپنی نفسانی خواہشوں کو پیشوا اور رہنما بنا لیا) تو پھر تمہیں (یہ نفسانی خواہشوں کی پیروی) اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دے گی۔ (پھر ایسے لوگوں کا جو ہوائے نفس کے بندے ہیں کیا انجام ہوتا ہے؟ کان کھول کر سُن لو) تحقیق جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے گمراہ ہوتے جاتے ہیں، اُن کے لیے سخت عذاب ہے، بہ سبب اس کے کہ وہ لوگ حساب کا دن بھول چکے (دوسروں کی خواہشات کے پیچھے چلنے والوں کا بھی یہی حشر ہوتا ہے۔ غرض نہ اپنی خواہش، نہ دوسرے کی خواہش مفید ہو سکتی ہے۔ فلاح دراصل رضائے الٰہی کے ماتحت رہ کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ آدمؑ کی تمام اولاد کمزور ہے۔ نبی ہو یا بادشاہ۔ کوئی بھی بڑی سے بڑی انسانی ہستی فکر و تشویش اور خطا و لغزش سے خالی نہیں ہے، تو پھر کس بات کو بغیر دلیل کے مانا جائے؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی منتہائے سوال اور حکم مطلق نہیں ہے۔ انسان

گھبراہٹ اور لالچ میں ڈانواڈول ہو جاتا ہے، اس لیے خدا تعالیٰ سے ہر وقت صراطِ مستقیم کی دعا کرتے رہنا ضروری ہے۔ اگر لغزش ہو جائے۔ تو توبہ میں ہرگز دیر نہ کرنا چاہیے، ورنہ آہستہ آہستہ گناہوں کا عادی ہو جائے گا اور عاقبت یعنی خدا کی حاضری سے بے پروا ہوتا جائے گا۔ تمام انبیاء اسی بات کو یاد دلانے کے لیے دنیا میں آئے اور آخرت کی تکالیف سے ڈراتے رہے، کیوں کہ عقبیٰ سے بے خوف ہو کر انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ آگے چل کر قیامت کا ثبوت دیا کہ جب ہر چیز میں نظم و ربط پایا جاتا ہے اور جب دنیا کی کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی گئی، تو غور کرو کیا تمہارے اعمال ہی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا؟ چنانچہ داؤدؑ کو تنبیہ کی گئی کہ غفلت نہ کرو، اس سے آخرت فراموش ہو جایا کرتی ہے۔ تمام صحف یہی سبق یاد دلانے کو بھیجے گئے ہیں۔

رکوع سوم | غرض اعمالِ انسانی کا حساب کتاب ضروری ہے۔ انسان کو بڑی احتیاط رکھنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ وہ متصرفِ حقیقی اس تمام کارخانے کو خود چلا رہا ہے۔ ملائکہ حکمِ الٰہی سے کائنات کی گاڑی کھینچتے ہیں، نہ کہ متصرف ہیں۔ یہ محض بے اختیار کارکن اور مجبور خدمت گار ہیں۔ خود مختار وہ حکیم مطلق خدا خود آپ ہی ہے جیسا کہ فرمایا:

(۲۷) وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۝ اور ہم (خدا) نے آسمان اور زمین اور ان دونوں کے درمیان وسائط کو بے فائدہ نہیں بنایا (فضول اور عبث ہرگز نہیں، بلکہ ہر چیز کو ثمر آور پیدا کیا ہے) کافروں کا گمان یہ ہے (کہ یہ جہان بے نتیجہ اور بے کار ہے۔ تو پھر ایسے گمان کا اور نا قدردانی کا بدلہ کیا ہے؟ فرمایا:) پس کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے (جب گھبرا کر کہتے ہیں کہ ہائے افسوس! یہ ہمارے کام تو نتیجہ خیز نکلے۔ خدا تعالیٰ اس پر ایک دلیل اور بھی دیتا ہے کہ جب ہر شے اپنا اثر دکھاتی ہے: تو کیا بھلائی اور برائی کا الگ الگ نتیجہ نہ پیدا ہو گا؟ کیا ان دونوں کا بدلہ اندھا دھند یکساں

طور پر ملے گا؟ ہرگز نہیں، بلکہ برائی عذاب کا باعث اور نیکی آرام کا سبب بنے گی۔ خدا کے حضور پورا پورا انصاف ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق جواب دِہ ہے اور نیک و بد میں بیّن فرق ہے۔ جیسا کہ فرمایا، کیا مؤمن باللہ اور دوسروں کا ناجائز طور پر مال کھانے والے ایک جیسے ہیں؟ ارشاد ہوتا ہے:

(۲۸) أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ○ کیا ہم مومنوں اور صلاحیت والے کام کرنے والوں کو مفسدین فی الارض کے مانند کرتے آئے ہیں؟ (ہرگز نہیں!) یا کیا خوفِ خدا والوں کو (فاسقوں اور) فاجروں کی مانند کرتے آئے ہیں؟ (قطعاً نہیں! پس ہم اعمال کے مطابق جزا و سزا دیتے ہیں۔ ہمارے یہاں اندھیر گردی کو دخل نہیں ہے۔ انصاف اور عین انصاف ہے۔ یہی عدل و انصاف ہمیں یہ کتابِ حکیم سکھاتی ہے۔ اس پر عامل ہوکر دین و دنیا کی بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور اس سے منہ پھیر کر خسر الدنیا و الآخرۃ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ قرآن مجید بے نظیر کتاب ہے اور کامیاب بنانے والی اور برکتوں سے پُر ہے۔ فرمایا):

(۲۸) كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ○ برکتوں والی (اور عالی شان) کتاب (قرآن مجید) ہے، جسے ہم (خدا) نے تیری طرف (اے رسولؐ! سب لوگوں کی ہدایت کے واسطے) اتارا ہے (اور برکتیں غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتی ہیں، نہ کہ آیات پر اندھے بہرے ہوکر گرنے سے یا اندھی تقلید سے) قرآن ان چیزوں کے خلاف ہے۔ اس کے نزول کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ (لوگ) (اس کی) آیات میں تدبر کریں (اور سوچ سمجھ کر اپنی زندگی کی راہ متعین کریں۔ خدا تعالیٰ نے عقل سے کام لینے والوں کی بڑی تعریف فرمائی ہے اور بے وقوفوں کو حیوانات سے بھی بدتر قرار قرار دیا ہے۔ خدا تعالیٰ عقل جیسی نعمت سے کام نہ لینے والوں پر گندگی ڈال دیتا ہے۔ اس کتاب کے اتارنے کا یہ بھی مقصد ہے کہ اہلِ عقل اس کے اثرات کو اپنے اوپر وارد کریں۔ جیسا کہ ارشاد

ہوتا ہے) اور تاکہ عقل مند اس (کتاب) سے نصیحت (اور فلاح وبہبود) حاصل کریں۔ (نبی۔ غیر نبی سب کو اسی کتاب کے احکام پر چلنا لازم ہے۔ اپنی ذات میں کوئی بھی بے غلط نہیں ہے۔ جو کمزوریاں آدم میں تھیں وہی اس کی تمام اولاد میں بھی ہیں۔ انبیاء بے شک نیک اور اچھے ہوتے ہیں، وہ شرارت سے گناہ نہیں کرتے۔ اگر بھول چوک ہو جائے، تو خدا تعالےٰ کے حضور فوراً استغفار کرتے ہیں۔ پس ہم سب کو بھی خدا تعالےٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہیے، نہ کہ اپنے گناہوں کا سبب آدم و حوا کو بنانا چاہیے۔ دنیا میں یہ بدترین عقیدہ رکھنے والے لوگ بھی موجود ہیں کہ ہم آدم و حوا کی شامت اعمال سے گرفتار معصیت ہیں۔ یہ خیال محض غلط، بے سرو پا اور بے بنیاد ہے۔ ہر شخص اپنے ہی کاموں کی وجہ سے جزا و سزا کا مستحق ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ شفاعت اور کفارہ بھی یکسر باطل ہے۔ اب آگے دوسرا نمونہ سلیمانؑ کا پیش کیا کہ ہر انسان عاجز اور محکوم ہے۔ سب کو اَوّاب بننا چاہیے اور خدائے تعالےٰ سے بخشش مانگتے رہنا چاہیئے۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ)

(۳۰) وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝

اور بخشا ہم (خدا) نے داؤدؑ کو سلیمان۔ تحقیق وہ اچھا بندہ تھا (سلیمانؑ بھی داؤدؑ اور تمام نیکوکاروں کی طرح بھول جانے پر فوراً مغفرت مانگنے اور رجوع کرنے والا تھا (ہمیں ہر وقت خدا تعالےٰ سے صراط مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق مانگتے رہنا چاہیے۔ اس سے برکات الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ دنیا میں کوئی شخص بے غم اور بے غلط نہیں۔ آزمائشیں ہوتی رہتی ہیں۔ داؤدؑ کو بھی صبر کی تعلیم دی گئی اور فرمایا کہ دنیا دار المحن ہے آزمائش میں پڑو، تو قیامت کو سامنے رکھو اور مصائب وجذبات کا مقابلہ ہمت و استقلال اور نیکی سے کرو۔ خوف سے بری ہونا انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔ غرض ہر شخص فتنے میں پڑ سکتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے متعلق بھی یہ ثابت ہوا کہ گھوڑوں وغیرہ کے فتنے میں پڑے اور انھیں صرف خدا تعالیٰ ہی سے معافی اور بخشش مانگنا پڑی۔ یہ لوگ تو اللہ تعالےٰ سے مغفرت مانگیں مگر حیف ہے اُن پر جو اُن سے اولاد اور دوسری مرادیں مانگیں! پس اچھے بندے کی تعریف

یہ ہے کہ ٹھوکر کھائے، تو فوراً رجوع کرے۔ ارشاد ہے کہ ایسے اَوّاب کو ہم بخش دیتے ہیں سلیمانؑ اس لیے اچھا بندہ تھا کہ اس نے پروردگار کی طرف فوراً رجوع کیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اے نبیؐ! اپنے اور دوسرے مومنین و مومنات کے لیے مغفرت مانگو اور پھر فرمایا کہ اپنے کو پاک نہ ٹھہراؤ! تم میں کوئی پاک نہیں ہے۔ پاک صرف خدائے قدوس ہی ہے۔ تم غصے اور غیض و غضب میں آنے والے ہو، اس لیے تمہیں دعائیں مانگنے اور مغفرت طلب کرنے کی ہر وقت حاجت ہے۔ غرض سلیمانؑ کا اَوّاب ہونا قابلِ تعریف بتایا)۔

(۳۱) إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ ۝ جب اُس کے سامنے خاصے کے گھوڑے پیش کیے گئے (یہ گھوڑے بہت ہی عمدہ تھے۔ کب پیش کئے گئے؟ عصر کی نماز کے موقعہ پر (گھوڑوں کی دیکھ بھال میں سلیمانؑ اَوّاب کو فوراً عصر کی نماز کا خیال آگیا کہ عبادت الٰہی کا عمدہ اور احسن وقت جاتا نہ رہے)

(۳۲) فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّي حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ تو کہنے لگا: مَیں اللہ کی محبت سے (غافل ہوکر) مال سے محبت کرتا ہوں (اور یادِ خدا پر مال کو ترجیح دے رہا ہوں۔ یہ کام ٹھیک نہیں ہے اور کہیں ان گھوڑوں میں محو ہوکر نماز نہ جاتی رہے۔ یا یہ معنی کہ یہ جو میں اُن سے اُنس و محبت رکھتا ہوں۔ یہ خدا کے سبب سے ہے، کیوں کہ اس عالَمِ اسباب میں جبارین عمالقہ کی سرکوبی کے واسطے یہ کچھ سامان رکھتا ہوں کہ ظالم لوگ دینِ الٰہی کو پامال نہ کرنے پائیں اور حقیقی بھروسہ تو صرف مجھے خدائے قدوس و عزیز پر ہی ہے۔ یہ ظاہری سامان تو مخالفین کو مرعوب کرنے کی خاطر جمع کیے ہیں، تاکہ وہ اگر سرکشی کریں۔ تو مدافعت کی جائے، نہ کہ جارحانہ کارروائی۔ غرض نماز کا خیال آیا، تو حکم کیا کہ گھوڑوں کو لے جاؤ۔ مَیں ذکرِ الٰہی کروں، پھر منگوالوں گا) حتیٰ کہ گھوڑے پردے میں چلے گئے (نظر سے غائب ہوگئے۔ گھوڑے اوٹ میں ہوگئے؛ نہ کہ سورج غروب ہوگیا۔ یہ مفسرین کے من مانے جاؤ ہیں۔ جو قصہ کہانیوں سے بے نظیر کتاب کو پُر کرنا چاہتے ہیں اور عالی شان بات

کو مٹا کر اپنی خواہشات کو ٹھونسنے کی بے سود کوشش کرکے مخالفین کو اعتراضات کا موقع دیتے ہیں ۔ غرض سلیمان ؑ نے نماز پڑھ لی ۔ یہ ہے آداب بننا ۔ فارغ ہونے پر خادموں کو حکم فرمایا:

(۳۳) رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ○ ان گھوڑوں

کو) میرے پاس واپس لاؤ (وہ واپس لائے گئے اور آپ نے ماہرینِ فن کی طرح بڑی اچھی طرح ان کی دیکھ بھال کی) ، پس لگا ہاتھ پھیرنے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (واقعی آداب تھے ۔ وقت آنے پر نماز پڑھ لی ۔ عبادت کے بعد گھوڑوں کی دیکھ بھال کی ، نہ کہ نماز چھوڑ کر گھوڑوں کے دھندے میں لگ گئے ۔ غرض سلیمان آداب تھے ، بے غلط نہ تھے ۔ بے غلط صرف ایک ذاتِ واحد خدا ہی ہے ۔ دوسرا کوئی نہیں ۔ ایک موقعہ پر یہ ظاہری اسباب و سامان بھی کام نہ آئے اور سلیمان ؑ کی انسانی کمزوریوں کے سبب رعایا نے سر اٹھایا اور بغاوت کردی اور نوبت بایں جا رسید کہ سلیمان ؑ تخت حکومت سے اتارے گئے ۔ اس عالم اسباب میں یہی کچھ ہوتا رہتا ہے ، جیسا کہ فرمایا)

(۳۴) وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ○ اور البتہ بتحقیق ہم نے سلیمان ؑ کو آزمائش میں ڈالا اور اس کی کرسی (یعنی تختِ حکومت) پر ایک لاعقل (اور بے وقوف شخص کو) لا بٹھایا (اس آزمائش میں سلیمان ؑ نے جزع فزع نہیں کی اور نہ گھبراہٹ میں کوئی ناشکری کا کلمہ کہا ، بلکہ صبر و شکر کے ساتھ استقلال قائم رکھا ۔ وہاں سے چلے گئے اور) پھر بارگاہ ایزدی میں) انابت کی (اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کا اعتراف کیا اور خدا سے روحانی بادشاہت کے طالب ہوئے ، جس کو نہ زوال ہے ، نہ اس پر غیر کا قبضہ ہو سکتا ہے ، جیسا کہ آگے آتا ہے)

(۳۵) قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ کہا: اے میرے رب! میرے واسطے بخشش کر اور

مجھے ایسی بادشاہی (توفیق اعمال صالح اور اطمینان قلب) دے، جو میرے بعد کسی اور کو شایان نہ ہو الاتزر وازرۃ وزر اخری، نہ گناہوں سے نہ نیکیوں سے ایک کو دوسرے سے ثواب و سزا ملے گی۔ صرف اپنا کیا ہی کام آتا ہے۔ اس کی طرف سے کسی کو نہ گرفت ہوتی ہے نہ انعام ملتا ہے۔ ہر شخص اپنے ہی نفس سے جھگڑتا ہوا جاتا ہے۔ اس دعا میں روحانی خوبیاں طلب کی گئی ہیں۔ یہ خوبیاں عاقبت میں بانٹی نہیں جاتیں۔ ہر ایک کو اس کے کیے کے مطابق بدلہ ملتا ہے۔ اگر زیادہ انعام ملے تو یہ اُس خدا کی مہربانی اور فضل ہے، جیساکہ عرض کیا کہ) تو (اے خدا!) بڑا ہی فیاض ہے (غرض یہ تھی کہ یہ دُنیوی حکومت وغیرہ تو آنے جانے والی چیز ہے۔ دائمی خوشی عنایت فرمائیو! تو پھر اس فیاض خدا کے فیض کا کیا ٹھکانہ، جس نے مانگنے سے زیادہ عنایت فرمایا یعنی، دنیا اور عاقبت کی مسرتیں دونوں دے دیں۔ اصل چیز تو عاقبت کی بہتری ہے۔ دنیا تو خواب و خیال کی طرح بھول جانے والی ہے۔ جن کا آخرت کی طرف دھیان ہے، وہ بڑے خوش و خرم ہیں۔ سکندر کو حکیم دیو جانس قلبی بادشاہی یا فتح کی مبارک دینے اس لیے نہیں آیا تھا کہ یہ چیز پائے دار تھی حقیقی مبارک کا مستحق وُہ شخص ہے، جو دنیا سے سُرخ رو ہوکر جائے۔ لوگو! دنیا کا فائدہ ہی چاہتے ہو، تو خدا کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کے فوائد ہیں کدھر بہکے جا رہے ہو؟ انسان حکم ران ہو، تو خدا کی یاد اور حقوق العباد کو فراموش نہ کردے۔ غرض جب حضرت سلیمان علیہ السلام تخت سے الگ کر دیے گئے، تو پھر غور و فکر اور سوچ بچار میں پڑ گئے کہ اگر یہ حکومت ان سرکشوں کے پاس رہی، تو یہ ظالم خلق خدا پر بڑے بڑے مظالم توڑیں گے اور امن پسندوں کی زندگی تلخ کردیں گے۔ رفاہِ عام کے لیے اس ذمہ داری کو حاصل کرکے عدل و انصاف سے امن قائم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ حکومت کی باگ اپنے ہاتھ آئے اور ہر شخص کو اُس کے کاموں کے مطابق جزا و سزا دی جائے اور یہ چیز تب تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک ان جبارین پر قابو نہ پایا جائے۔ غرض سامانِ حرب وغیرہ کے بہم پہنچانے کے واسطے بحری سفر شروع کیا، جس میں بڑے اولو العزم شخص کی طرح مستعدی دکھائی۔ نیت نیک اور باغیوں کی اصلاح یا سرکوبی مدنظر تھی۔ خداوند کریم نے مدد کی۔ تجارتی ہواؤں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیا۔ یہ ہوا حضرت سلیمان ؑ ہی کے لیے نہیں بنائی گئی، بلکہ ہمیشہ سے اُن کی بھی

چال ہے۔ برکت والی زمین یعنی ارض مقدس کو تیز چلتی ہے اور دوسری طرف سے نرم رفتار سے چلتی ہے۔ فرمایا:)

(۳۶) فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝

پس ہم (خدا) نے ہوا اس (سلیمان) کے کام میں لگا دی، جو اس کے کام کے مطابق آہستہ آہستہ چلتی تھی (غرض بری اور بحری ہر طرح کی طاقت خوب جمع کی اور تمام نظم و نسق قائم کرکے باضابطہ اور احسن طور پر جبارین عمالقہ پر پورا پورا قابو پالیا اور زبردست حکومت قائم کرکے بعد تحقیقات کے جس شخص یا گروہ کو جس لائق پایا اُس سے ویسا سلوک کیا۔ شیطانوں کو قابو کرکے انھیں مناسب کام پر لگا دیا، جیسے فرمایا:)

(۳۷) وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝ اور شیاطین کو بھی (اس کا طیع کیا) وہ سب لوگ عمارتیں بنانے والے اور غوطہ خور تھے۔

(۳۸) وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ اور دوسرے (شریر اور سرکش لوگ بھی اس کے زیر فرمان کرکے) زنجیروں میں جکڑ دیے گئے (یہ سب انسان مٹی کے بنے ہوئے تھے، نہ کہ کوئی دوسری مخلوق تھی۔ غرض جو لوگ معاف کرنے کے لائق تھے ان کو معاف کر دیا اور جنھیں سزا دینا چاہیے تھی، انھیں سزا دی گئی۔ یہ تسلط خداوند کریم نے عنایت فرمایا تھا، اسی لیے ارشاد ہوا:)

(۳۹) هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ یہ ہماری (خدا کی) عطاء ہے۔ کسی پر احسان کر (چھوڑنے کے لائق دیکھ کر چھوڑ دے) یا (جس کو مناسب جان، اس کو) قید کر دے یہ پوچھنے والے نہیں ہیں (ہاں مگر یہ خیال رکھیو کہ اگر تو زیادتی کرے گا، تو اگرچہ یہ لوگ تو بازپرس کی طاقت نہیں رکھتے، مگر ہم (خدا) تو پوچھنے والے اور پورا پورا حساب لینے والے ہیں۔ پس ہر ایک سے مناسب سلوک کیجیو۔ تعدی کو ہم (خدا) سخت ناپسند

کرتے ہیں۔ ہماری مہربانیوں کی طرف توجہ کرو کہ کل یہ لوگ تجھے نکلنے کے منصوبے کر رہے تھے۔ آج ہم نے اپنے کرم سے تجھے نوازا۔ تو تم پر لازم ہے کہ زیادتی پر نہ اُترآؤ اور حکومت پر غرور کر کے وہ کچھ نہ کر بیٹھو، جو نہ کرنا چاہیے، ورنہ ہم حساب لینے والے سر پر ہر وقت موجود کھڑے ہیں بغرض نیک نیتی سے کام کرنے والے کا اجر خدا کے ہاں موجود ہے اور مصلح وہ وہ انعام پاتا ہے، جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا سلیمان ؑ پر بھی جو انعامات کیے گئے، وہ ان کی صالحیت ہی کی وجہ سے کیے گئے۔ فرمایا،)

(۴۰) وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ○ اور وا سطے

اس کے تھا ہمارے (خدا کے) پاس قرب حاصل اور اچھی بازگشت (کیوں کہ ہم سب خدا کی طرف سے ہی آئے ہیں اور اُسی کی طرف ہی ہماری سب کی واپسی ہے۔ مخلوق مخلوق ہی رہتی ہے، خدا میں مل نہیں جاتی۔ اس کا مرتبہ خواہ کتنا ہی بلند ہو، محکومیت سے باہر نہیں ہو سکے گا۔ وہ ہمیشہ اُس احکم الحاکمین کے ماتحت رہتی ہے، اس لیے احکم الحاکمین ایک ہونا چاہیے، اگر دو ہوں تو ایسا تصادم ہو کہ تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ دو احکم الحاکمین، دو اصل مطاع، دو حکم مطلق، دو منتہائے سوال کا عقیدہ رکھنا زبردست شرک ہے، جس سے خدا بچائے رکھے۔ غرض بندہ کو بندہ اور بہتر بندہ بننے کی کوشش کرنا چاہیے اور ہر وقت خدا سے نیکی کی توفیق مانگتے رہنا چاہیے۔ دنیا مصائب و آزمائش کی جگہ ہے اور خدا سے لَو لگائی ہو اور حاضری کا دھڑکا لگا ہو، تو مشکلیں آسان ہوتی رہتی ہیں، جیسا کہ داؤدؑ اور سلیمانؑ کے قصہ سے عیاں ہے۔ سارے مصائب، اپنے ہاتھوں کے کاموں ہی سے پہنچتے ہیں، جن میں سے اکثر مناسب جان کر معاف بھی کیے جاتے ہیں، ورنہ اگر ہمارے مظالم کے باعث خدا تعالیٰ کی گرفت آجائے، تو کوئی بھی زندہ نہ رہے۔ اس جگہ مخاطب مکلفین ہیں، نہ کہ معصوم بچے وغیرہ۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اس کا نتیجہ تباہی ہونا چاہیے۔ مگر ہماری مہربانی ہے کہ کئی ایک گناہ معاف کیے جاتے ہیں اور پھر اگر تباہی میں نیک بھی پس جائیں اور اس حادثہ کی لپیٹ میں آجائیں، تو ان کا انجام عقبیٰ میں نیک اور بہتر نکلتا ہے اور بدوں کا انجام تباہی اور طرح طرح کی سزاؤں کا بھگتنا

اور دردناک عذابوں میں گرفتار ہوتا ہے۔ جب بما کسبت ایدیکم مخاطب ہیں، تو انبیاء کرام بھی مستثنیٰ نہیں، اُن پر بھی لغزشوں کے ذریعے تکالیف آئیں اور اُنھوں نے خدا سے دعائیں مانگیں، تو انھیں معاف کیا گیا۔ غرض انسان کو صابر و شاکر بننا چاہیئے اور ہر وقت خدا سے مدد مانگتے رہنا اور صلاحیت والے کام کرنے کی کوشش کرنا اپنا دستور العمل بنانا چاہیئے اگر یہ عادت راسخ ہوگئی، تو انشاء اللہ نجات پانا ضروری ہے

رکوع سوم | اس سے آگے خداوند تعالیٰ اپنے ایک صابر بندے کا ذکر فرماتے ہیں، جسے خدا پر بھروسہ کرکے تکالیف سے نجات ملی اور دوسرے انعامات بھی پالیے۔ فرمایا:

(۴۱) وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝ اور ہمارے بندے ایوبؑ کا ذکر کر، جب اُس نے (سخت تکالیف کے موقعہ پر) اپنے رب کو پکارا (اکثر پکارتے رہے اور بڑی بڑی عاجزی سے معافی مانگی۔ ہر طرف سے درد و دُکھ کا سامنا ہو رہا تھا۔ جلدی بیماری کی وجہ سے قبیلہ کے لوگ حتیٰ کہ خویش و اقارب تک نفرت کرکے اُن سے الگ ہوگئے تھے۔ ایسے سخت مصائب کے وقت گڑگڑا کر دل سے دعا مانگی، جو قبول ہوئی اور خدا نے اپنی مہربانی سے صحت کلی عطا فرمائی۔ تمام قبیلہ واپس آیا۔ آئندہ اور بھی اولاد عنایت ہوئی اور تاکید کی کہ انھیں اتفاق کی تعلیم دو اور تم بھی اپنے دیرینہ رنج کی بنا پر اُن سے کسی طرح کا انتقام نہ لو اور اتحاد کا عہد پورا اور قائم رکھو۔ غرض اللہ تعالےٰ نے حضرت ایوبؑ کو ہر طرح آرام و آسائش کے سامان عطا فرمائے۔ بس نیک انسان کی نشانی یہ ہے کہ مشکل کشا اور حاجت روا صرف ایک معبود حقیقی کو سمجھے اور اس کے سوا کہیں پناہ تلاش نہ کرے۔ وُہی خدا فریادوں کے سُننے اور لغزشوں کو معاف کرنے والا ہے۔ پس ایوبؑ ہو یا کوئی اور، جس کا بھی تعلق خدا سے مضبوط ہوگا، فلاح پائے گا۔ انسان اپنی غلطیوں کا اقرار کرکے سچے دل سے تائب ہو اور آئندہ صلاحیت والے کاموں کا عملی ثبوت دے، تو ارحم الراحمین معاف فرماتے ہیں۔ غرض ایوبؑ نے کیا کہا؟ کہ اے خدا! میری لغزشوں کے سبب) مجھے شیطان (یعنی بُرے جذبات) نے ایک جگہ گاڑ دیا ہے (ایک دوسری جگہ کہا،

مجھے ضرر پہنچایا ہے۔ غرض ہلنا جلنا مشکل ہوگیا ہے اور تکالیف میں نے خود کردہ کاموں سے پائی ہیں شیطان کے چکے میں تھوڑا یا بہت ہر کوئی آجاتا ہے۔ آخرکار خدا ہی کی پناہ میں آنے سے مصائب دُور ہوتے رہتے ہیں۔ یہ شیطان یا بدی کے اثرات ان کو کچھ بھی کہو ایک قوت ہے جو اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ اس پر قابو پانا اور اس کو دبانا بہت بڑی نیکی ہے اور اس کام پر قابو پانے کے لیے ہر وقت خداوند کریم سے مدد کا خواہاں رہنا ضروری ہے۔ ایوب کی فریاد میں یہ بھی عرض ہے کہ چلنے پھرنے سے معذور ہونے کے علاوہ یہ صدمہ بھی ہے کہ) اور درد ہو رہا ہے (وجع المفاصل کہو یا گنٹھیا وغیرہ۔ مدعا یہ کہ سخت مشکل میں پھنسا ہُوا ہوں۔ اے اللہ! مجھے اس دردناک تکلیف سے نجات دیجیے۔ دردِ دل کی آواز سے رحمتِ الٰہی کرم کرنے پر آمادہ ہوئی اور ایک قدرتی چشمہ کی طرف رہبری کی، جس میں معدنیات کے اجزا تھے اور بُوٹیاں وغیرہ مِلی ہوئی تھیں، تو فرمایا کہ لکڑی کے سہارے یا اور کسی طرح آہستہ آہستہ چل کر اس ٹھنڈے چشمے میں اُتر کر پاؤں سے پانی کو خوب ہلاؤ، تاکہ جو اشیا نیچے بیٹھی ہوئی ہیں، وہ پانی میں حل ہو جائیں، پھر خوب غسل کرو۔ پینے میں بھی یہی پانی استعمال کرو اور متواتر یہ عمل کرو، یہاں تک کہ بالکل آرام آجائے، جیسا کہ فرمایا:)

(۴۲) اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ○

اپنے پاؤں سے ہلاؤ۔ یہ ٹھنڈا چشمہ ہے نہانے اور پینے کا (غرض جب مستقل طور پر چشمے کے پانی سے نہانے اور اس کو پینے کا عمل جاری رکھا۔ تو آرام آگیا اور اپنا کام شروع کیا اہل والے بھی آ گئے۔ جو سختی کے وقت ساتھ چھوڑ گئے تھے، وہ اکٹھے ہوگئے۔ اس کے علاوہ اور بھی اولاد پیدا ہوئی۔)

(۴۳) وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ○ اور ہم نے اس (ایوبؑ) کو اس کے اہل بخشے اور اہل کے ساتھ ان کی مثل اور بھی۔ یہ ہماری رحمت تھی (ورنہ انسان کی کرتوت سے تو اللہ بخوبی واقف ہے

یہ رحمت صرف ایوبؑ کے لیے ہی نہ تھی، بلکہ جو بھی شخص نیک اور اواب بنے، رحمت پائے گا اور اللہ کی مہربانی بخشہ پائے گا۔ پس غور و فکر سے کام لو، کیوں کہ اس قصے میں داناؤں، اور عقل مندوں کے لیے (نہ کہ بے وقوف اور جاہل ناقدر دانوں کے واسطے) نصیحت ہے (اللہ تمھیں بہتری کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ پس اہل عقل کو اس قسم کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ غرض قبیلہ کے لوگ جو اگرچہ مجبوری کے باعث ہی سہی، مگر مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ گئے تھے، اب واپس آ گئے، تو اس وقت بجائے شکایت کے ایوبؑ اپنے اہل سے وعظ کہنے کا حکم ہوا اور اُن لوگوں کے سامنے مثال دے کر اتفاق کی خوبیاں بیان کیں، جیسا کہ حکم ہوا:

(۴۴) وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ○ اور تو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا پکڑ اور اس سے اُن کو سمجھا (کہ اتفاق میں کتنی طاقت ہے اور الگ الگ رہنے میں کیا بُرائیاں ہیں۔ نااتفاقی تمام مفاسد کی بنیاد ہے۔ لقمان نے اپنی اولاد کو ایک درخت کی ایک ایک ٹہنی لانے کو کہا، تو وہ لوگ فوراً تمام درخت کی ٹہنیاں لے آئے، تو باپ نے کہا، اگر سارا درخت لانے کو کہا جاتا، تو ایسا نہ ہو سکتا۔ مگر ایک ایک ٹہنی کر کے سارا درخت لایا گیا۔ جمعیت اعلیٰ شئے اور برکتوں سے لب ریز اور نتیجہ خیز ہے۔ غرض ایوبؑ کو پچھلی باتوں سے درگذر کر کے آئندہ اپنے قول کا پابند رہنے کی نصیحت فرمائی۔) اور عہد نہ توڑیو (پس انھوں نے فرمانِ الٰہی کے آگے سر جھکا دیا اور قبیلے کی اس بے اتفاقی کو نظر انداز کر کے شیر و شکر ہو گئے اور ہمت اور استقلال کا پورا پورا ثبوت دیا، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) بالتحقیق ہم نے اس کو صابر پایا، بے شک وہ بہت اچھا بندہ تھا۔ وہ (ایوبؑ) رجوع کرنے والا تھا (اسی طرح نبی کریمؐ کو بھی صبر کی تعلیم دی اور عاقبت کو پیشِ نظر رکھنے کا حکم دیا یہی حکم داؤدؑ کو بھی ملا اور تمام انبیاؑ کو بھی یہی ہدایت دی گئی اور ارشاد ہوا کہ ہر وقت خوفِ خدا کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اب آگے ابراہیمؑ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا ذکر ہے۔ یہ رسول داؤد، سلیمان، ایوب، ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب قیامت کو سامنے رکھ کر کام کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے انھیں جنّت کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ ہر ایک متقی انسان کو ایسے ہی نیک بدلے دیے جاتے ہیں۔ طاغین کے لیے جہنّم کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔ غرض

اپنے غلاموں کا حال بتلاتے ہیں)

(۴۵) وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ○ اور ہمارے (خدا کے) بندوں (یعنی غلاموں) کا ذکر کر! (لوگوں کو سنا کہ اچھا غلام ایسا ہوتا ہے۔ اس بیان سے لوگ نصیحت پاکر خود بھی فرماں بردار بنیں اور اہل وعیال کو بھی دوزخ کی آگ سے بچنے کی تعلیم دیں) ابراہیمؑ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا ذکر کر۔ اُن پر بڑی بڑی آزمائشیں آئیں۔ یہ بے چارے اپنی طرف سے صبر کرتے رہے) ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے (کما کر کھاتے اور اہل وعیال کی پرورش کرتے۔ ان کو نیک تعلیم دیتے اور اُنھیں اس بات کا یقین تھا کہ بالآخر اُنھیں خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے، اسی خوفِ الٰہی کا نتیجہ تھا کہ)

(۴۶) اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ○ بالتحقیق ہم (خدا) نے اُن کو چُن لیا تھا، جو خالص صفت تھی (یعنی) آخرت کا ڈر رکھتے تھے (غرض موت کے بعد خدا کے پاس گئے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو عالی شان بدلہ ملا، جیسا کہ ارشاد ہے)

(۴۷) وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ○ تحقیق وہ (لوگ) ہمارے (خدا کے) حضور چُنے ہوئے نیک بندوں میں موجود ہیں (نہ کہ مر کر مٹ گئے، معدوم ہو کر ضائع ہو گئے، ہرگز ہرگز ایسا نہیں، کیوں کہ انسان کے بُرے اور نیک ہر طرح کے اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ ضرور دیتا ہے اور اس کو بے کار محض نہیں چھوڑ دیتا۔ دنیا میں منکرین قیامت کا بھی ایک گروہ موجود ہے، جو بڑی بھاری ٹھوکر کھائے ہوئے ہیں بات یہ ہے کہ انسان کو لطیف جسم (جسے نسمہ کہتے ہیں) ملتا ہے۔ یہ اثیری لطیف جسم دوسرے عالم میں ساتھ جاتا ہے اور کثیف جسم اس زمین پر ہی رہ جاتا ہے، جیسا کہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم (خدا) جانتے ہیں: جو زمین ان سے گھٹاتی ہے اور کیا زمین کو ہم نے اپنی طرف کھینچنے والی نہیں بنایا؟ ضرور بنایا ہے پس کثیف مادے کو زمین لے لیتی ہے۔ لطیف جسم دوسرے عالم میں ساتھ جاتا ہے اور اس سے مناسب

کا بدوانی ہوتی ہے۔ یہ لطیف جسم انسانوں کے اعمال ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اپنے کاموں کے مطابق آرام یا تکالیف اٹھاتا ہے۔ غرض اصل چیز باقی رہتی ہے۔ فرعون کے واقعات میں قرآن مجید نے دنیا اور آخرت کے متعلق کھلی کھلی تصریح فرمائی ہے۔ اُدھر وہ سرکشوں کا گروہ غرق ہوتا ہے اور ادھر اس کو شدید ترین عذاب میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہاں کفار کو کچھ وقت برزخ میں بھی رہنا پڑتا ہے۔ وہ بے ہوشی کی سی حالت ہوتی ہے، جیسے نشہ میں تکلیف کم محسوس ہوتی ہے۔ پھر ہوش میں لا کر زیادہ عذاب دیا جاتا ہے، تاکہ جلد آرام حاصل ہو۔ یہ اگرچہ علاج ہی ہے، مگر ہے بڑا دردناک عذاب بس انسان کو نیک بننے کی کوشش کرنا اور خدا سے توفیق مانگتے رہنا چاہیے۔ اب آگے پھر متقیوں کا ذکر ہے، جیسا کہ فرمایا)

(۴۸) وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝

اور اسمٰعیل اور الیسع (یعنی دوسروں کو دکھوں سے بچانے والا) اور ذوالکفل (ضمانت والا یعنی، یہ بھی دوسروں کا کفیل بنتا تھا اور خود تکلیف اٹھاتا یا ایثار سے کام لیتا تھا، پس ایسے لوگوں) کو یاد کر (یہ سب نیک لوگ تھے۔ مدارج کی بحث نہیں، غرض صرف اتنی ہے کہ یہ لوگ اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ اس کے علاوہ خدمت خلق میں مصروف اور عبادت الٰہی میں سرتوڑ لگے رہتے تھے۔ یہ ان ہی چند شخصوں کا خاصہ نہیں جو بھی شخص خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا، انعام پائے گا، جیسے کہ ان کی تعریف فرمائی) سارے اچھے لوگ ہیں (غرض کہ اتقاء بڑا اچھا اور بلند مقام ہے اور خدا تعالےٰ نے متقی بننے کی بڑی تاکید و تحریص اور ترغیب دلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ)

(۴۹) هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ (انبیاء کا جو ذکر کیا گیا ہے، تو) یہ ایک یاددہانی ہے اور متقیوں کے واسطے البتہ اچھا ٹھکانا ہے (وہ مقام، وہ ٹھکانا کیسا ہے؟)

(۵۰) جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ ہمیشگی کے باغ (ان متقیوں کے واسطے ہیں (وہاں جا کر جابیوں کا انتظار نہیں کرنا پڑتا، سب کچھ تیار پاتے ہیں) دروازے (ان باغوں کے) ان (متقیوں) کے واسطے کھلے ہوتے ہیں (وہاں جا کر بڑا آرام حاصل کرتے ہیں)

(۵۱) مُتَّكِـِٔيۡنَ فِيۡهَا يَدۡعُوۡنَ فِيۡهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ وَّشَرَابٍ ○ تکیے لگاکر آرام (و آسائش) سے بیٹھے ہیں (نوکروں کو حکم کرتے ہیں ہر اس چیز کے لانے کا، جس کی خواہش ہوتی ہے۔ فرمایا:) منگواتے ہیں ان (باغوں) میں بہت میوے اور (ہر طرح کی) پینے کی چیزیں (یہ انعامات کچھ دیکھنے سے ہی تعلق رکھتے ہیں اور سنیے!)

(۵۲) وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ اَتۡرَابٌ ○ اور اُن کے پاس نیچی نگاہ والی ہم عمر بیویاں ہیں (یہ سب مرد و عورت بہ لحاظِ قوت ہمیشہ جوان رہتے ہیں۔ بڑھاپا، بیماری، غم اور موت وغیرہ کا اُن کو کوئی کھٹکا نہیں ہوتا۔ ان کی ساخت مضبوط ہوتی ہے پتھر کی طرح۔ ہاں تکلیف یا آرام کو وہ لوگ بھی پوری طرح محسوس کرتے ہیں، جیسا کہ ان باغوں والوں کو کہا جاتا ہے)

(۵۳) هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِيَوۡمِ الۡحِسَابِ ○ یہ وہ (انعامات اور عنایتِ الٰہی) ہے، جس کا تم سے (دنیا کی زندگی میں نیک کام کرنے پر) حساب کے دن کے لیے وعدہ کیا گیا تھا سو دیکھ لو کہ وہ کیسے حرف بہ حرف پورا ہوا۔ بھلا ہم سے زیادہ سچ بولنے والا اور کون ہے؟ پس اب مطمئن ہو جاؤ کہ تمھارے لیے اب کسی طرح کا غم یا خوف نہیں ہے)

(۵۴) اِنَّ هٰذَا لَرِزۡقُنَا مَا لَهٗ مِنۡ نَّفَادٍ ۚۖ تحقیق یہ ہمارا رزق ہے (کھاؤ، پیو) اس کے لیے ختم ہونا نہیں ہے (دنیا کی اشیاء کی طرح یہاں کسی شے کے ضائع یا ختم ہونے کا خطرہ نہیں۔ غرض متقیوں کا بیان فرما کر اب مقابلہ میں سرکشوں کا ذکر لاتے ہیں کہ دیکھو متقیوں کے آرام اور خورد و نوش کے مقابلہ میں ان نافرمانوں کا مقام اور کھانا پینا کیسا ہے؟ ارشادِ الٰہی ہے:

(۵۵) هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيۡنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ (۵۶) جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ○ یہ (انعامات تو ہمارے متقی بندوں کے لیے ہیں)، اور جو سرکش ہوئے اُن کے لوٹنے کی

جگہ بہت بُری ہے (اور وہ بُرا ٹھکانا اُن کا) جہنم ہے۔ پس وہ بہت بُرا بچھونا ہے (یہ تو مکان کا نقشہ ہے جس میں ہزاروں بلاؤں کا سامنا ہے۔ اب ان کی بداعمالیوں کے بدلے میں اُنھیں جو کھانا دیا جاتا ہے، اس کا بیان ہوتا ہے)

(۵۷) هٰذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝ پس چکھو اس کو (یعنی) گرم کھولتے ہوئے پانی اور پیپ (کو۔ تمھیں یہ کھانا کیوں دیا گیا ہے؟ سُنو! تمھارے کاموں کے عین مناسب ہے۔ تمھارے دماغ حق کی طرف سے غافل اور آنکھیں نشۂ غرور سے اندھی تھیں۔ دنیا میں ہر نیکی کا الٹ اور ہر اصلاح کے خلاف کرنا تم نے اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا۔ پس اب یہ پیپ اور گرم پانی آنکھوں میں اندھیرا اور دماغ میں تبخیر اٹھانے والا ہے)

(۵۸) وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝ اور بھی کئی قسم کے عذاب چکھو۔

(اب جہنم کی جماعتوں کا نقشہ کھینچا، کیوں کہ آگے پیچھے سب لوگ علاج کے لیے وہاں داخل ہوتے رہتے ہیں تابع اور متبوع کی بحث بیان فرمائی۔ بدعمل پیر یا کاہن اور فاجر گدی نشین پہلے داخل ہو چکے تھے، اُن کو کہا گیا۔

(۵۹) هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۚ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝

یہ ایک فوج ہے نئی، تمھارے ساتھ عذاب میں داخل ہونے والی (یعنی تمھاری طرح یہ بھی سرکشی کے باعث اسی شفاخانے میں آگئی ہے۔ جب پیروں نے دیکھا کہ یہ تو وہی لوگ ہیں، جن کو ہم ہی نے تباہ کیا تھا، تو وہ گھبرائے۔ چنانچہ وہ اُن کو دیکھ کر بولے) ان کو خوشی نصیب نہ ہو (کیوں کہ) تحقیق یہ لوگ تو آگ میں پڑنے والے ہیں۔

مرید یہ فقرہ سُن کر اور بھی جل اُٹھے کہ ایک تو ان ہی بدبختوں کے سبب یہ دن ہمیں دیکھنا نصیب ہُوا اور پھر اُلٹا یہ ہم ہی کو کوستے ہیں۔ یہ اشرار ہیں، دنیا میں بڑے بڑے سبز باغ دکھایا کرتے تھے اور زبردست اُمیدیں دلایا کرتے تھے کہ تمھارا بال تک بیکا نہ ہوگا، ہر مشکل میں ہم آڑے آئیں گے۔ آخر

جنت میں پہنچا کر ہی دم لیں گے، مگر آج ہم ان کو اپنے سے پہلے دوزخ میں داخل ہوتے دیکھتے ہیں، مگر اب کیا ہو سکتا ہے)

(۶۰) قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝

(آخر مرید غیظ و غضب سے) بولے: بلکہ تم ہی (اس حالت میں ہمیں لائے ہو اور) تمہیں کو خوشی نہ ہو تحقیق تم ہی نے اس (بُری) حالت کو ہمارے لیے تیار کر رکھا ہے۔ بس یہ بہت بُرا ٹھکانا اور بہت بُری رہنے کی جگہ ہے (اب مُرید خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور)

(۶۱) قَالُوا رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هَٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝

بولے: اے ہماری ربوبیت کرنے والے! (کیوں کہ جانتے ہیں کہ صحیح علاج کے لیے ہی یہ تکلیفیں ملتی ہیں آخر صحت پائیں گے صفتِ ربوبیت کو عین مناسب موقعہ پر لائے ہیں) جس نے ہمیں مقدم کیا (یعنی جو ہمارے یہاں پہنچنے کا باعث ہوا ہے) پس اس کو آگ میں دوگنا عذاب دے۔

غرض یہ چپقلش جہنمی گروہوں کی تو آپس کی تھی۔ اب ان کو خیال آیا کہ یہ تو ہم آپس کے لوگ ہیں کچھ ہمارے پیر ہیں، کچھ ہم مرید ہیں، مگر وہ لوگ کہاں ہیں، جن کاموں پر ہم بہت بُری طرح دنیا میں پھبتیاں اُڑایا کرتے تھے؟ اور جن کے لیے ہم نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ہم اشرار تو یہاں جمع ہیں اور جن کو ہم اپنے غرور تکبر اور جمعیت کی وجہ سے اشرار گردانتے تھے، وہ نظر ہی نہیں آتے۔

(۶۲) وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ ۝

(۶۳) أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ۝ اور (وہ جہنمی) بولے، ہمیں کیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو (یہاں دوزخ میں اپنے پاس) نہیں دیکھتے، جن کو ہم (دنیا میں) اشرار میں شمار کیا کرتے تھے (اور طرح طرح کے بُرے خطاب ان کو دینا ہمارا دن رات کا مشغلہ تھا اور بس چلنے پر بدنی سزائیں بھی اُن کو دیتے تھے۔ غرض ان کو ہر طرح کی تکالیف پہنچانا ہمارا فرضِ اولین ہوتا تھا۔ آج وہ کدھر چلے گئے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ لوگ اشرار نہ تھے اور ہم اُن کو ناحق ستاتے

تھے ؟) کیا ہم نے اُن سے ٹھٹھا کیا ہے یا اُن کی طرف سے ہماری آنکھیں پھر گئی ہیں ؟ (آنکھیں تو کیا پھر گئی ہوں گی، ہاں وہ اپنے صلاحیت والے اعمال کے سبب جنتوں میں براجے ہوئے ہر طرح کی خوشی اور مسرت میں ہیں۔ لوگو! اہلِ جہنم کے حالات سُن کر عبرت پکڑو اور غور و فکر سے کام لے کر دنیا میں نیک بننے کی سر توڑ کوشش کرو، تاکہ عذابوں سے بچو اور باغوں میں داخل ہو کر اللہ کی نعمتوں سے دائمی حظ اٹھاؤ)

(۶۴) اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهۡلِ النَّارِ ۞ جہنم والوں کا جھگڑا حق ہے (وہ ضرور جھگڑتے رہتے ہیں۔ اس سے سبق حاصل کرو اور بتائی ہوئی راہ پر گام زن ہو کر منزل مقصود حاصل کرو۔ اگر نہ مانو گے، تو کسی کا کیا بگاڑو گے ؟ خود ہی مصائب میں پھنسو گے۔ توحید سے منہ موڑنا جہنم کے خریدنے کا دوسرا نام ہے)

رکوع چہارم (۶۵) قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنۡذِرٌ ۖ وَّمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ۞

کہ دے (اے مبلغ قرآن !) سوائے اس کے نہیں کہ میں تو ایک ڈرانے والا ہوں (میں خود راستہ نہیں ہوں راستہ وہ ہے، جو مجھے بتایا گیا ہے، جس پہ جو بھی چلے گا، نجات پائے گا۔ وہ راستہ کیا ہے ؟ توحید اور صرف توحید) اور کوئی معبود نہیں ہے، مگر ایک، اللہ (کامل مطلق) ہی معبود ہے، جو اکیلا ہی غالب ہے (اس جملہ میں تمام سورۃ ص کا ماحصل موجود ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں بتاتا ہے کہ نیک لوگوں کا انجام کیسا اچھا نکلتا ہے اور کیوں اچھا نکلتا ہے ؟ صرف اس لیے کہ وہ صرف خدا کے پجاری اور پکے موحد ہوتے ہیں، انھوں نے کبھی اکیلے غالب خدا کے سوائے کسی اور کی عبادت نہیں کی اور ہمیشہ صلاحیت والے کام کرتے ہیں۔ وہ دو اصل مطلع: دو مستقل ہستیوں، دو خداؤں، اہرمن اور یزدان کے قائل نہیں ہوتے۔ وہ فرشتوں کے ساجد نہیں ہوتے، بلکہ مسجودِ ملائک بنے رہتے ہیں۔ اپنی ربوبیت کرنے والے کے ہر حال میں ثناخوان ہوتے ہیں اور اس بات کے دل سے قائل ہوتے ہیں کہ)

(۶۶) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا الۡعَزِيۡزُ الۡغَفَّارُ ۞ آسمانوں اور زمین کا وہی (اکیلا غالب ہی) ربوبیت کرنے والا اور ان (زمین و آسمانوں) کے درمیان جو (وسائط ہیں، ان کا

بھی وُہی اکیلا غالب ہی رب) ہے۔ وُہی غالب اور بخشنے والا ہے (بس ایسے اللہ کو چھوڑ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اللہ وُہ ہوتا ہے جس کا ارادہ کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ سب کے ارادے ٹال سکتا ہے۔ اللہ کی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اکیلے غالب کے حصے نہیں ہو سکتے۔ دُو اِلٰہ کا موجود ہونا ناممکن اور محال مطلق ہے۔ اُسی کے حکم سے شریعت بنتی ہے۔ جو شخص اپنی شریعت بنائے گا، وہ اپنے آپ کو خدا کا شریک قرار دیتا ہے۔ اکیلے اللہ نے کسی اَور کو شریعت بنانے کا اذن نہیں دیا۔ وُہی تو ہے، جو سب کی ربوبیت کرتا ہے اور شعور سے سجاتا، گناہوں کو معاف کرتا، نیک کاموں سے ترقی دیتا اور سُرخ روئی عنایت فرما کر عزت والے مقام پر پہنچاتا ہے۔ تمام سامانوں کا اکیلا مالکِ حقیقی صرف خدائے واحد ہی ہے۔ اسے نہ کسی کی سفارش کی ضرورت ہے، نہ مشورہ کی حاجت۔ اس کو کوئی بھی اپنی کمزوریوں کے سبب صلاح نہیں دے سکتا، نہ بسبب اپنی بے بسی کے کوئی اُس کے سامنے دم ہی مار سکتا ہے۔ پس سب کو چاہیے کہ ایسے اللہ سے اپنا رشتہ جوڑیں نہ کہ مُنہ موڑیں اور طرح طرح کے شرک وظلم وغیرہ کو اہمیت دے کر ایسے معبود کے مقابلہ پر ڈٹ جائیں۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ ایسی چیزیں سخت گرفت کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس واقعہ کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھو)

(۶۷) قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ۝ یہ ایک بڑی بھاری خبر ہے (اسے معمولی نہ جانو۔ خدا کے شکر گذار بندے بنو! مگر افسوس کہ)

(۶۸) أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝ تم (ناقدردانو!) اس سے مُنہ پھیر رہے ہو،

(شرک اور ایسی بے پروائی اور اتنی غفلت بلکہ سرکشی کر رہے ہو اور انجام سے اتنے بے پرواکہ یہ کچھ سُن کر بھی تمہارے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی۔ ایسے اکیلے غالب کو چھوڑ کر دوسروں کے غلام بننا بہت درجے کی نافرمانی ہے۔ میرے ڈرانے کا یہی مقصود ہے کہ غیر اللہ کے ساجد نہ بنو تمام چیزیں تمہاری کر دی گئی ہیں اور تمھیں اُن پر حکم ران بنایا گیا ہے۔ تم مختار ہو۔ وہ مجبور ہیں۔ پھر افسوس ہے کہ اپنے سے نیچے درجہ کی اشیاء کے پجاری بنتے ہو اور اپنے غلاموں کے غلام بن کر اپنی شرافت کی توہین کرکے بہت بڑی سزا کے مستحق قرار پاتے ہو۔ یہ تو بڑے شرم کی بات ہے کہ جو چیزیں غلامانہ رنگ میں تمہارے کام میں لگائی گئی ہیں، ان کو اصل سمجھ کر حقیقی مالک سے مُنہ موڑ لو اور ان مجبور اشیاء کے عابد بن جاؤ اور ایسے بدترین

فعل کے مرتکب بنو جس سے معیوب اور کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ تمہیں عقل و شعور عنایت فرما کر مختار بنایا ہے۔ تمہیں تاکید کی گئی ہے کہ سوائے خدا کے کسی اور شے کے ساجد نہ بننا۔ دوسری چیزیں مجبور محض ہیں، وہ اسی لیے طوعاً ساجد ہیں۔ ملائکہ تک کو تمہارے کام میں لگا دیا گیا ہے۔ تمام کارکنان قدرت حکم الٰہی کام کر رہے ہیں۔ ان کو نیکی اور بدی کے جراثیم کہہ لو یا صحت اور مرض ان کا آپس میں جھگڑا یا مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ مرض اور طبیعت میں خصومت کا ہونا ضروری ہے۔ ہاں، فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ باریک بین ہی خوب جانتا ہے اور نتائج نکالتا ہے، جیسا کہ فرمایا: کہہ دے کہ

(۶۹) مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ٥ (۷۰) إِن يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ٥ میرے لائق ایسے علم (کا احاطہ) نہیں ہے (اور مجھے یہ مطلق حاصل ہی نہیں کہ جان سکوں) جب (کبھی) ملائکہ جھگڑتے رہے ہیں (یا جھگڑا کرتے تھے۔ ہاں! جو مجھے وحی ہوتی ہے، میں بے کم و کاست سُنا دیتا ہوں اور کوئی دعویٰ میرا ذاتی نہیں ہے، نہ میں غیب جانتا ہوں۔ بس یہی ہے میرا منذر ہونا۔ اب آگے پھر کہہ دیا) سوائے اس کے نہیں کہ جو میری طرف وحی ہوتی ہے: میں اُس کا کھلا ڈرانے والا ہوں (اس کی سند سُن لو۔ توحید اور گناہ کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ آخر حق کا غلبہ ضروری ہے اور باطل پاش پاش ہونے والی چیز ہے اور ہمیشہ شکست کھاتا رہا ہے اور آئندہ بھی اُسے ہی شکست ہوتی رہے گی۔ اب آگے ملائکہ، آدم اور ابلیس کا حالی مکالمہ پیش کر کے انسان کو جذبات پر قابو پانے کی نصیحت فرمائی اور من دون اللہ کے سامنے ساجد ہونے سے تاکید کے ساتھ منع کیا۔ انسان کے اندر فطری علم موجود ہے۔ اگر یہ سوائے خدا کے دوسروں کو سجدہ کرے، تو ظالم و نادان قرار پاتا ہے اور دوسری مخلوق کا تو یہ خود مسجود ہے۔ صاحب شعور کو من دون اللہ کا ساجد ہونا شایان نہیں ہے۔ اس کے بعد ابلیس کی حقیقت دکھلائی گئی ہے۔ اس کی گرمی اور تیزی ظاہر فرمائی اور انسان کو نصیحت فرمائی کہ وہ بدی کے اس محرک پر قابو پائے، مگر انسان اپنی غفلت سے اللہ کی تحریک سے مُنہ موڑ کر ابلیس کی تحریک کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ فرمایا ایسا نہ کیا کرو۔ یہ تحریک تمہیں مخلوق پرستی پر آمادہ کرتی ہے۔ تم خدا پرستی کے دستور العمل کو چھوڑ کر غلط راستے پر گام زن ہو جاتے ہو اور جہنم خرید لیتے ہو۔ انسان صاحب اختیار ہے اور ملائکہ اور ابلیس وغیرہ مجبور

اور بے اختیار ہیں۔ صاحب اختیار کو سوائے خدا کے کسی اور کے آگے سجدہ کرنا حرام ہے اور بے اختیار چیزیں تو صاحب اختیار انسانوں کی غلام اور خدمت گار ہیں۔ یہ تھی تعلیم اور اسی تعلیم کے رسولِ کریم منذر اور مبلغ تھے کہ خبردار! اللہ کاملِ مطلق کے سوا کسی کے ساجد نہ ہو! غیر اللہ سے اس بارے میں قطعی اجتناب کرو۔ اب بتایا کہ دیکھو تم ملائکہ کے مسجود ہو۔ وہ بے اختیار و مجبور مخلوق ہے۔ تم نیکی اور بدی پر پوری طرح قادر بنائے گئے ہو اور یہی وجہ ہے کہ خلافت کے منصب پر تمھیں جگہ دی گئی ہے۔ پس شیطان تمھارا اصل لباس (تقویٰ) نہ اُتار دے۔ شیطان کی اتباع ایک بہت بڑی بیماری ہے اور اس کا علاج آگ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ جب مرض دُور ہو جاتا ہے، تو مریض اس تکلیف سے نکالا جاتا ہے اور مناسب جگہ پر اُسے پہنچا دیا جاتا ہے۔ آدمؑ کو جب اختیارات دیے گئے، تو وہ مسجودِ ملائک قرار پایا اور جب تک اس کے پاس اختیارات نہ تھے، وہ مسجودِ ملائک نہ تھا۔ یہ برتری صاحب اختیار ہی کو حاصل ہے کہ تمام مجبور چیزیں اس کے آگے جھک جاتی ہیں۔ ہاں! شیطانی جذبات پر غلبہ حاصل کرنا، انسانی اختیار کا بہترین استعمال ہے۔ پس صاحب اختیار کو خدا سے نیکی کی توفیق مانگ کر شیطانی محرکات سے بچنا ضروری ہے، ورنہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے لباس کی سلامتی ناممکن ہے۔ بُرائی کا خاصہ ہے کہ وہ از خود نہیں دبتی، جب تک اس کو اپنے اختیار سے قابو پا کر دبایا نہ جائے۔ یہاں اس قصہ میں مشرکوں اور کافروں کو بھی شرمندہ کیا کہ جن ملائکہ کو تم خدا کی (نعوذ باللہ) بیٹیاں قرار دیتے ہو، تو وہ تو تمھارے ساجد ہیں، کیا اس مشرکانہ عقیدہ پر تم نادم ہونے کے بجائے فخر کرتے ہو؟ سنو اور غور کرو کہ جن کو تم پوجا کے لائق بنائے بیٹھے ہو، ان کی اصل حقیقت کیا ہے اور دیکھو، تم اپنی اصلی قدر و منزلت کو پہچانو! سنو!)

(۱) إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ ۝ جب

(اے انسان! اے صاحب اختیار ہستی) تیری ربوبیت کرنے والے (اور ارتقاء کی منازل طے کرانے والے) نے ملائکہ سے کہا کہ میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

(۲) فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُۥ سَٰجِدِينَ ۝

پس جب اس کو درست بنادوں اور اپنی رُوحوں میں سے ایک رُوح اس میں پھونکوں (نہ کہ صرف بُت کو) پس اس کے واسطے (تم اے فرشتو!) ساجد ہوکر گر پڑنا (عقل ملنے پر شیطان بنتا ہے پہلے وہ ایک کارکن یعنی ملک مجبور تھا۔ غصہ جوش وغیرہ وغیرہ بھی کارکنانِ قدرت ہیں۔ یہ نام اس کے اختیار ملنے کے بعد کے ہیں۔ شیطان انسان کے تعلق سے بنتا ہے۔ جس طرح آگ، ہوا، پانی وغیرہ اپنا اپنا کام کرتے ہیں، بدی بھی اپنا کام کرے گی، مگر اس پر صاحبِ اختیار کو قابو پانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ابلیس کفر سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اختیاری قوت سے روکا جائے، تو رُک جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے)

(۷۳) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ (۷۴) اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ پس سب کے سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے (بدی کی وجہ اور محرک ہونے کے باعث ازخود سجدہ نہ کیا، کیوں کہ شیطان مخلصین سے الگ ہے۔ اس کی حالت ہی بتا رہی ہے کہ وہ ناقدردانی سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسے فرمایا) اور وہ (ابلیس یا شیطان) کافروں میں سے ہے (شیطان کا نام جہاں آئے گا، وہاں وہ انسان کو دھوکے اور فریب سے گمراہی کرتا نظر آئے گا۔ جہاں ابلیسیت کام لے گا، وہاں تکبر، غرور اور سرکشی وغیرہ پر انسان کو اُبھار کر تباہ کرے گا۔ وہ بنایا ہی اس لیے گیا ہے، مگر انسان کو اختیار دے کر اس کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اس کے شیطانی محرکات سے جہاں تک ہو سکے بچو اور تقویٰ سے کام لو، ورنہ مریض ہوکر تن سمیت جہنم میں طرح طرح کے عذابوں سے درست کیے جاؤ گے پس جو بھی اُس کی طرف جھکے گا، وہ تباہ ہو جائے گا (سورۃ حج)۔ اس کے بعد باری تعالیٰ نے فرمایا:)

(۷۵) قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا تھا سجدہ کرنے سے، جسے میں نے دو ہاتھوں سے پیدا کیا (یعنی نیکی اور بدی دونوں پر آدم کو مختار بنایا اور تجھے تو ایک ہاتھ سے پیدا کیا، یعنی، یک رُخا، بے اختیار اور مجبور، جیسے ملائکہ وغیرہ کو، پھر کیا وجہ ہے رُکنے کی) کیا تو تکبر میں آگیا یا تو بڑوں سے ہے؟ (یعنی کیا

توانسان دو پہلو والا صاحب اختیار ہے یا تُو نے تکبّر کا مظاہرہ کیا۔ ابلیس یا شیطان کی حقیقت ہی یہ ہے کہ بنایا ہی اس کو سرکشی اور شرارت کے لیے ہے۔ یعنی۔ وہ ان بُرائیوں کا سبب ہے۔ اب ابلیس کی طرف سے یہ نقشہ کھینچا کر)

(۷۶) قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝

وہ بولا کہ میں اس (خاکی آدم) سے بہتر ہوں۔ میری پیدائش آگ سے اور اس (آدم) کی مٹی سے ہے (یہاں اس نے دو پہلو والے صاحب اختیار کی روحانیت کا لحاظ نہ کیا۔ بلکہ مادے کو سامنے رکھا۔ پس جب بدی و شرارت وغیرہ کے محرک کی یہ حالت بتائی گئی، تو پھر اس کا نتیجہ دکھلایا۔ ارشاد ہوتا ہے)

(۷۷) قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ (۷۸) وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ فرمایا: اس (خیریت) سے نکل (پس تحقیق تُو راندۂ درگاہ ہے (تو انسان کے سبب اور تعلق سے باعث بدی بن گیا ہے اور میری رحمت سے دُور ہو گیا ہے) اور تجھ پر میری (خدا کی) لعنت ہے۔ جزا کے دن تک (اب ابلیس کی طرف سے جواب ظاہر کیا)

(۷۹) قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ بولا: اے میری پرورش کرنے والے! مجھے مہلت دے ان (انسانوں) کے اٹھائے جانے کے دن تک (ہر حالت میں میرا ان کا چولی دامن کا ساتھ رہے۔ یہ کسی حالت میں بھی ہوں۔ میرا کام برابر جاری رہے)۔

(۸۰) قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝
فرمایا: (اللہ تعالےٰ نے) تجھے مہلت ہے۔ مگر وقت معلوم تک (یعنی جب تک انسان اختیار اور ہوش و حواس کے ساتھ افعال کر سکتا ہے۔ نہ کہ بے ہوشی۔ نیند اور مجبوری وغیرہ

کے وقتوں میں ان اوقات کا وہ جواب دہ نہیں ہے پس تیرے غلبے سے جب اختیار کی حالت میں مغلوب ہو کر تیرا شکار ہوگا، میں اُسے سزا دوں گا اور خوب سزا دوں گا۔ اب پھر ابلیس کی طرف سے اس کی نیت اور ارادہ ظاہر فرمایا:

(۸۲) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۸۳) إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ بولا، پس تیرے غلبے (اور عزت) کی قسم، میں ان (انسانوں) کو گمراہ کروں گا، مگر ان میں سے تیرے مخلصین بندوں پر (میرا زور نہیں چلے گا۔ وہ ہر وقت تیری پناہ مانگتے رہیں گے اور ہر کام میں اُن کے پیش نظر اے پروردگار! تو رہے گا۔ وہ تفرقوں پر فوراً تجھ سے معافیاں مانگیں گے۔ غرض جو میری آواز پر لبیک کہے گا اور میری تحریک پر متحرک ہوگا، میں اُسے تباہ و برباد کر دوں گا۔ اللہ اللہ! ابلیس کے قول کی خدا جیسی ہستی تصدیق کرتی ہے۔ وہاں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ راوی ثقہ ہے یا غیر ثقہ بلکہ نفس روایت یا مضمون کو دیکھا جاتا ہے۔ غلط بات خواہ کسی بڑی سے بڑی ہستی کی طرف منسوب کی گئی ہو، غلط ہے۔ حق بات خواہ ابلیس کے منہ سے نکلے، حق ہے، مگر یہاں تو لوگوں نے حق و باطل کو پرکھنے کا معیار ہی انوکھا بنا رکھا ہے۔ دیکھو کلمۂ ابلیس اور مصدقۂ الٰہی)

(۸۴) قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝ فرمایا: (تیری یہ بات) سچ ہے، جو تُو نے کہی ہے۔ بے شک مقابلہ ہوتا رہے گا۔ بغیر جدوجہد کے جہنم سے خلاصی کس طرح ہو سکتی ہے اور بغیر کوشش اور امتحان و ابتلا کے جنت کیسے مل سکتی ہے؟ جیسا کہ باری تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے)، اور ارشاد ہوا کہ میں بھی سچ کہتا ہوں، یعنی یہ کہ تجھ جیسے کھلے مرض سے پیار کر کے مریض بننے والا شخص تیرے سمیت بڑی تکالیف اٹھائے گا۔ شفاخانے میں مریض اپنے مرض سمیت داخل ہوتا ہے۔ ہاں مرض کو کوئی درد نہیں محسوس ہوتا، جو کچھ ہوتا ہے، مریض کی جان پر ہوتا ہے۔ پس ایسے مرض سے الگ رہنا، خدا تعالیٰ کو اپنا محافظ جاننا، صلاحیت والے کام کرنا، یہ ہے شیطان کی دشمنی اور جہنم کی تکالیف سے بچنے کا راستہ! غرض جناب باری فرماتے ہیں کہ ہم نے بھی ٹھیک کہا)

(۸۵) لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

جہنم کو بھر دوں گا، تجھ سے اور تیرے تمام اتباع سے (کیوں کہ ہر شخص بیماری کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا یا جا رہا ہے اور اے بیماری کے سبب، یعنی ابلیس تو ہر ہر مریض سے لپٹا ہو گا۔ پس تم سب جہنم میں برا جتے ہو اور مریضوں کو سخت عذاب دیا جاتا ہے۔ اللہ اللہ کس قدر تکلیف دہ منظر ہے اور اس سے بچانے کے کیسے کیسے سامان رحمان نے تیار کر دیے ہیں، تو پھر اگر حضرت انسان اپنے اختیارات کا بے محل استعمال کر کے جہنم کا ایندھن خود تیار کرتا ہے تو اس میں کسی اور کا کیا قصور ہے؟ ناقدردان لوگ غور نہیں کرتے کہ بغیر اس کے کہ ان پر کچھ بوجھ ڈالا جاتا، انبیاء کا تانتا باندھ دیا، جو نہ اپنی جاں فشانیوں کا صلہ ان سے چاہتے ہیں اور نہ اپنی محنت کی اجرت کے خواہاں۔ پھر بھی ان کے لائے ہوئے پیغاموں اور رحمان ورحیم کے انعاموں کو بے طرح ٹھکرا کر ابلیس کی روش کے دل دادہ اور شیدائی بنے ہوئے ہیں اور جہنم سے ایسے بے خوف ہوئے کہ جس کا نام اور نقشہ سن کر متقین کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔۔۔ اہلِ اخلاص ہر حالت میں اپنے خدا سے تعلق رکھنے کی اپنی بساط کے مطابق کوشش کرتے ہیں، مگر شریر لوگ خوابِ غفلت اور غرور وسرکشی میں اس قدر غرق اور عاقبت سے اس حد تک بے پرواہ ہو جاتے ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ کیسے کیسے واضح دلائل سے سمجھایا جاتا ہے اور عذاب ومصائب سے خوف دلا کر جہنم سے بچنے کی ہدایت کی جاتی ہے اور ان ہدایات کے لانے والوں کا بے غرض ہونا دکھلایا جاتا ہے، مگر ضد وعناد سے لبریز طبیعتیں اور اپنی بہتری کے دشمن اشرار کب سنتے ہیں اور ایسے صاف باطن انسانوں کے کہنے پر کب کان رکھتے ہیں؟ آخر کار نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے منکرین توحید کو دوزخ کی آگ میں ڈال کر درست کیا جاتا ہے۔ اے انسانو! یہ خدا کی مہربانی کا تقاضا ہے کہ تمھیں جنت تک پہنچنے کی سیدھی راہ بتائی اور جہنم سے بچنے کا طریق ذہن نشین کرانے کی بذریعہ انبیاء سبیل پیدا کی۔ پھر وہ رسول اس بچانے کے نام پر تم سے بدلہ نہیں چاہتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ رسول کریمؐ کو فرماتا ہے کہ اے نبی کریم!

(۸۶) قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ○

توان لوگوں کو) کہہ دے کہ میں اس (کام) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا (یہ تو میرا فرض منصبی

ہے) اور نہ میں دکھلاوا (یا تکلف) کرنے والوں سے ہوں (کہ ظاہر میں کچھ بنوں اور باطن میں کچھ۔
ہرگز نہیں۔ میں پیغام الٰہی کو تینوں کے سامنے ہی پہنچاؤں گا۔ یہ تو مجھے حکم دیا گیا ہے اور جس
کو یہ پیغام ملے، دوسروں تک پہنچائے۔ یہ دستورالعمل سارے کرۂ ارض کے لیے قیامت کبریٰ
تک رہے گا۔ یہ کتاب عرب و عجم تک ہی محدود نہیں، جیسا کہ ارشاد ہے)

(۸۷) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ نہیں ہے یہ (قرآن مجید نہ کہ دوسری
کتب) مگر ایک نصیحت سارے جہانوں کے واسطے (شیطان کب بگاڑ ڈالتا ہے اور دنیا و آخرت
میں اس کا نتیجہ کیسے نکلتا ہے؟ سنو! لمبے زمانے کی ضرورت نہیں ہے)

(۸۸) وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ○ اور البتہ جان لوگے اس کی خبر تھوڑی
دیر کے بعد (بہت بڑا انتظار نہیں کرنا پڑتا)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ

الزمر

مضمون اور نظم و ربط

یہ سورۂ الزمر ہے۔ اس سے پہلے سورۂ صٓ میں نبی ولی اوتار وغیرہ کی پوجا سے بند کیا اور شیطان سے الگ رہنے کی نصیحت کی۔ توحید پر کاربند رہنے کی بڑی تاکید کی اور خدا کی طرف سے اس عالی شان سبق کے لانے والوں کا حال بتایا کہ وہ انسانوں سے تعلیم ہدایت پر اُجرت نہیں مانگا کرتے۔ ان کا بدلہ خدا بہتر سے بہتر اُن کو دیتا ہے۔ وہ خیر خواہئ خلق میں تکلیف تو اٹھاتے ہیں، مگر معاوضہ بھی پروردگار ان کو بہت بڑا دیتا ہے۔ انسان کو خدا نے صاحب اختیار بنایا ہے۔ عام دوسری مجبور چیزیں اس کے ماتحت ہیں۔ اُسے اپنے اختیار کو بہتر طریق پر استعمال کرنے کی تاکید کی۔ اپنے غلاموں کو پجاری بننے سے منع فرمایا صرف ایک کامل مطلق کا بندہ خدمت گار اور مطیع رہنے کی ہدایت اور تلقین فرمائی۔ غرض توحید کا عالی شان سبق دیا۔ سارا قرآن مجید توحید کی تعلیم سے مملو ہے۔ اس سورۂ الزمر میں بھی توحید ہی کی وضاحت فرمائی ہے اور مختلف طریقوں سے توحید کے سبق کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ہے کوئی نصیحت لینے والا؟ ارشاد ہوتا ہے)

رکوع اوّل (۱) تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ۝ اُتارنا اس کتاب (یعنی قرآن مجید) کا ہے اللہ (کامل مطلق) اصل عزت (و غلبہ اور) اصل حکمت والے کی طرف سے (نہ وہ بھولتا ہے نہ اُسے کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔ پھر ایسی کتاب پر آدمیوں کو حاکم و قاضی بناتے ہوئے لوگوں کو شرم محسوس ہونی چاہیے۔ جن لوگوں یا چیزوں کی تم پرستش کرتے ہو، وہ تو خود محتاج ہیں۔ اُن کو بھی خدا ہی ہدایت کی راہ دکھاتا ہے اور اُسی کی راہبری سے راہ پانے کے لائق ہوتے ہیں۔ بھولنے والوں اور محتاجوں کو معبودیت کا مستحق سمجھ کر تمہارے سر حیا و ندامت سے کیوں نہیں جھکتے؟ افسوس ایسے

بھی عقائد پر بھی فخر و غرور کرتے ہو۔ حالاں کہ تمھارے معبودوں کی اصل حقیقت تو کچھ بھی نہیں)

(۲) اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ؕ

بالتحقیق ہم (خدا ہی) نے اتاری (اے نبی کریمؐ!) تیری طرف یہ کتاب (صرف قرآن مجید نہ کہ "بخاری" "مسلم" وغیرہ) حقائق سے پُر کر کے (تمام علوم متعارفہ اور بنیادی اس میں آگئے ہیں پس اصل چیز کیا ہے، تو عبادت کر تو (اے رسولؐ!) اللہ تعالیٰ کی بغیر کسی اور چیز کے شامل کرنے کے خالص کر کے (یہ صرف تیرے ہی لیے نہیں ہے، بلکہ سب کے سب نیک اور اصل توحید پرست ہو۔ خبردار "ذواصل مطاع، "ذواحکم الحاکمین، "ذومنتہائے سوال، "ذوحکم معلق" وغیرہ وغیرہ کا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے اور یہ اعتقاد کھلا شرک ہے۔ پس ایسے شرکیہ عقائد سے قطعاً اجتناب حاصل کرو۔ خاصئہ خداوندی میں کسی کو باغیر اور باالاذن حصہ دار بھی ٹھیرانا بھی ظلم عظیم ہے۔ وہ (خدا) چاہتا ہے، لیعنی منشائے ایزدی یہ ہے کہ اُس کے کسی کام میں بھی کسی کو شریک نہ گردانا جائے جب تمام اشیاء کا خالق و مالک و رازق وغیرہ ذات باری اکیلا ہی ہے، تو پھر خواہ مخواہ اینچ پیچ ڈال کر شرک کو جائز کرنے کی بدترین اور بے سُود کوشش کرنا بے حیائی اور ڈھٹائی نہیں تو اور کیا ہے؟ مشرکین کی طرف سے کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ من دُون اللہ تمہاری سفارش اور شفاعت کریں گے۔ کبھی اُن کو خدا کی طرف سے مختار بتایا جاتا ہے، وقس علیٰ ہذا۔ یاد رکھو! صرف کسی غیر اللہ کی نماز وغیرہ پڑھنا ہی شرک نہیں، بلکہ اُسے پکارنا اور ذرہ برابر صاحب اختیار جاننا بھی شرک ہے۔ اپنے آپ کو خدا کے سوا کسی کے سامنے عاجز اور اُسے غالب جاننا بھی ظلم ہے۔ ہم سب خدا کے فقیر ہیں۔ در اصل غنی صرف وُہی ہے۔ فقیر کا فقیر کے آگے کوئی ایسا سوال کرنا، جو صرف خداتعالےٰ ہی کے شایانِ شان ہو، شرک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ)

(۳) اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ فِیۡ مَا ہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ۬ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ۝

آگاہ رہو کہ اللہ کے واسطے ہی ہے خالص عبادت (خواہ کسی طرح کی بھی ہو کسی غیر کو یہ شایاں ہی نہیں ہے۔ عابدین میں سے کسی کو بھی مستثنیٰ نہ کیا، بلکہ رسول کریمؐ کو پہلے مخاطب فرمایا، مگر مشرکین بھی عجیب ہٹ دھرم واقع ہوئے ہیں کہ لاکھ معقول دلائل دو، ان کے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ارشادِ الٰہی ہے:) اور وہ لوگ جو اوروں کو دوست پکڑتے ہیں، اُس (کامل مطلق) کے سوا (وہ اِس شرک کے کھڑا کرنے کا کیا ہی بودا ثبوت دیتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ) نہیں پوجا کرتے ہم ان (ارباب من دون اللہ) کی، مگر اس لیے کہ یہ ہمیں درجے میں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں (یہ سارا شرک صرف قرب الٰہی کے لیے کیا جاتا ہے اور ان کے نام کا ورد کرنے یا نذر نیاز دینے سے وہ مراتب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اُنھوں نے تنہا خدا کو کافی نہیں سمجھا۔ اگر کوئی شخص تعلیم دے کر خدا کا راستہ دکھلانے کی کوشش کرے، تو یہ بات تو البتہ معقول بھی سمجھی جا سکتی ہے، مگر خدا کو چھوڑ کر کفار و مشرکین کی اندھی تقلید کو قربِ الٰہی کا سبب جاننا تو قطعاً شرکِ عظیم ہے۔ صرف اُن کے نام کی تسبیحیں رٹنے ہی میں نجات جان لینا مشرکین کا شیوہ ہے۔ نیک لوگوں سے اچھی عادتیں اور فائدہ مند کام سیکھنا چاہئیں نہ کہ اندھی تقلید کر کے اپنی عاقبت تباہ کر لو۔ تمھیں انسان بنایا گیا ہے۔ عقل و ہوش عطا کی گئی ہے۔ تم مخلوق کا نچوڑ ہو اور ارتقاء پا کر اس درجہ پر پہنچے ہو۔ پھر اپنے ہی جیسے انسانوں کے غلام بن کر اس شرف کی جو تمھیں عطا کیا گیا ہے، مٹی پلید نہ کرو، ورنہ چارپایوں سے بدتر قرار دیے جاؤ گے اور تم پر عقل سے کام نہ لینے کے سبب گندگی ڈالی جائے گی۔ نیک کام کرنے والوں کی مدد کرو اور ان کے ساتھ مل کر نیکیاں کرو، نہ کہ آنکھیں بند کر کے ہر اُلٹی سیدھی بات کو مان لو۔ یہ شرک ہے اور شرک کی وجہ یہ ہے کہ) تحقیق اللہ ان (مشرکین) کے درمیان (اسی قرآن میں) فیصلہ کر رہا ہے۔ اس چیز میں جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں (یعنی اکیلے غالب کے قرب کے لیے من دون اللہ کی اندھی تقلید اور ان کی عبادت کو ذریعہ بنا رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ یہ حق کو پانے کی خاطر ناجائز محض اور مطلق بے جا کام کر رہے ہیں۔ حق کو پانا ہے تو وہ تو ہر ایک کی فطرت میں موجود ہے۔ فطرت کی راہ بری سے حق مل جاتا ہے۔ توحید مبہم چیز نہیں ہے، جو پیچ در پیچ ہو۔ ہرگز نہیں۔ یہ کھلی اور واضح چیز ہے۔ ہر نفس کو نیکی اور بدی کا طبعی طور پر الہام ہو چکا ہے۔ انسان بہت سے علوم دوسروں سے حاصل کر سکتا ہے، مگر تحقیق کر کے، نہ کہ آنکھیں بند کر کے۔ مسلمانوں نے علمِ ریاضی ہندوؤں سے سیکھا۔

یہ کوئی عیب کی بات نہیں اور بھی علوم ایک دوسرے سے حاصل کرنا گناہ نہیں۔ بدیہات کو سیکھ کر صحیح ماننا جرم نہیں ہے، مگر خدا کو پانے کے لیے کسی اور کو راضی کرنے کی ناجائز کوشش کرنا شرک عظیم ہے پس مشرکین کی عادت جھوٹ کی ہے اور اس کا سبب ان کے دل کا بگاڑ ہے۔ جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ بندوں کے بندہ بننے کی خواہشات پیدا ہوتی ہیں، تو پھر نتیجہ اس کا کیا ہوتا ہے؟ ارشاد ہے، تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں راہ نمائی کرتا (صراط مستقیم کی طرف) اس کی جو جھوٹ بولتا ہے، ناقدرا (ایک تو ناقدردان شرک کرتا ہے اور پھر اس شرک کو جائز بنانے کے لیے کئی ایک اور غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے اور توحید جیسی واضح چیز کو شرک جیسے روا فعل سے چھپانا چاہتا ہے، تو ایسے شریک کاذب کو اللہ کی طرف سے ہدایت کب مل سکتی ہے؟ راہ وہ لوگ پاتے ہیں، جو اکیلے خدا کی مرضی کو مقدم جانتے ہیں۔ اس مالک حقیقی کا کوئی شریک نہیں بناتے، کیوں کہ اس حکیم مطلق نے تمام اشیا کو پیدا کیا اور پھر ان میں ترتیب و تعلق قائم کیا اور ہر شے کو بتدریج ارتقا دیتا چلا جاتا ہے۔ ان کاموں میں اگر ایک کے بجائے دو خدا شریک ہوں، تو نتیجہ تباہی نکلے گا، کیوں کہ اس صورت میں تصادم ناگزیر ہے۔ افسوس لوگوں نے دو الٰہ بنا کر اصل چیز ہی کو بگاڑ دیا ہے۔ لوگوں نے خدا کی اولاد ٹھیرائی ہوئی ہے۔ اس کی ذات سے تو اولاد محال مطلق ہے۔ اگر اس نے اولاد بنانی ہی ہوتی، تو اپنی مخلوق ہی میں سے انتخاب کر لیتا: مگر اس کی ضرورت ہی ایسے بے احتیاج خدا کو کیا ہے؟ وہ لم یلد و لم یولد ہے۔ اللہ احد ہے۔ فرمایا کہ)

(۴) لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اگر اللہ (کامل مطلق) ارادہ کرتا کہ کسی کو متبنیٰ قرار دے، تو ضرور ہے کہ (اپنی) مخلوقات ہی سے جس کو چاہتا چن لیتا (اس کی ذات بابرکات سے تو توالد و تناسل ہو ہی نہیں سکتا۔ تو خواہ مخواہ مخلوق میں سے اخذ کرتا اور اس کی ذات کے لیے یہ اخذ کرنا بھی سخت عیب ہے، اس لیے) وہ (خدائے کامل اس سے بھی) پاک ہے (اللہ اس کام سے بیزار ہے۔ تو تم نے اے لوگو! پھر کس کو اس بے عیب خدا کا بے تکلف دوست، بیٹا اور معشوق وغیرہ وغیرہ بنا رکھا ہے۔ وہ خدا تو بڑا ہی غالب اور طاقت والا ہے ضرورت و احتیاج اور کسی کی مدد وغیرہ سے

وہ بے نیاز ہے۔ وہ اللہ اکیلا ہی غالب ہے۔ اپنی مرضی، اپنے ارادے اور اپنے اختیار میں بالکل آزاد، اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ اس کے سب کام حکیمانہ ہیں اور وہ عبث اور بے فائدہ کاموں سے پاک ہے۔ اس نے ہر شئے کو مناسب ترتیب سے بنایا۔ وہ اپنے عظیم الشان کاموں کو اکیلا ہی سرانجام دے سکتا ہے۔ لوگو! قدرتی اشیاء سے جائز فائدے حاصل کرو اور فاطر حقیقی کے شکر گذار بندے بنو! دیکھو اس دانائے حقیقی نے آسمانوں اور زمین کی کیسی صحیح بنیاد رکھی اور ان کا آپس میں نر و مادہ کی طرح تعلق قائم کیا، کچھ زمین آسمان سے حاصل کرتی ہے۔ کچھ آسمان زمین سے لیتا ہے اور ایسے عظیم الشان نتائج نکلتے ہیں کہ جن کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ باریک بین فاطر ہر چیز کو بتدریج ترقی دیتا چلا جا رہا ہے، یہاں تک کہ آہستہ آہستہ انسانی درجہ آجاتا ہے پس انسان کو چاہیے کہ ایسے مالک و خالق حقیقی کی تعریف صدق دل سے کرے، جس نے اس کے لیے ارض و سماء پیدا کر کے اس کے کام میں دوسری سب اشیاء کو لگا دیا اور یہ تمام مجبور چیزیں اس کی خدمت کو حاضر ہیں، مگر افسوس کہ یہ اختیار والی مخلوق دوسری مخلوق کی پرستش میں وقت ضائع کر کے اپنے لیے طرح طرح کی تکالیف کے سامان خود بہم پہنچا رہی ہے۔ اسے چاہیے کہ چشم بصیرت سے اس کارخانۂ بے غلطی کو دیکھے جس میں سہو و نسیان کو ذرہ بھر دخل نہیں ہے اور اُس ایک ہی بنانے والے کا عابد بن جائے جس کا ارشاد ہے کہ)

(۵) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ اُسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور وُہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کام میں لگا رکھے ہیں، حکم میں بندھے ہوئے) اجلِ مسمّی پر چل رہے ہیں (اور اپنے اپنے محور کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ کبھی اندھیرا روشنی میں، کبھی روشنی اندھیرے میں تبدیل ہو رہی ہے۔ وُہی خالق حقیقی ہر چیز پر اصل حاکم ہے۔ اسی نے سب کو کام میں لگایا ہوا ہے۔ کوئی شئے اس کی بے خبری

سے وجود میں نہیں آئی۔ تمام موجودات کا پیدا کرنے والا وہ اکیلا خدا ہی ہے۔ سورج کے داغ سال میں بارہ بارہ دن میں بدلتے ہیں۔ نیپچون ستارہ برسوں میں ایک درجہ طے کرتا ہے۔ بعض ستارے جو پہلے گنجان تھے، اب کشادہ ہو رہے ہیں۔ غرض کہ تم بھی اپنی جگہ پر نہیں رہے۔ ہر مخلوق کو تغیر ہے، کیوں کہ محکوم کو جو حکم ہوگا، اس کا بجا لانا ضروری ہے۔ ہاں مختار ہستیوں میں سرکشی بھی آجاتی ہے، مگر وہ خدا زبردست ہوتے ہوئے بھی فوراً گرفت نہیں کرتا، بلکہ اکثر معافیاں دیتا رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے) خبردار وہی (خدا اکیلا ہی) زبردست (غالب، گرفت کرنے والا اور) بڑا بخشنے والا ہے (اب آگے خالقیت کا اظہار فرمایا کہ وہ کس طرح بتدریج ارتقا دیتا ہوا عین انسانی درجہ تک لایا ہے (مٹی سے نباتات، پھر حیوانات، پھر انسان تک نوبت پہنچائی۔ فرمایا)

(۶) خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○ تم کو (اے انسانو!) ایک جان سے پیدا کیا، اس سے (یعنی اس مٹی سے جس سے آدم کو ترقی دیتے ہوئے انسانی درجہ تک لائے یا آدم ہی سے حکمت بالغہ کے ساتھ) اس کی بیوی کو بنایا (اس وقت آدم وحوا کی ساہری اور باقی تمام انسانوں کی جرمز کی حالت بیان فرمائی، کیوں کہ اس وقت ہم آدم وحوا کے جوڑے میں جرمز کی صورت میں تھے حیوانات کے آٹھ جوڑوں کو بھی جرمز کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ان کا ذکر تغلیباً کیا گیا ہے۔ غرض ہم ضرور آدم وحوا کے ظاہری جوڑے میں جرمز کی شکل میں موجود تھے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا کہ تمہیں بنایا اور ملائکہ کو سجدے کا حکم دیا، پس ہم اس وقت بھی کسی اور حالت میں اس جوڑے میں موجود تھے اور ہمارے فوائد کے لیے اونٹ نر و مادہ، گائے نر و مادہ، بکری نر و مادہ اور بھیڑ نر و مادہ اتارے۔ دیکھو ان کے ذریعے ہمیں کتنا آرام ملتا ہے! سفر میں باربرداری کے فوائد کے علاوہ دودھ،

دہی، مکھن، ریشم، گوشت، ہڈی اور چمڑے وغیرہ سے بے شمار فائدے ہم حاصل کرتے ہیں، ارشاد ہے) اور اتارے تمھارے واسطے (اے انسانو!) چارپائیوں (انعام) سے آٹھ جوڑے (خدا تعالیٰ یکے بعد دیگرے مخلوقات پیدا کرتا رہتا ہے اور ان میں مناسب تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ نطفہ، علقہ، مضغہ، عظام اور لحم وغیرہ میں ان ہی تبدیلیوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ ارشاد ہے) پیدا کرتا آتا ہے تم کو (اے انسانو!) تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک پیدائش میں، ایک پیدائش کے بعد تین اندھیروں (یعنی پردوں جھلی، رحم، شکم کے اندھیروں) میں (کمال تک پہنچے ہوئے حیوان بھی جوڑے سے بنے ہیں۔ ہاں جرمز کی حالت کچھ اور ہے۔ کمال یافتہ حیوان تو جوڑے سے بنے، مگر لوگ ان حیوانات سے بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ جو ترقی یافتہ انسان کی پیدائش کو بغیر جوڑے کے تسلیم کر لیتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ تولید نر سے ہوتی ہے، کیونکہ نطفہ شروع ہوتا ہے منی یعنی آب مرد سے۔ مرد رکن ہے اور عورت شرط۔ شرط کے بغیر تو اولاد نہ ہو سکے اور رکن کے بغیر ہو جائے، کس قدر بعید از عقل خیال ہے! خدا جیسی ہستی تو بغیر صاحبہ کے اولاد کو محال ٹھیرائے اور وہم پرست لوگ بغیر رکن کے ممکن تسلیم کریں؟ جب پہلا جوڑا تیار کر کے خدا نے نطفے سے سلسلہ جاری کر دیا؛ تو اب اس کے بعد اور کس طرح بنائے گا؟ پس نطفہ کی پیدائش کے بعد تبارک اللہ احسن الخالقین لایا گیا ہے، اس سے بڑھ کر اور کون سی پیدائش ہوگی اور اس پر احسن الخالقین سے اعلیٰ کون سے الفاظ لائے جائیں گے؟ دیکھو اور غور کرو کہ وہ کامل مطلق کیسی حکیمانہ نتائج سے بھرپور اور مکمل ربوبیت کرتا ہوا انسان کو اعلیٰ درجات میں پہنچا رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا) یہی تمھارا اللہ تمھاری ربوبیت کرنے والا، اختیار و تصرف اسی کا ہے۔ کوئی معبود (لائق عبادت، مشکل کشا اور دستگیر وغیرہ) سوائے اس کے نہیں ہے (وہی مقدم رضا والا ہے، جس کی مرضی بلا روک ٹوک پوری ہوتی چلی جائے۔ دوسرا کوئی بھی ایسا نہیں ہے، جب بات یہ ہے، تو تمھیں کیا ہو گیا ہے) پھر کدھر پھیرے جاتے ہو (یاد رکھو! اس کی مرضی کے ماتحت چلنے سے پھلو پھولو گے اور ہمیشہ کی نعمتوں کے مستحق بنائے جاؤ گے، ورنہ مقابلہ اور مخالفت میں سخت ذلت اٹھا کر طرح طرح کی مصیبتوں اور سخت سے سخت تکلیفوں اور عذابوں میں ڈالے جاؤ گے۔ نیک کام بھی تمھارے لیے ہی فائدہ بخش ہیں اور برائیاں بھی تم ہی کو دکھوں کا شکار بنائیں گی۔ اس میں خدا کا کچھ فائدہ

یا نقصان نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ :)

(۷) اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ اگر (تم) کفر (یعنی ناقدردانی اور ناشکرگذاری) اختیار کرو گے (تو اللہ تعالیٰ کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں، تمھیں ہی دکھ اور درد پہنچے گا) پس اللہ تم سے بے نیاز (اور اپنی ذات میں غنی) ہے (اس نے انسان کو صاحب اختیار ہستی بنا کر نیک و بد دکھلا دیا ہے اور نتیجہ سے آگاہ کرکے دکھ سکھ اور راحت و عذاب کا نقشہ واضح طور سے کھینچ دیا ہے اور انسان کے کاموں پر ان کی نوعیت کے لحاظ سے اپنی خوشنودی و ناراضی کا اظہار فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :) اور (وہ خدا) اپنے بندوں کی ناقدردانی پر راضی نہیں ہوتا ہے (کہ انھوں نے اپنے اختیار کا بہت برا استعمال کیا) اور اگر تم شکر (یعنی قدردانی) کرو گے، تو تمھارے لیے وہ راضی ہے (کیوں کہ اس میں تمھارا ہی فائدہ ہے۔ وہ راضی اس لیے ہے کہ تم فرماں بردار بن کر اس کی مرضی پر چل کر راحت و آرام کے مستحق بن گئے۔ پس صلاحیت والے کام کرکے اعلیٰ مراتب حاصل کرو۔ کفارہ و شفاعت پر امید رکھ کر گناہوں پر دلیر نہ ہو جاؤ۔ یاد رکھو، جیسا کرو گے، ویسا ہی اس کا اجر بھی پاؤ گے۔ بڑے سے بڑا بزرگ اور قریبی سے قریبی رشتہ دار اور محبت کا دم بھرنے والا دوست وغیرہ بھی دوسرے عالم میں کام نہیں آتا۔ مجرم ہونے کی حالت میں اور تمام ارض بھی خلاصی پانے کے لیے بدلہ میں دے دو، تو بھی چھٹکارا ناممکن ہے۔ اس مالکِ حقیقی سے کوئی فعل پوشیدہ نہیں ہے، وہ ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق سزا دیتا ہے اور نیکوکاروں کو کاموں سے بڑھ کر انعام دیتا ہے، اس کے لیے ہمارا پوشیدہ سے پوشیدہ راز بھی راز نہیں۔ وہ غیب و شہادۃ کا یکساں جاننے والا ہے۔ اس روز کچھ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوتے ہیں اور کچھ لوگ سرخ رو ہوتے ہیں، کسی کے داہنے، کسی کے

بائیں ہاتھ میں اپنا اپنا اعمال نامہ ہوتا ہے۔ جو اس پر سارے کا سارا واضح ہو جاتا ہے اور وہی اُس کی خلاصی یا گرفت کے لیے کافی ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ کسی غیر اللہ پر بھروسہ رکھ کر خسارہ کھانے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ سوائے رحمتِ الٰہی کے کوئی بھی کسی کے کام نہیں آسکتا ہے۔ ہر ایک اپنے ہی نفس سے جھگڑا کرتا آتا ہے۔ دوسرے کی مدد تو کیا کرے گا، جیسے کہ علی الاعلان اور ڈنکے کی چوٹ فرمادیا کہ خبردار ہو جاؤ، (سن رکھو) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا ہے۔ پھر تم اپنے ربوبیت کرنے والے کی طرف موڑے جاتے ہو (وہاں عذاب وغیرہ بھی علاج ہی کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ یہ بھی ربوبیت میں داخل ہے، اگر مریضوں کو علاج سے درست نہ کیا جائے، تو بیماری کی حالت میں ہسپتال سے کس طرح نکالا جائے؟ جہنم اگرچہ تکلیف دہ ہے۔ مگر انجام کے لحاظ سے رحمت ہی ہے۔ خدا کی رحمت نے ہر چیز کو احاطہ کر رکھا ہے۔ غرض جب خدا کے حضور پیش ہونے کا وقت آتا ہے، پھر وہ (خدا) تم کو، جو کچھ تم کرتے رہے ہو، سب بتا دیتا ہے (کیوں کہ اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے؛ جیسا کہ فرمایا) تحقیق وہ (خدا) جانتا ہے۔ جو (تمھارے) سینوں کے اندر (صدر مقام میں) ہے۔ (یاد رکھو! نافرمانی اس کی ناراضی کی موجب ہے۔ پس اُس کی نعمتوں پر ہر وقت شاکر اور مصائب پر صابر بنے رہو۔ خدا تمھارے کفر پر خوش نہیں ہے اور جہنم تو تم اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے خود خریدتے ہو یہ اس کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ توحید کو بار بار اور طرح طرح سے واضح طور پر بیان کر کے اتنا آسان کر دیا کہ معمولی سمجھ والا انسان بھی تھوڑا سا غور کرنے سے جان لیتا ہے کہ وہ سیدھا راستہ کون سا ہے؟ پس اصل مالک اور حقیقی مجیب الدعوات کو کسی حالت میں بھی فراموش نہ کرنا چاہیے۔ وہ خدا سننے اور جاننے والا ہے، وہ ہماری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے اور ہماری دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ جب ہم اُسے تکلیف و مصیبت میں پکارتے ہیں، تو آرام اور خوش حالی کے زمانے میں، اس کو فراموش کر دینا کیوں کر جائز ہے؟ کیا اس سے تعلق توڑ کر کسی اور کے ساتھ وابستہ ہونے سے انجام بخیر ہو سکتا ہے؟ آئندہ الفاظ میں انسان کی اسی ناشکر گزاری اور خدا تعالیٰ کی رحمت و رافت کا ذکر کیا گیا ہے!)

(۸) وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ

نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوٓا إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝

اور جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے، تو اپنی ربوبیت کرنے والے کو پکارتا ہے، اس کی طرف رجوع کرتا ہوا اور جب (رب العلمین) اپنی طرف سے اس پر انعام کرتا ہے تو انسان کی احسان فراموشی پر غور کیجیے کہ وہ اپنی آسائش سے پہلے کی حالت یک سر بھول جاتا ہے اور ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے پروردگار عالم کے حضور کبھی التجا کی ہی نہ تھی اور جو یہ مراد پوری ہوئی ہے، تو اس کا پورا کرنے والا سوائے خدا کے کوئی اور ہے۔ حقیقی مشکل کشا سے منہ پھیر کر اپنے جیسے عاجزوں کو معبود بنا لیتا ہے اور اکیلے اور کافی خدا کو قطعاً بھول جاتا ہے (جیسے اس نے (آرام سے) پہلے کبھی (خدا کو) پکارا ہی نہ تھا) اور (اس پر طرہ یہ کہ) اللہ (کامل مطلق) کے واسطے شریک بناتا ہے (اور دوسروں کو بھی اس مشرکانہ بات کی تبلیغ کرتا ہے، تاکہ (دوسروں کو بھی) اس (خدا) کے راستہ سے گمراہ کرے (وہ اپنی اس مصیبت کے وقت کو کتنی جلدی بھول گیا اس مصیبت کو جس میں اس نے بڑے خلوص سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاجت روا جانا تھا۔ افسوس! اب اگر پھر تکلیف آئی تو کس برتے پر اپنا منہ اللہ کے سامنے کرے گا؟ اے رسول!) کہہ دو کہ (اے ناشکر گذار مشرک!) تو اپنے کفر سے تھوڑا (سا دنیوی) فائدہ اٹھالے (مگر انجام کے لحاظ سے اگر تائب ہو کر، صلاحیت والے کام کر کے نہ مرا، تو) بے شک تو جہنمیوں سے ہے (کیوں کہ شرک کا نتیجہ جہنم ہی ہے۔ لوگو! قلیل فائدہ کے لیے دائمی آرام و آسائش کو نظر انداز کر کے، آگ والے نہ ہو۔ بلکہ دنیا کی تھوڑی تکلیف اٹھا کر ابدی خوشیاں حاصل کرو۔ اب اس مشرک کے خلاف موحد۔ اللہ سے ڈرنے والے، اس کی بارگاہ میں پہنچنے کی امید رکھنے والے عابد اور نیکوکار انسان کی مثال پیش کر کے بتایا ہے کہ ہمارے یہاں اندھیر نہیں، بلکہ انصاف ہے۔ مقابلہ میں نیکوکار فلاح پاتے اور بدکار جہنم مول لیتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا)

(۹) أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَ

یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ یا کیا (یہ مشرک شخص اچھا ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یا) وہ (شخص) جو فرماں بردار (اور مودب) ہوکر بیٹھتا ہے۔ رات کی گھڑیوں میں (نماز کے لیے) جھکنے والا ہے (یعنی سجدے کرتا ہے) اور کھڑے ہوکر (عبادت کرتا ہے) آخرت کے مقام سے ڈرتا اور اپنے ربوبیت کرنے والے کی رحمت کی امید رکھتا ہے، یعنی صرف اللہ کی مہربانی پر توکل ہے۔ دوسرے کسی کو اس کے ساتھ نہیں ملاتا۔ تو کیا کوئی عقل کا اندھا ان دونوں کو نتیجہ کے لحاظ سے ایک ہی سمجھے گا؟ پس اب بھی وقت ہے کہ انسان نیکی کی طرف مائل ہو جائے۔ عقبیٰ میں ہر کوئی ڈرتا ہوا ہی پہنچتا ہے، مگر انجام کار متقیوں ہی کو فلاح حاصل ہوتی ہے۔ پس سمجھ بوجھ کر اور علیٰ وجہ البصیرت کام کرنا چاہیے۔ جس کو علم حاصل ہو جائے، وہ جاہل نہیں ہوتا۔ جیسے اندھا اور آنکھ والا، اندھیرا اور روشنی، سردی اور گرمی یکساں نہیں اور مشاہدہ کی رو سے یہی بات ثابت ہے، تو جب دنیا میں یہ امتیاز موجود ہے: تو کیا آخرت ہی میں تمیز اٹھ جائے گی؟ ہرگز نہیں! بلکہ وہ تو ہے ہی انصاف کا دن، مگر یہ بات صرف غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے) کہہ دیجیے۔ کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں (اور آنکھیں کھول کر ہر ایک کام میں غور کر کے ہاتھ ڈالتے ہیں) اور (ان کے خلاف دوسرے لوگوں کا ایک گروہ ہے) جو علم نہیں رکھتے (بلکہ مقلد اور رنگ میں آنکھیں بند کر کے اندھا دھند تقلید کی راہ پر چلے جاتے ہیں اور اپنے نفع اور نقصان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے) کیا یہ دو گروہ۔ برابر (ہو سکتے) ہیں؟ اور جو کچھ کسی نے کہہ دیا، بغیر سوچے سمجھے اور غور کرنے کے مان لیتے ہیں۔ یاد رکھو عقل سے کام نہ لینے والوں پر خدا تعالیٰ پلیدگی ڈال دیا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں فکر و تدبر کی بڑی تعریف آئی ہے۔ جس کو عقل و حکمت ملی، اسے خیر کثیر ملی۔ نادان اور بے وقوف لوگ چارپاؤں سے بھی بدتر قرار دیے گئے ہیں۔ عباد الرحمٰن وہ ہیں، جو آیتوں تک پر اندھے بہرے ہوکر نہیں گرتے، بلکہ غور و فکر اور سمجھ سے کام لیتے ہیں۔ اہل دانش دوزخ سے ڈرتے ہیں، جو اشرار و کفار کا ٹھکانا ہے۔ پس یقیناً نصیحت (تو، وہی لوگ) پکڑتے ہیں، جو عقل مند ہیں (اور بے عقلی اور جہالت سے کام کرنے والوں سے الگ رہتے ہیں)

رکوع دوم اب دوسرے رکوع میں مومنین کو تسلی و تسکین دی جاتی اور ثابت قدمی کی تاکید فرما کر وعدہ کیا جاتا ہے کہ بحیثیت مجموعی تم ہی پھلو پھولو گے اور بہتری حاصل کروگے۔ اگر اس وقت یہ ناشکر گزار کفار تمھیں سخت تکالیف اور ہر طرح کی ایذائیں پہنچا رہے ہیں، تو ہجرت کرجاؤ، جہاں سمائی ہو نکل جاؤ۔ امتحان آتے رہیں گے۔ متوحش ہو کر یا گھبرا کر ڈگمگانے کی ضرورت نہیں۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ مصائب کا مقابلہ ہمت مردانہ سے کرنا اور صبر کی باگ کو ہاتھ سے نہ دینا۔ تم ہی ہر طرح اچھے رہوگے۔ پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔ ایمان مضبوط رکھنا کہ یہ چیزیں تمھارے انجام کو بہتر بنائیں گی۔ دیکھو کس محبت سے فرمان عالی شان ہوتا ہے کہ اے رسولؐ! آپ)

(۱۰) قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ

اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ کہہ دیجیے، اے میرے (خدا کے) بندو، ایمان دارو! اپنے ربوبیت کرنے والے سے ڈرو! (اور ہر کام اُسی کی مرضی کے مطابق سرانجام دو۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) نیکو کاروں کو اِس دنیا میں (بھی بحیثیت مجموعی) بہتری (یعنی ترقی، بلندی اور عروج) ہے (اور آخرت کا تو کہنا ہی کیا۔ وہ تو ہے ہی متقیوں کے لیے۔ وہاں کی نعمتوں کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے) اور اللہ کی زمین فراخ ہے (ہجرت کرجاؤ۔ سفر وغیرہ کی تمام تکلیفوں کا پامردی سے مقابلہ کرو۔ اللہ کی راہ میں تمھاری مشقتیں اور تکلیفیں، کبھی رائیگاں نہیں جائیں گی۔ تم اُن انعامات کا، جو خدا نے تمھارے لیے مقرر کر رکھے ہیں، قیاس تک نہیں کرسکتے اور یہ انعامات اعمال کے برابر نہیں، بلکہ اُن کے تناسب سے بہت بڑھ چڑھ کر عطا کیے جاتے ہیں) سوائے اس کے نہیں، جو صبر کرنے والے ہیں، اُن کو بے حساب (یعنی اُن کاموں سے بھی زیادہ) اجر ملے گا (ہاں، صبر ایک بہت مشکل چیز ہے اور کڑوا پھل ہے، مگر تاثیر بے نظیر رکھتا ہے۔ ہاں، جو ظالم لوگ عاجزوں کے اخراج کے درپے ہیں، اُن پر علی الاعلان واضح کردو کہ دو جس قدر بھی تکلیف پہنچاؤ گے، ہم بہر حال ثابت قدم رہیں گے، ہمارے پائے استقلال میں ہرگز لغزش نہ آئے گی۔

ہم اس اکیلے معبود کے پجاری ہیں، جو تمام موجودات کا خالق و رازق ہے، جس کے سوائے کوئی ہستی بھی لائق عبادت نہیں۔ اختیار سارے کا سارا صرف ایک ذات واحد ہی کا ہے پس ہم اسی کے فرمان کے پابند ہیں۔ مقدم رضا صرف خدائے تعلیٰ کی ہے۔ باقی سب کی رضا ہیچ ہے، جیسا کہ مجھے حکم ہوتا ہے:

(۱۱) قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ کہئے مجھے فرمایا گیا ہے، یہ کہ میں (صرف) اللہ ہی کی پوجا کروں خالص (سب کو الگ ہٹاکر) واسطے اس خدا کے بندگی کرتا ہوا (نہ کہ اپنے کو بھی درمیان لاکر شریک قرار دوں، ہرگز نہیں، کیوں کہ میں تو اس کا ایک عاجز بندہ ہوں۔ مجھے تو صرف اسی کی بندگی کرنا شایان ہے اور اسی میں میری بہتری ہے اور یہ میں کسر نفسی نہیں کرتا۔ بلکہ حقیقت ہی یہ ہے)

(۱۲) وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ اور یہ بھی) مجھے حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلا فرمان بردار ہوں (بلکہ ہر شخص پہلا ہی مسلم ہوتا ہے۔ دنیا میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اول جب آغاز تبلیغ ہو، تو پہلے ایمان لانے والے، جیسے مومن آل فرعون جس نے فرعون جیسے جابر و ظالم کا مقابلہ کرکے توحید کا وعظ کیا۔ اصل چیز اللہ پر ایمان لانا ہے۔ اللہ کو ماننے سے، رسولوں، کتابوں، فرشتوں، قیامت وغیرہ سب کی تصدیق ہو جاتی ہے اور اس کے انکار سے تمام مصدقہ الٰہی چیزوں کی تکذیب ہو جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ، جو بات کو التواء میں ڈال دیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر گر جاتے ہیں اور بہت تھوڑے بچ جاتے ہیں، جیسے وہ جادوگر، جو موسیٰ کے مقابلے پر آئے تھے۔ وہ بھی اول المسلمین ہی تھے۔ تیسرے اوّل کا فر ہے۔ غرض آپ کو پہلا مسلم ہونا فرمایا اور حضورؐ کا بندہ عاجز ہونا ظاہر کیا۔ پھر جتایا کہ اگر یہ رسول بھی کوئی کام ہماری منشاء کے خلاف کرے، تو ہماری گرفت میں آجائے گا۔ اگر ہم پر افترا کرے گا، تو مجرم قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔ اگر ہمارے سوائے کسی اور کو معبود بنائے گا، تو دھکیل کر جہنم میں گرایا جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔ غرض سچے رسول نے فرمان الٰہی کی کیا ہی اچھی طرح پابندی کی۔ سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔

(۱۳) قُلْ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ○

کہ: اگر اپنے ربوبیت کرنے والے کی نافرمانی کروں، تو مجھے بھی یوم عظیم کے عذاب کا خوف ہے.
(ایسے سچے پیغمبر کی تو یہ حالت کہ عصیان کی صورت میں عذاب کا دھڑکا لگا ہوا ہے، مگر بد باطن لوگوں کے عملوں کی یہ کیفیت ہے کہ وہ جرائم کا ارتکاب کرکے ایسے صادق نبیؐ کو بارگاہِ مالک یوم الدین میں شفیع قرار دیتے ہیں۔ افسوس ہے اُن لوگوں پر کہ دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں اور ان کے عقاید صریحاً مشرکانہ ہیں۔ اُس دن ایمان داروں کے لیے رسوائی نہیں ہے۔ ہاں ایمان کے ساتھ حاضر ہونے کی شرط ہے۔ ان کی نجات مشروط بہ ایمان ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا ہے کہ اگر نافرمانی کی حالت میں جاؤں، تو عذاب کا ڈر ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے اصل چیز یعنی، توحید کو بار بار بیان کرکے اتنا واضح کر دیا ہے کہ اب اس معاملے میں کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہ گئی، مگر اس سے فائدہ وہی شخص اُٹھا سکتا ہے، جو سچے دل سے نصیحت حاصل کرنے کو تیار ہو۔ لیکن باوجودیکہ توحید کا ہر لحاظ سے بیّن اور واضح بیان ہے پھر بھی بدباطن لوگ ایچ پیچ ڈال کر اصلیت کو اپنے زعم باطل میں گم کر دینا چاہتے ہیں، مگر انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ پھونکوں سے چراغ بجھایا نہیں جاسکتا۔ اگرچہ ناقدردان اور مشرکین حسد کی آگ میں جلتے رہیں، ایسے لوگ یہاں بھی جلتے رہتے ہیں اور دوسرے عالم میں بھی آگ ہی کا اوڑھنا بچھونا پاتے ہیں۔ لوگو! وقت ہے کہ تائب ہو کر خالصتاً پروردگار کے ہو رہو۔ یاد رکھو! اس کے بغیر تمام سہارے تارِ عنکبوت سے بھی کمزور ہیں۔ مشرکانہ عقیدہ نتائج کے لحاظ سے بڑے تکلیف دہ عذاب کا موجب ہوگا۔ دیکھو! نبی علیہ السلام جیسے پیغمبر کو بھی حکم ہوتا ہے کہ):

(۱۴) قُلِ اللّٰهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِينِي ○ کہ دے: میں اللہ تم (کامل مطلق) کی عبادت کرتا ہوں خالص کرتا ہوا اس کے واسطے بندگی (اور چاہیے کہ تم بھی دوسروں کو ساتھ ملائے بغیر اسی معبودِ برحق کی بندگی کرو۔ اس میں تمھارا ہی فائدہ ہے کہ تکالیف سے بچ کر ایسی ایسی نعمتوں کو پاؤگے، جو تمھارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ آگے تمھیں اختیار حاصل

ہے۔ جو راہ تمھیں پسند ہے، اس پر گام زن ہو جاؤ: بر رسولاں بلاغ باشد وبس میرے لائے ہوئے دین میں ذرہ جبر نہیں ہے۔ صرف واضح دلائل دے کر نیک و بد کام کا انجام بتایا جاتا ہے۔ آئندہ تمھاری مرضی پر منحصر ہے کہ فرمانِ ایزدی کے ماتحت خوبی و صلاحیت کے کام کرکے ابدی نعمتیں حاصل کرو یا سرکشی کرکے لمبے زمانے تک طرح طرح کی تکالیف میں پھنسو اور بہت بڑا عرصہ دکھ دینے والے عذابوں میں گذارو۔ اگر تمھیں یہی منظور ہے، تو پھر بڑی خوشی سے آگ میں کود جاؤ، یعنی)

(۱۵) فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ○ پس اللہ (کامل مطلق) کے سوا جس کی عبادت تمھاری مرضی ہو، کرو دگر یاد رکھو کہ دنیاوی فوائد کچھ اٹھالو، مگر عقبٰی میں اس مشرکانہ عقیدے کا بدلہ بڑی بری طرح ملے گا، مگر اس وقت پشیمانی اور افسوس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حقیقت کے لحاظ سے مشرکین دنیا میں بھی بے چین ہی رہتے ہیں۔ اطمینانِ قلب سوائے توحید پر گام زن ہونے اور ذکرِ الٰہی کرنے کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ غرض شرک کا اثر دنیا میں بھی موجود ہے اور عقبٰی میں تو کھلا ہوا نظارہ سامنے آجائے گا۔ تو گویا گناہ پر دلیر ہو کر نقصان اٹھانے والے نہ بنو شرک و معصیت کے باعث اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو غارت نہ کرو۔ مشرکین کا جو نقشہ ان الفاظ میں کھینچ کر دکھایا گیا ہے، اس کو سامنے رکھ کر نصیحت حاصل کرو) کہہ دے: بلاشبہ گھاٹا اٹھانے والے وہ لوگ ہیں، جنھوں نے قیامت کے روز نقصان پہنچایا اپنے نفسوں کو اور اپنے اہل و عیال (اور دوستوں وغیرہ) کو۔ سن رکھو، یہ بڑا واضح نقصان ہے (خود بھی پھنسے اور دوسروں کو بھی لے ڈوبے۔ دیکھو ان کی کیا حالت ہو رہی ہے، ہر طرف سے ان پر عذاب نازل ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ)

(۱۶) لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ○ ان (مجرمین) کے واسطے ان کے اوپر سے لحاف ہیں آگ کے اور ان کے نیچے سے (بھی آگ ہی کے) لحاف ہیں

(جس طرح کھولتا ہوا پانی کبھی نیچے کبھی اوپر ہوتا ہے، یہی صورت وہاں اشرار کے عذاب کی ہے۔ پس وہ کام کرو جن میں آرام اور دائمی راحت ملے، نہ کہ یہ جو کچھ اوپر بتایا گیا ہے۔ ایسے خوف ناک منظر سے تو دل کانپ جانے چاہئیں اور رونگٹے کھڑے ہو جانے چاہییں، نہ کہ اس عالی شان تعلیم پر پھبتیاں اُڑائی جائیں۔ سُنو! کس محبت سے تمہیں سرکشی اور نافرمانی سے باز رکھنے کا سبق دیا جاتا ہے۔ مگر تم ہو کہ اس آواز پر کان ہی نہیں دھرتے۔ فرمایا) اسی طرح اللہ اس (دردناک عذاب) سے اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے (نہ کہ کسی اور کے بندوں کو۔ لوگو! تمہارے یہ اعمال دیکھ کر خدا تعالےٰ تمہیں اپنے بندے ہی قرار دیتا ہے، پس تمہیں شرم آنا چاہیے کہ جب وہ تمہیں اپنے بندے ہونا پسند فرماتا ہے، تو کیا اس کو معبودِ حقیقی کہتے ہوئے شرم جھکتے ہو؟ اور اس کا حق دوسرے اپنے جیسوں کو دینا گوارا کرتے ہو؟ دیکھو اعلانِ خدا و ندی ورفرمانِ الٰہی کہ) اے میرے بندو! (میرے بندے ہو کر ڈرتے نہیں؟) پس مجھ (ہی) سے ڈرو۔ (اور صرف میری ہی پوجا کرو۔ میرے ہی احکام کو مانو مجھ ہی پر پورا بھروسہ رکھو۔ بُرائیوں سے بچتے رہو۔ غیر اللہ کی پرستش سے سخت نفرت کرو اور اچھے کام کرکے اعلیٰ درجے حاصل کرو۔ جیسا کہ فرمایا)

(۱۷) وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ اور وہ لوگ جو طاغوت سے بچتے ہیں (یہ کہ شیطانی جذبات، اصنام پرستی، کاہن و ساحر کے فریب، فرقہ بندی کی لعنت اور بے دلائل باتوں کی تقلید وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں، کیوں کہ بغیر دلائل کے کسی کی بات کو بے غلط ماننا ہی اس کی پوجا ہے جس سے قطعًا اجتناب لازم ہے۔ تو ایسے متقیوں کے واسطے بہت بڑے انعام کی بشارت ہے۔ جو لوگ اس سے اجتناب کرتے ہیں کہ ان کی (یعنی من دون اللہ معبودوں کی) پوجا کریں (وہ ہرگز ایسے بُرے افعال نہیں کرتے، بلکہ اللہ کامل مطلق سے اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں)، اور اللہ سے رجوع کرتے ہیں، ان کے لیے خوش خبری ہے (یہ خوش خبری صرف ایک خدا کے ماننے سے ملتی ہے، نہ کہ اس کے شرکاء بنانے سے۔ پس آمنا باللہ وحدہٗ ہی ذریعۂ نجات ہے۔ یہ ڈھکی چُھپی بات نہیں ہے) پس میرے بندوں کو یہ

خوش خبری سُنادے (دیکھو بندگانِ خدا کا خاصہ کیا ہے ان کا رویہ مقلدانہ نہیں، بلکہ وہ مجتہدانہ روش رکھتے ہیں۔ ان میں استنباط کی طاقت ہوتی ہے۔ وہ نیک و بد میں خدا کی عبادت کی ہوئی سمجھ سے کام لیتے ہیں۔ اپنی عقل کو معطل نہیں کر دیتے اور دوسروں کی باتوں آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کرتے، بلکہ غور و فکر کر کے بہتری کی طرف جاتے ہیں نامعقول کی کوئی پروا نہیں کرتے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے مرعوب اور نادم نہیں ہوتے، ان میں تحقیق کی عادت راسخ ہوجاتی ہے پس وہ کون ایسے لوگ ہیں؟)

(۱۸) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ○ وہ لوگ (ہیں) جو ہر قول کو سن لیتے ہیں (پھر ان میں موازنہ کر کے بہت اچھی بات کو ترجیح دے کر مان لیتے ہیں، یعنی) پھر اس کے احسن کی پیروی کرتے ہیں (حقیقۃً قرآن ہی احسن الحدیث ہے۔ اس پر چلنے والے اصل بندے ہیں نہ کہ معجونِ مرکب دین بنانے والے۔ انسان کو مخلص بننا چاہیے، نہ کہ مفسد۔ ارشاد ہوتا ہے) یہی وہ (سلیم الطبع) لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ دماغوں والے (یعنی عقل مند، صاحبِ ہوش، باریک بین) ہیں (یہی لوگ کیلئے خدا پر توکل کرنے والے ہوتے، نہ کہ وہ جو خدا کے سوا دوسروں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ تو یقیناً جہنمی ہیں، ان کا کوئی مددگار وغیرہ نہیں ہے، جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے)

(۱۹) أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنتَ تُنقِذُ مَن فِي النَّارِ

پھر کیا جس پر قولِ صادق آگیا عذاب کا (کہ بموجب قانونِ الٰہی مجرم ہے، تو کون قانون شکن پھر میدانِ انصاف میں نکل کر اس کو چھڑائے گا۔ اور تو اور، اے رسولِ کریمؐ!) پھر کیا تو اس کو چھڑائے گا، جو آگ میں ہے (ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا ہے، کیوں کہ انھیں اعمالِ بد کی پاداش میں یہ سزا دی جارہی ہے۔ بما کسبت ایدیھم کے یہی معنی ہیں کہ جو کچھ انھوں نے کمایا ہوا تھا، وہی ان کو ملا، ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں ہوا، نہ خدا اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہے۔ یہ تو بدکار اور مشرک مجرموں

کا انجام بتایا، اب آگے مقابلتہً خوفِ خدا رکھنے والے اور اعمالِ بد سے بچنے والوں کا حال بتایا کیوں کہ اس، دو نیک و بد میں کھلی تمیز ہو جاتی ہے، نہ کہ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا کہ بدکار تو یہ سزائیں بھگتیں گے،)

(۲۰) لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝

لیکن جو متقی (خدا کی رضا میں اپنی خواہشات کو قربان کر دینے والے) ہیں (یعنی صرف) اپنے رب کا ڈر رکھنے والے، ان کے لیے بالاخانے ہیں، جن کے اوپر بالاخانے ہیں، جو کبھی بھی فنا ہونے والے نہیں ہیں۔ ان کے نیچے سے نہریں جاری ہیں (یہ نتائج ان کے دنیا کے کاموں ہی سے نکلتے ہیں۔ انھیں جو وعدہ دیا جاتا تھا، اس کا عین ظہور ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا) یہ اللہ کا وعدہ ہے (تو پھر کیوں کر نہ پورا ہوتا، مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔ وعدۂ خداوندی اٹل ہے۔ وعدہ خلافی پروردگار کی شان کے خلاف ہے، جیسے ارشاد ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا (عقل مندوں کو چاہیے کہ ایسے آرام والی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں، نہ کہ صرف دنیا ہی کے لیے مرمٹیں اور عقبیٰ کو فراموش کر دیں اور فنا ہونے والی چیز کے لیے ہمیشہ کے آرام اور دائمی راحت کو قربان کریں، پس جو نہ مٹنے والی اور ترقی پر ترقی دینے والی ہو، اس کے لیے سب کچھ نثار کر کے اس کے حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگ جاؤ اور صلاحیت والے اعمال پر گام زن ہو جاؤ، تاکہ کبھی نہ مٹنے والی خوشی میسر ہو۔ چند روزہ دنیا پر نہ مرمٹو۔ ہاں جائز فائدہ اس سے بھی اٹھاؤ، مگر سب کاموں میں آخرت کو پیش نظر رکھو۔ خداوند کریم دین کے طالبوں کو دین و دنیا دونوں عنایت فرما دیتے ہیں جیسے سلیمانؑ کے قصہ میں ہے کہ انھوں نے آخرت کی بہتری مانگی، ان کو دنیا بھی اچھی دی۔ جن لوگوں نے صرف دنیا ہی کے قلیل فائدے کو ملحوظ رکھا، ان کو دیکھنا چاہیئے کہ اس دنیا کی بساط کیا ہے؟ فرمایا:)

(۲۱) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي

الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ کیا نہیں دیکھا تو نے (اے منکر!) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُتارا آسمان (یعنی بلندی) سے پانی، پس جاری ہوئے اس (پانی) سے چشمے (نہریں اور دریا وغیرہ) زمین میں: پھر نکالتا ہے (وہ خدا) ساتھ اس (پانی) کے (اپنی حکمتِ بالغہ کے ساتھ) کھیتیاں رنگ رنگ کی، پھر وہ سُوکھ جاتی ہیں، پھر تو اُسے زرد دیکھتا ہے، پھر اللہ اس کو ریزہ ریزہ بنا دیتا ہے (پس اے نادانو! اس بے بنیاد چیز پر فدا ہو کر آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہو! ایک فانی چیز پر اتنی گرویدگی! تو بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اصلی اور دائمی آرام کو نظر انداز کر کے مختصر اور عارضی چیز پر نثار ہو رہے ہو۔ اس ساری صورتِ حالات کو سامنے رکھو، تو عقل مندوں کے واسطے اس میں ایک نصیحت ہے (سرکش اور ضدی تو کیا مانیں گے، وہ تو پھبتیاں اڑائیں گے، مگر یاد رکھیں، نتیجہ نکلے پر سخت پچھتائیں گے اور نیکوکار اپنے انعاموں پر بے حد خوشی منائیں گے۔ پس لوگو! فرماں بردار بن جاؤ، اصل اسلام پر جیو اور اسی پر تمہارا خاتمہ بھی ہو۔ یہ بڑا سادہ دین ہے۔ پس خالص خدا کی بندگی کرو۔ رسُول کو بھی اللہ تعالےٰ نے مسلم ہی بننا سکھایا زمین و آسمان کا یہی دین اسلام، یعنی: فرماں برداری ہی ہے۔ یہ دین شروع سے چلا آیا ہے۔ نوحؑ و ابراہیمؑ سب کا دین صرف اسلام، یعنی، اکیلے خدا کی پوجا کرنا ہی تھا۔ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے، اس شخص کی جس کو معبودِ حقیقی کی فرماں برداری کی سعادت مندی حاصل ہو اور دارین کی بہتری ملے۔ دنیا میں اطمینانِ قلب اور آخرت میں ایسا آرام و راحت کہ جس کا اس دنیا میں رہتے ہوئے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۲۲) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ کیا پھر جو شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ اسلام کے واسطے کھول دے، سو وہ

پروردگار کی طرف سے نور پر ہوتا ہے (کیا اس جیسا ہے، جو اپنی بداعمالیوں کے باعث نور سے محروم کیا گیا ہو؟) پس خرابی ہے اُن کے لیے، جن کے دل سخت ہیں، اللہ تعالیٰ کی یاد (یعنی ذکر) سے (اکیلے خدا کو کافی نہ جانا اور دوسروں کو اس کے ساتھ ملایا، نتیجہ کیا نکلا کہ) یہ لوگ صریح گمراہی میں پڑے (ہوئے بے چین) ہیں (پس اکیلے قرآن مجید کی طرف آنے سے یہ تمام بے چینیاں اور اضطراب ہٹ جاتے ہیں۔ یہ کتاب خالص توحید کو پیش کر رہی ہے اور یہ دلائل پیش کر رہی ہے۔ اس میں کوئی عجوبہ، کوئی انوکھی اور نئی بات نہیں۔ یہ اسی اسلام کو دکھلا رہی ہے، جو بہ حیثیت زمان و مکان قدیم سے ہے، یہ کتاب اُن پردوں کو ہٹا رہی ہے، جو من دون اللہ پرستوں نے اپنے اعتقادی زنگ میں پہلی آسمانی کتابوں پر ڈال رکھے ہیں۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں قیامتِ کبریٰ تک باطل کو راہ نہ ملے گی۔ یہ اکمل کتاب ہے۔ خدا کی حفاظت میں ہے۔ ہمیشہ کے لیے دستور العمل بننے کی اس میں پوری صلاحیت ہے۔ یہ بے نظیر صحیفہ ہے، اس کا ایک نقطہ بھی غیر وحی نہیں۔ یہ کتاب ساری کی ساری خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ بلند ہے شان اس کے نازل کرنے والے کی، اس کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے، وہ اَن گنت خوبیوں کی حامل ہے۔ پھر اس کی موجودگی میں غیر الٰہی کتابوں کے پیچھے دوڑتے پھرنا پرلے درجے کی نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟ لوگو! غور سے سنو! اور فرمانِ الٰہی کی قدر کرو اور بسر و چشم قدر کرو! یاد رکھو! اس کے بھیجنے والا اکیلا ہی کافی ہے۔ تم اس کے اس اعلان پر کان دھرو کہ کیا حق تعالیٰ کافی نہیں؟ کیا یہ کتاب تمہاری ضروریاتِ دین کو پورا نہیں کرتی؟ کیا اس کی ساری کی ساری باتیں بہت ہی اچھی نہیں؟ اگر نہیں، تو پھر کونسی کتاب اس جیسی ہوسکتی ہے؟ دیکھو اس کتاب کی خوبی اس کے نازل کرنے والے کی زبان سے:)

(۲۳) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ
مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى
ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

مِنْ هَادٍ۝ اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) نے اُتارا (باتوں میں سب سے) بہت اچھی بات کو (اللہ تعالیٰ سے اور کس کی بات اچھی ہو سکتی ہے، وہی اچھی باتوں کا اُتارنے والا ہے۔ کس شکل میں؟ اس حال میں کروہ) ہوتی ہوئی ایک کتاب (نہ کہ صحاح ستہ یا اربعہ وغیرہ دغیرہ، صرف ایک ہی کتاب۔ کیسی، جو دوسرے مذاہب سے) ملتی جلتی دُہرائی گئی باتیں (مختلف پیرایوں میں توحید کو اس قدر واضح اور مفصل طور پر بیان فرمایا کہ آسان کر دیا، پھر ہے کوئی نصیحت لینے والا؟ باوجود اتنی سہل تر تعلیم کے لوگوں نے انبیاء، ملائکہ دغیرہ وغیرہ کو خدائے واحد کے ساتھ ملا کر ایک شرکیہ عقیدہ بنالیا، جو خدا کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس پُرعظمت وجلال مضمون کا دلوں پر اثر لیتے، مگر ناقدردانی کی انتہا ہے کہ ڈٹ کر مقابلہ پر اتر آئے۔ یہ ہیں شریر لوگوں کے کارنامے، جو بار بار بیان کی ہوئی تعلیم کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں! مگر سب ایک سے نہیں ہوتے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والے بھی دنیا میں موجود ہیں، وہ جب غور وفکر سے اس نورانی تعلیم پر نظر کرتے ہیں، تو لرزہ براندام ہو جاتے ہیں اور خوفِ خدا کو دلوں میں جگہ دے کر معبودِ حقیقی کے فرماں بردار بننے کی سرتوڑ کوشش میں لگ جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے) اس (پُرہیبت اور عالی شان تعلیم) سے جلدوں پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اُن کے جو اپنی ربوبیت کرنے والے کا خوف رکھتے ہیں (یہ ہے نیک نیتی اور صاف دلی سے ذکرِ الٰہی سُننے کا اثر!) پھر نرم ہوتی ہیں اُن کی جلدیں (اور وہ اطمینان پاتے ہیں) اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف (مائل ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کا حال ہے، جو سچی تعلیم کا اثر لے کر اس پر عامل ہو جاتے ہیں، نہ کہ ظالم ومشرک وغیرہ۔ ارشاد ہوتا ہے، یہ اچھی تعلیم جو دی جاتی ہے) یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ جس کو (اپنے قوانین کے مطابق) چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے (یہ سعادت سچے اور مخلص مومن کو حاصل ہوتی ہے، نہ کہ سخت دل لوگوں کو اور اشرار ومفسدین وغیرہ کو) اور جس کو اللہ تعالیٰ (کامل مطلق بموجب اپنے قانون بے غلط کے) گم راہ کرے، پس اس کے لیے کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں ہے (ہدایت صرف خدا ہی سے ملتی ہے۔ اِدھر اُدھر کہیں سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ انبیاء بھی اسی خدا سے دعا مانگتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔ وہ خود صراطِ مستقیم نہ تھے۔ پس اے لوگو! جہنم سے بچنے کے لیے اس احسن الحدیث کے ساتھ تعلق پیدا کرو۔ یہ اکمل دین ہے۔ تمام آسمانی کتابوں کا بے غلط مجموعہ

ہے۔غیر محفوظ اور وقتی کتابوں میں سے جو حصہ منکرینِ حق نے بھلا دیا تھا، ان میں تحریف کی تھی، اسی کو درست کر کے آخری مرتبہ یاد دلایا گیا ہے، مگر آج بھی لوگ ہیں کہ شرارت سے باز نہیں آتے اور مخلوق کو خالق کے شریک بنا رہے ہیں اور پھر بھی اپنے کو مُسلم کہتے ہیں۔ مُسلم حقیقی وُہ ہے، جو فرقہ بندی سے بالاتر ہو اور تمام خدا پرستوں کے ساتھ مِلا رہے۔ تنگ ظرف نہیں، بلکہ فراخ دلی سے ہر نیک شخص کا خیر مقدم کرتا ہے۔ جس کو یہ نُور عنایت ہُوا، وہی خدا کے نزدیک اچھا انسان ہے، اب غور کرو کہ وُہ صورت اچھی ہے، جو اسلامی نُور والے لوگوں کی بتائی گئی ہے) یا

(۲۴) اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ قِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ (یہ جو بیان کی جاتی ہے کہ) کیا وُہ شخص جو اپنے مُنہ سے پیشی کے وقت بُرے عذاب کو ہٹاتا ہے (کیا وہ ایسا ہو سکتا ہے، جو چین سے ہو؟ یہ تکالیف اُن ناہنجاروں پر اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے ہوتی ہیں، نہ کہ اُن پر کوئی زیادتی کی جاتی ہے۔ ہرگز نہیں) اور (اسی لیے) ظالموں سے کہا جاتا ہے کہ (اپنے اپنے وقت پر سخت عذاب کا ذائقہ) چکھو، جو تم کماتے رہے ہو (خداوند کریم کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ پس جو کچھ دنیا میں بویا جاتا ہے آخرت میں وہی کاٹنا پڑتا ہے۔ دنیا میں بھی بہ حیثیتِ مجموعی صالحین کا غلبہ اور مفسدین کی شکست ہوتی رہی ہے۔ جب دنیا میں یہ کچھ ہو رہا ہے، تو عقبٰے ہی کو اس کلیہ سے کیوں مستثنٰے قرار دیا جائے؟ اس بارے میں گذشتہ اقوام کے حالات کو سند میں پیش فرمایا ہے۔ اہلِ فکر کو اِن واقعات سے بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے، مگر سرکش لوگ اپنی نافرمانیوں میں اور بھی بڑھ جاتے ہیں اور شرارت اور تکذیبِ حق سے باز نہیں آتے اور اُن کا انجام بھی ایسا ہی ہوتا ہے، جیسا کہ ہونا چاہیے۔ وقت کی قدر نہ کرنے والا ضرور ہی گرفت میں آجاتا ہے، مگر پھر بعد از وقت کیا کر سکتا ہے؟ ایسی قیمتی چیز کو کھو کر پھر کہاں سے حاصل کر سکتا ہے؟ پس ڈھیل ملنے پر اور بھی مغرور ہونا انجام بد کا پیش خیمہ ہے۔ پھر اُسے وُہ کچھ دیکھنا پڑتا ہے، جس کا اُس کو وہم گمان بھی نہیں ہوتا۔ فرمایا):

(۲۵) كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا

یَشْعُرُوْنَ ○ جھٹلایا (سچی تعلیم اور جزا و سزا کو) اُنھوں نے، جو اُن (موجودہ اشرار و مکذبین) سے پہلے تھے. پھر (کیا وہ چھوڑ دیے گئے؟ قطعاً نہیں، بلکہ) آیا عذاب (اللہ کی طرف سے بسبب ان کے اعمالِ بد کے) ان کو ایسی جگہ سے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا (انھوں نے اپنے بچاؤ کے بڑے بڑے بندوبست کیے ہوئے تھے، تو کیا پھر وہ اپنے سازوسامان کے بل بوتے پر گرفتِ الٰہی سے بچ گئے؟ ہرگز نہیں! عقلمند ان واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ کیا پھر ان ظالموں کو دنیا میں عذاب نازل کرکے قطعاً مٹا دیا گیا؟ اگر ایسا ہوتا، تو پھر تو ان کی خلاصی ہوگئی ہوتی، مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ عذابِ آخرت کے لیے وہ یہاں سے اٹھا لیے گئے: تاکہ اس بڑے شفاخانے میں اُن کو تکلیف دِہ علاج سے ٹھیک کیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:)

(۲۶) فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ○ پس اللہ نے ان (ظالموں اور مکذبینِ حق) کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا ذائقہ چکھایا (تو کیا پھر اُنھیں آزادی مل گئی؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ دوسرے عالم میں سخت شکنجے میں کس دیے گئے. چنانچہ فرمایا:) اور آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے (وہاں پر لمبا زمانہ چیخنا چلّانا اور طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا علاج یا بچاؤ یہیں سے کرنا چاہیے، مگر سرکش لوگ آنکھیں بند کرکے جہالت کی طغیانیوں میں بہے جا رہے ہیں) کاش یہ جانتے ہوتے (اور اتنی واضح دلیل پر ذرہ بھر غور کر لیتے۔ اپنے انجام کو عالمِ تصور میں سامنے لاکر عبرت حاصل کرتے اور صلاحیت والے راستے پر گامزن ہو جاتے۔ اس سے انھیں کامیابی ہوتی اور انعام پاتے، مگر نالائقوں کو یہ سعادت کب مل سکتی ہے؟ ہاں نیکی پر مستعد رہنے والا ضرور ان واقعات سے سبق لیتا ہے۔ یہ تعلیم جبریہ نہیں ہے۔ نہ اسلام میں جبر کو راہ ہے۔ ہاں علمی اور عقلی ثبوت ضرور پیش کیے جاتے ہیں کہ غور و فکر سے کام لو، گناہوں سے بچ جاؤ گے۔ یہ امر تمہیں ہر طرح سے مثالیں اور دلائل دے کر ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ نیک اور بد ایک سا نہیں ہو سکتا۔ اب بھی جو شخص ضد و عناد کی وجہ سے نہ سمجھے، تو اُس کی مرضی۔ قرآن مجید نے کوئی ضروری بات بھی نہیں چھوڑی۔ فرمایا:)

(۲۷) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ

يَتَذَكَّرُونَ ۚ اور بالتحقیق ہم نے انسانوں کے لیے اس قرآن میں ہرایک مثال بیان کی، تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ (نصیحت کے واسطے سب کچھ اس قرآن ہی میں بیان فرما دیا گیا ہے۔اب اس کو کوئی مجمل یا ناکافی وغیرہ جانے اور دوسری کتب کا محتاج مانے، تو اس غلط عقیدہ کا وبال قائل کی جان پر ہے۔ایسی صاف تعلیم میں سوائے بغض وحسد والے کے اور کس کو کلام ہوسکتا ہے؟ اس کی زبان زندہ زبان ہے، دوسری زبانوں کی طرح مُردہ نہیں ہوگئی۔ یہ عربی زبان دنیا میں عام ہوتی چلی جارہی ہے۔ہمیشہ یہ زندہ رہنے والے اور تبلیغی دین کی زبان ہے۔فرمایا):

(۲۸) قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ (واقعہ یہ

ہے کہ یہ) قرآن عربی ہے، اس میں کوئی کجی نہیں ہے (ناقدردان لوگ اس کے ساتھ اور چیزوں کو ملا کر اسے کج کیا کریں، لیکن اکیلے قرآن مجید میں کجی تلاش کرنا نور میں ظلمت ڈھونڈنے کے مترادف ہے۔اسے کجی سے مبرا کرنے کی غرض یہ ہے) کہ لوگ (ہرطرح کی مصیبتوں سے بچ کر دائمی آرام گاہ میں پہنچیں اور دُکھ درد سے) محفوظ رہیں (جہنم کے عذاب سے خلاصی پانے کا واحد ذریعہ یہی احسن الحدیث یعنی قرآن کریم ہے اور بس۔ پہلے خدائے قدوس نے رنگا رنگ طریق پر بھلائی اور بُرائی کے حسن وقبح پر دلائل دیے۔آگے شرک وتوحید کا نقشہ مثال کے طور پر بتا کر نتیجہ پر توجہ دلائی کہ لوگو! کس کس کے غلام بنوگے؟ ایک کے یا بہت سے لوگوں کے، ایک شخص اگر ایک سے زیادہ آقاؤں کا فرماں بردار ہو اور دوسرا صرف اکیلے مالک کا خادم ہو، تو بتاؤ، ان میں سے کون اچھا رہا؟ اگر ایک عورت کے دو خاوند مل جائیں، تو ایسی مصیبت کا سامنا ہو کہ جس کا کوئی ٹھکانا نہیں اور اس سے زیادہ کا ذکر ہی نہ کرو۔ ایسے ہی اگر دو خدا مانے جائیں۔ پھر تو تمام نظامِ عالم ہی درہم برہم ہو جائے۔ لوگو! عقل جیسی نعمت سے کام نہ لینے میں بہت بڑی خرابی ہے۔ اس فاش غلطی کے سبب سے بڑے بڑے عذاب بھگتنے پڑتے ہیں۔ ہمیں غلطی سے بچانے کے لیے)

(۲۹) ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیۡہِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوۡنَ وَ رَجُلًا
سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ ہَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ۚ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۹﴾

اللہ نے ایک مثال بیان کی ہے کہ ایک مرد ہے، کئی ایک اس میں حصہ دار ہیں، جو بدخو (یا آپس میں بھی ایک دوسرے کے نقیض اور ضدی وغیرہ بھی) ہیں (یعنی، ایک غلام ہے، اس میں کئی آدمیوں کا حصہ ہے۔ پھر وہ مالک بھی متحد الخیال نہیں ہیں، بلکہ مختلف الخیال ہیں۔ غور کرو کہ ایسے ماحول میں اس غلام کی کیا گت بنتی ہوگی، یہی کہ زندگی بے آرام ہوگی) اور ایک مرد ہے، جو سارے کا سارا (صرف) ایک مرد کے واسطے ہے (اس کا کوئی دوسرا مالک ہی نہیں) کیا یہ دونوں (غلام یا خدمت گار) مثال میں ایک جیسے ہیں (حالاں کہ انسانوں کی غلامی بدترین چیز ہے۔ مگر یہ نقشہ مثال کے رنگ میں بیان فرما کر آرام اور تکلیف کے فرق کو ذہن نشین کرانا چاہا ہے۔ اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ معبودان باطل کے پجاری مطمئن ہیں یا وحدہٗ لاشریک کے پجاری اور صرف اُسی کے فرماں بردار؟ کیسی عالی شان مثال بیان فرمائی ہے۔ قرآن عالی شان کا بیان کیسا قابل تعریف اور سبق آموز اور واضح ہے۔ پس حقیقت تو صاف معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی اللہ تعالیٰ کامل مطلق پر پورا پورا بھروسہ کیا جائے اور اُسی کو اصلی حاجت روا مانا جائے۔ اکیلے خدا کے آسرے کے علاوہ تمام دوسرے آسرے بودے ہیں۔ کوئی چیز موجودات میں اپنی ذات کے اندر سچی تعریف کے لائق نہیں۔ پھر ہمارا کلی اطمینان سوائے ذات باری کی یاد کے اور جگہ تلاش کرنا صرف باطل ہی نہیں، بلکہ پرلے درجے کی حماقت بھی ہے۔ غرض کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ہستی بھی قابل تعریف و توصیف نہیں۔ خود مالک حقیقی بھی یہی فرماتا ہے کہ) ساری (کی ساری) سچی تعریف اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) ہی کے لیے ہے، مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے (کہ سب سچی تعریف خدا ہی کے لائق ہے۔ اگر یہ جان لیں، تو وہ لطف اٹھائیں کہ جس کا حد وحساب ہی نہیں، مگر جہالت کا بُرا ہو کہ راستی کے راستہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکا کر قدم قدم پر ٹھوکر لگاتی ہے۔ یہ جہالت اور ضد ہی کے کرشمے ہیں بعض اسی بنا پر شرک کی تعلیم دی جاتی ہے اور بڑے اینچ پیچ ڈال کر اس گندے اور پلید عقیدے کو صحیح قرار

دیا جاتا ہے اور انبیاء پرستی سکھائی جاتی ہے۔ واضح بات ہے کہ اگر انبیاء فی الحقیقۃ مُردے زندہ کرتے، تو صلیب تک کیوں پہنچتے؟ اور اگر چاند کے دو ٹکڑے کرتے، تو ہجرت کیوں کرنا پڑتی۔ فانی چیزوں کو خدائی اوصاف سے متصف سمجھنا اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنا، جو اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں، فقط عجائب پسند طبائع ہی کا حصہ ہے۔ یہ عجیب لوگ ہیں کہ بندوں سے ایسی باتیں صادر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو اُن سے ہو بھی نہیں سکتیں۔ لوگو! وہ تو تمھاری طرح انسان ہیں۔ کھاتے، پیتے، سوتے، جاگتے، پیدا ہوتے، مرتے وغیرہ ہیں۔ اُس سے تعلق پیدا کرو، جو حیّ و قیوم ہے۔ اُسی کی بھیجی ہوئی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر سُرخ رو بن جاؤ۔ قریب ہی دربارِ الٰہی میں حاضر ہوگے سب کے ساتھ موت لگی ہوئی ہے خواہ وہ بڑے سے بڑا رسول ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے فرمایا:)

(۳۰) اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ (اے زندہ رسول) تو میت ہے اور بالتحقیق یہ بھی میت ہیں (تم زندہ ہوتے ہوئے بھی مُردے ہی ہو۔ موجودہ حالت میں بھی میت ہو، کیوں کہ تم میں ہر وقت تغیر ہو رہا ہے۔ متغیر چیز کو جزوِ قرآن بلکہ قاضی علی الکتاب یا منتہائے سوال و اصل مطاع حکیم مطلق وغیرہ جاننا اور اس پہ ضد کرنا کہاں کی دیانت داری اور ایمان ہے۔ اے ناقدردان لوگو! یہ نبی تو خوارق و خرافات کا انکار کرتا رہا اور تم نامعقول و غیر مقبول کے طالب ہو، پس)

(۳۱) ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ○ پھر تم (مع رسول کے) پیشی کے دن اپنی ربوبیت کرنے والے کے حضور جھگڑتے آؤ گے (اور تمھارا فیصلہ وہاں ٹھیک ٹھیک کیا جائے گا اور ہر ایک کو اُس کے کاموں کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ رسولِ مقبولؐ تو خدا کے بندے (عبد) بنتے رہے اور تم انھیں "خود خدا" کہتے رہے، وہ خدائی صفات کو خدا کے لیے خاص کہتے رہے اور تم انھیں خدائی صفات میں حصہ دار بلکہ اصل مالک بناتے رہے۔ وہ خوارق کا انکار کرتے تھے اور تم اُن کی طرف طرح طرح کی غیر معقول باتیں منسوب کرتے رہے۔ خدا تعالےٰ عزّ اسمہٗ کے سامنے رسولؐ امین، تمھارے جھوٹ اور افترا سے بریت کا اظہار کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ "اللہ تو پاک ہے، میں اس طرح کا دعویٰ کیوں کر کرسکتا تھا۔ جو میری شان کے

شایان نہیں ؟

رُسل و مبلغین حق اور ضدی اشرار میں خدا تعالیٰ کے حضور جھگڑا ہوتا ہے۔ اللہ والے بَری قرار دیے جاتے ہیں اور خدا کے خلاف اور خدا کی بھیجی ہوئی تعلیم کے خلاف کذب و افترا گھڑنے والے اپنے کیے کا بدلہ پا لیتے ہیں اور جہنم کی آگ میں، جس سے تیز تر اور کوئی آگ نہیں، جلتے ہیں۔

چوتھا رکوع | اس سے پہلے قرآن مجید کی عظمت ثابت کی اور اس کتاب مجید کی خوبیاں بیان فرمائیں۔ دوسروں کے غلام و عابد بننے سے بدلائل منع فرمایا اور یہ دکھایا کہ جبریہ ایمان ہمارے حضور نامنظور ہے سوائے خدا کے کوئی بھی غیب دان نہیں۔ خوش عقیدہ لوگوں نے مسیح کو کیا کچھ بنا لیا ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے، جانور بنا کر رُوح پھونکتے اور وہ اُڑنے لگ جاتے، اور زادِ اندھوں کو آنکھیں دیتے۔ کوڑھیوں کو اچھا کرتے، کسی نے جو کھانا کھایا ہوتا، وہ بتا دیتے اور جو ذخیرہ وہ رکھتے، اس کی خبر دے دیتے، وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان آیات کے یہی معنیٰ ہیں، جو یہ خوش عقیدت یا بالفاظِ دیگر مشرک لوگ کرتے ہیں، تو یقین جانیے کہ ایسا غیب دان اور اتنی قدرت رکھنے والا انسان صلیب تک ہرگز نہیں پہنچتا۔ اِن آیات بینات کے حقیقی معنیٰ اُس جگہ دیکھو، جہاں یہ واقعہ مذکور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے اُن کو خوابِ غفلت سے جگایا اور علمی اور عقلی مثالیں دے کر ان کی رُوحوں کی کثافت کو دُور کیا اور ترقی دی اور بلند کیا۔ آپ اُن کی گندی تجارت و معاشرت کی بُرائیاں بیان کر کے اُن کو صحیح راستہ پر آنے کی ترغیب و تحریص دلاتے تھے، مگر ضدی لوگ ایسی معقول تعلیم کو کب تسلیم کرتے ہیں؟ یہ لوگ تو مثال دیا کرتے ہیں کہ اجی! یہ بزرگ اگرچہ مخلوق ہوتے ہیں، مگر جس طرح لوہا آگ میں آگ کے رنگ کا ہو جاتا ہے، اُسی طرح سے یہ بھی واصل باللہ بندے سے خدا بن جاتے ہیں۔ صد ہزار افسوس! یہ لوگ افتراء علی اللہ کر کے بہت بڑے ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں اور انتہائی بے باکی سے توحید کی جگہ شرک کو دیتے ہیں پس اس پُرجلال اعلانِ خداوندی سے ذرہ بھر نہیں کانپتے، جیسے فرمایا:

(۳۲) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے، جو خدا پر جھوٹ تراشے اور جھٹلائے راستی کو جب اس کے پاس (یعنی اس کی سمجھ میں) آ جائے

(جب معقول بات سمجھ میں آگئی، تو پھر نیک آدمی حکم الٰہی پر اپنے کلام کو قاضی و حکم ہرگز نہیں بناتا اور
نہ کسی صورت میں بھی چار سے زیادہ عورتیں اکٹھی کرے گا، نہ اور ہی کسی طرح قرآن مجید کے صریح حکم کی
خلاف ورزی کرے گا، نہ وصیت کو چھپائے گا، کیوں کہ یہ ظلم ہے، نہ بلا وجہ احکام خداوندی میں سے خود کو
مستثنیٰ کرے گا، مگر دوست نما دشمنوں نے رسولِ امین پر بڑے بڑے الزام تراشے ہوئے ہیں، جو نادان
دوستوں کو تسلیم کرتے ہیں، نعوذ باللہ۔ کیا نبیؐ کو خبر نہ تھی، باوجود قرآن مجید آجانے کے بھی کہ خدا کی
مخالفت کرنے والے کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ کو ضرور خبر تھی اور ہمیشہ احکام خداوندی کے پابند رہے۔
ہاں بعض دفعہ بھولنے پر استغفار کیا اور ضد و شرارت سے کبھی بھی احکامِ الٰہی کا مقابلہ نہ کیا۔ یہی تو متقیوں
کی شایانِ شان ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے ہوتے کہ اعلان میں یہ بات بھی ہے کہ) کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ
نہیں ہے؟ (نبی اور رسول، خدا تعالیٰ کے قوانین کے دائرے سے باہر نہیں ہیں۔ اگر کوئی نبی بھی قانونِ الٰہی
کی خلاف ورزی کرے، تو وہ بھی مستوجبِ سزا ہے۔ نبی بھی متقیوں میں شامل ہیں اور ان کا متقی بننا
ضروری ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:)

(۳۳) وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿٣٣﴾

اور جو شخص سچائی لے کر آیا، اور (جس نے خود بھی) اس سچائی کی تصدیق کی، تو وہ لوگ جو ہیں، وہی متقی (یعنی
پرہیزگار) ہیں (نبی، غیر نبی تمام پرہیزگار، ایک ہی انسانی صف میں ہیں، نہ کہ خدا کی صف میں، یعنی نیک
بندے نیک بندوں ہی کی صف میں رہیں گے۔ پھر متقی بننے کا فائدہ بتایا کہ:)

(۳۴) لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٤﴾ ان

(متقیوں) کے واسطے ہے جو کچھ وہ چاہتے ہیں (جنت میں)، ان کی ربوبیت کرنے والے کے پاس
(اُن نعمتوں کا، جو اُن لوگوں کو آخرت میں ملیں گی، کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اُن کی ہر خواہش پوری ہوگی۔
دلوں میں مناسب خواہش بھی خدا ہی پیدا کرتا ہے۔ کسی چیز کی سیری اور کسی چیز کی رغبت کا پیدا کرنے والا
خدا ہی ہے۔ عطا و بخشش کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کے ہاں بخل و رعایت سے کام نہیں لیا جاتا، جیسا کہ
فرمایا) تمام نیکوکاروں کی (نہ کہ بعض کی) یہی جزا ہے (نبی، غیر نبی نیکوکار سب مُصلحین، متقین اور

محسنین میں شامل ہیں۔ ان احسان کرنے والوں کو خدا کی طرف سے بہت اچھا اجر ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص نیک نیتی سے کسی کے ساتھ بہتری کرنے کا ارادہ کرے، مگر بعض حالات کی وجہ سے اس دوسرے شخص کو نقصان یا تکلیف پہنچے، تو خداوند کریم، جو دلوں کے بھید تک جانتا ہے، اس نیک نیت شخص کو اچھا ہی بدلہ دیتا ہے۔ یہ بہتر ثمرہ اس کی خالص نیت کی بنا پر ملتا ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرنے کی کوشش کرے۔ بالفرض اس کے ذریعے کسی شخص کو برائی بھی پہنچے، تو بھی اللہ تعالےٰ احسن اجر ہی دے گا۔ ہاں جس کو برائی یا نقصان پہنچا ہے، اُسے اور کسی طرح بہتری عنایت فرمائے گا۔ کمزوریوں سے کوئی شخص بھی مبرا نہیں، ہاں نیک نیت ہونا ضروری ہے۔ ایسی حالت میں جو برائی کسی شخص سے ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بہ سبب اس کے نیک ارادوں کے قابلِ گرفت نہیں گروانے گا، بلکہ نیک نیتی کے باعث بہتر اجر عطا فرمائے گا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:)

(۳۵) لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ تاکہ اللہ تعالیٰ ان (محسنین) سے وہ برائیاں جو نیک نیت رکھتے ہوئے بعض حالات کے تحت انھوں نے کیں، دُور کر دے (نیک کاموں کا جو وہ کرتے رہے، ان کا بدلہ دے۔ غور طلب یہ چیز ہے کہ کیا یہاں اختیاری افعال کا ذکر ہو رہا ہے یا وحی کا، وحی میں تو برائی آہی نہیں سکتی، پس ضرور یہ کمزوریاں اختیاری کاموں میں ہیں اور کمزوریوں سے کوئی بشر بھی خالی نہیں ہے۔ یہ ہر شخص میں پائی جاتی ہیں، مگر اللہ تعالےٰ کی نظر دلوں کے ارادوں اور نیتوں پر ہے۔ اسی کے مطابق بدلہ ملتا ہے۔ اگر بُری نیت رکھتے ہوئے کسی سے کوئی نیک عمل ظاہر ہو گیا تو یہ قابلِ تحسین اور لائقِ اجر نیکی نہیں ہے، کیوں کہ اس کی نیت تو یہ تھی ہی نہیں کہ کسی شخص کا بھلا کرے۔ اسی طرح بہتری کی نیت سے کسی کو برائی پہنچ جائے، تو قابلِ گرفت تو کیا، اجرِ احسن کی مستحق ہے۔ برائی بہر حال برائی ہے، لیکن نیت خیر کے سبب نیک بدلہ ملتا ہے۔ پس یہ جزا و سزا سوائے خدائے قدوس کے اور کون دیتا ہے؟ وہی تو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ پھر ایسے قادرِ مطلق خدا سے منہ موڑ کر کہاں پناہ مل سکتی ہے؟ کیا ہم ہر حالت میں اس کے پورے قبضہ میں نہیں ہیں؟ کیا ہمارا ملجا و ماویٰ صرف وہی اکیلا زبردست حیّ و قیوم نہیں ہے؟ دیکھو، کس شفقت سے فرمایا:)

(۳۶) اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ؕ وَیُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ
دُوْنِہٖ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ہَادٍ ۚ (۳۷) وَمَنْ یَّہْدِ
اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ ۝ کیا اللہ تعالیٰ
اپنے بندے کے واسطے کافی نہیں ؟ (اے اللہ! تو ضرور کافی ہے اور ہر ایک کے لیے کافی ہے.
تیرے بغیر تمام کفائتیں بودی اور ناقابل ہیں. حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر.
وحی کسی کو ہو، خدا کا کلام ہوتا ہے. اس میں وحی پانے والوں کا کوئی حصہ اپنا نہیں ہوتا. ہاں پیغمبروں کا
کام پہنچا دینا ہوتا ہے. ان کا اس وحی کو بے کم وکاست پہنچانا فرض ہے. اگر اس میں کوتاہی کریں تو قابل
سرزنش ہوتے ہیں. ابراہیمؑ ہوں یا کوئی اور، وہاں کسی کی رعایت نہیں کی جاتی. ہاں رسالت کو کما حقہٗ
پہنچانے والے کی ہر طرح کی مدد کی جاتی ہے اور پورے طور پر تشفی فرمائی جاتی ہے. پس ایسے امین شخص
کو خوفِ الٰہی کے سوا اور کسی سے نہ ڈرنا چاہیے. کیوں کہ خدا خود ہی اس کی حفاظت کا کفیل ہے.
جیسا کہ فرمایا:) اور یہ (مشرک وغیرہ) تجھے ان لوگوں سے ڈراتے ہیں، جو اس (خدائے کافی) کے غیر ہیں
(کہ ان کے معبودانِ باطل اور مزعومہ شرکاء تجھے فلاں فلاں مصیبت میں گرفتار کردیں گے، ہرگز نہیں؛
تو ان کی خام خیالی کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا فرضِ منصبی پورا کرتا رہ. ہم تیرے نگران ہیں.
بات یہ ہے کہ نیکی ہو یا بدی یہ نتیجہ خیز ہیں اور اپنا اپنا پھل ضرور لاتی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:)
اور جسے خدا (اس کی بداعمالیوں کے باعث، اپنے لاتبدیل قانون کی رُو سے) گمراہ کردے پس اسے
کون ہدایت دینے والا ہے؟ اور جسے اللہ کامل مطلق اس کے نیک کاموں اور اپنے وعدۂ حق کے
سبب) ہدایت عنایت فرمائے بس اُسے کون گمراہ کرسکتا ہے؟ (جب یقین پختہ ہو، تو انسان بفضلِ
ایزدی کسی کے بہکانے سے کبھی بہک نہیں سکتا، کیوں کہ کامل ایمان دل سے نکل ہی نہیں سکتا
خواہ کتنی ہی تکالیف ومصائب کا سامنا ہو، دیکھو اب راہِ حق پر ثابت قدم رہنے والوں کو مژدہ
سنایا کہ اگر کفار ومشرکین کی ایذا رسانیوں کے باوجود تمھارے قدموں میں لغزش نہ آئی، تو پھر) کیا
اللہ غالب (اپنے صالح بندوں کی طرف سے ان کی تکالیف ومصائب کا پورا پورا) بدلہ لینے والا نہیں ہے؟

(بے شک وہ پورا انتقام لے گا پس ایسے موقع پر ظالموں کے لیے افسوس ہے. جب ظلم کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے. تو خدا تعالیٰ کی گرفت آگے بڑھتی ہے. ان کو ڈھیل دینے میں رحمتِ الٰہی اپنا کام کرتی رہتی ہے کہ برائیوں سے باز آ کر اس سخت عذاب سے محفوظ رہیں، جس کے تصور سے زہرہ آب ہو جاتا ہے. اب ناقابل انکار شواہد قدرت کو مشرکین کے سامنے پیش کر کے اُن سے جواب طلب کیا ہے کہ

(۳۸) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ اور اگر تو ان (مشرکین) سے (بھی) سوال کرے (یعنی، پوچھے کہ بھلا بتاؤ، تو یہ) زمین و آسمان کس نے بنائے؟ تو یہ کہیں گے کہ اللہ (کامل مطلق) نے (کیوں کہ یہ اشیاء تو مشرکین اور اُن کے بنائے ہوئے شریکوں سے پہلے کی بنی ہوئی ہیں، اس لیے ضرور کہیں گے کہ ان کو خدا ہی نے بنایا ہے اور پھر بات یہ ہے کہ نفع و ضرر اور رنج و فرحت کے سامان اور تکالیف و مصائب بھی زمین و آسمان ہی کے ذریعے پہنچتے ہیں. جب خدا تعالیٰ کسی کو نفع یا ضرر پہنچانا چاہتا ہے، تو انھی اسباب کو حکم دیتا ہے، پھر یہ کس کی مجال ہے کہ اُس کے ارادے میں رکاوٹ پیدا کر سکے یا اُس کے حکم کو ٹالنے کی جرأت کر سکے؟ مشرکین اور اُن کے بنائے ہوئے معبود سب کے سب اُس کی مشیت کے سامنے بے بس ہیں. خدا تعالیٰ کا ارادہ ہر حال میں پورا ہو کر رہتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ اے رسولؐ ان ظالموں (من دون اللہ پرستوں) کو کہو کہ بھلا دیکھو تو (یعنی، غور و فکر سے کام لو کہ) اگر اللہ تعالیٰ (کامل مطلق مقدم رضا کا مالک) میرے ساتھ (میرے نامناسب کاموں کی وجہ سے) ضرر (و تکالیف دینے) کا ارادہ کرے، تو جن کو تم اللہ کے سوائے پکارتے (اور حاجت روا اور مشکل کشا جانتے) ہو، کیا وہ اس تکلیف کو دُور کرنے والے ہیں؟ (ہرگز نہیں!) یا اگر وہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے (اپنے کریمانہ وصف کے سبب) تو پھر کیا یہ (تمھارے معبودانِ باطل) اس کی رحمت کو روک سکنے والے ہیں؟ (ہرگز نہیں، یہ تو اپنے نفع و ضرر اور حشر و نشر پر بھی ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے، چہ جائے کہ کسی دوسرے کے کام آ سکیں

پس نتیجہ یہ نکلا کہ متصرفِ حقیقی وہی ذاتِ واحد ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں تمام موجودات ہے ۔ انسان زنجیر کے ڈھیلے پن کو دیکھ کر اپنا اختیار جان لیتا ہے اور اس پر غور نہیں کرتا کہ زنجیر مالک کے ہاتھ میں ہے ۔ زنجیر کا کھینچنا یا ڈھیلا کرنا اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اُسی کی ذات پر اعتماد رکھنا چاہیے ۔ وہی ایک خدائے قدوس ہے ۔ ہاں معقول طریق پر اشیاء اور سامان سے کام لو ، مگر ان کو لائقِ بھروسہ نہ جانو ۔ مادے میں تمیز نہیں ہے ۔ اس میں ترتیب و ربط وُہی مالک و مختار پیدا کرتا ہے اور تمام اچھے و بُرے کاموں کے بدلے بھی وُہی دیتا ہے ۔ غرض وہی ذاتِ واحد ہر کام کا صحیح نتیجہ سامنے لے آتی ہے پس یہ بات غور و فکر کی مستحق ہے کہ صحیح معنوں میں ہمارے اعتماد اور بھروسے کا اہل کون ہے ؟ یہ کمزور و عاجز ہستیاں یا وہ کامل مطلق جس کی مرضی و ارادہ کو کوئی بھی روک ٹوک نہیں ہے ؟ اب لوگوں کو اختیار ہے کہ اپنے لیے جو رستہ چاہیں ، اختیار کریں ۔ اُن کے سامنے دھکتی ہوئی آگ بھی ہے اور مہکتی ہوئی جنت بھی ۔ مگر اے رسولؐ تُو کھلے بندوں) کہہ اللہ میرے لیے کافی ہے (دوسری تمام کفائتیں بے اعتماد ہیں ۔ بس حقیقت یہ ہے کہ) توکّل کرنے والے اُسی (کاملِ مطلق خدا) پر توکّل کرتے ہیں (پھر اگر اس معقول اور نتیجہ خیز تعلیم پر عمل نہیں کرتے ۔ تو پھر اہلِ شرک کی مرضی ، ورنہ رسولؐ اُن پر داروغہ تو ہے نہیں اور نہ ہی اس کا یہ منصب ہے کہ انھیں جبر کے ذریعے ایمان پر مجبور کرے ۔ انھیں بُرائی کے انجام سے غافل نہیں رہنا چاہیے ۔ پس اے رسولؐ ! ان حق و صداقت کے دشمنوں کو)

(۳۹) قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۟ۙ

کہہ دو ، اے میری قوم ! تم (اگر اپنے حق میں یہی مناسب سمجھتے ہو کہ شرک پر قائم رہنا ہی بہتر ہے تو) اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ (اور) میں (اپنے خدا کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق عمل کرنے والا ہوں (اس بات کا فیصلہ کہ کون حق پر تھا ۔ کسی لمبے زمانہ کے بعد جا کر نہیں ہوگا ، بلکہ) تم عنقریب جان لو گے ، (یعنی حق کا غلبہ اور باطل کی شکست بہت جلد تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے ۔ تمھارا جاہ و جلال ، دکھلاوے کی عظمت اور جھوٹی شان و شوکت ! جس پر تمھیں فخر و غرور ہے ، پادر ہوا ہو کر رہ جائے گی ۔ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی بہت جلد پوری ہوئی ۔ ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اسلام کا مکمل غلبہ اپنی پوری شان و شوکت

کے ساتھ جلوہ نما ہوتے دیکھا۔ مسلمان جب تک توحید پر پوری طرح قائم رہے، خدا کی مدد اور اس کا فضل اُن کے شامل حال رہا اور تمام نعمتیں ان کے ہاتھ آئیں۔ پھر جب انھوں نے بھی شخصیت پرستی اور قانون شکنی کی راہ اختیار کی، تو خدا کے اٹل قانون کے مطابق بالآخر وہ بھی ذلت و نکبت کی لپیٹ میں آ گئے۔ بارگاہِ الٰہی میں کسی فرد و قوم کی خاص رعایت اور بے جا طرف داری نہیں کی جاتی۔ عدل، فاطر ہستی کا ازلی اور ابدی قانون ہے۔ اگر مسلمان کہلانے والے اپنے مشرکانہ طور طریقوں سے نکلنے کی کوشش نہ کریں گے، تو وہ اس سے بھی زیادہ زبوں حالی اور پشیمانی میں گرفتار رہیں گے۔ یہ تباہی اور بربادی قومی حیثیت رکھتی ہے نہ کہ انفرادی۔ یہ مشاہدہ ہو رہا ہے کہ دنیا میں کون سی قوم دوسری قوموں کی بہ نسبت ہلاکت کے زیادہ قریب ہے۔ یاد رکھو! قومیں بحیثیتِ قوم کمال یا زوال کو پہنچتی ہیں۔ اگر مسلمان قوم اب بھی بلا شرکتِ غیرے خدائے واحد کو ماننے پر آمادہ نہ ہوئی، تو تباہ سے تباہ تر ہوتی چلی جائے گی۔ اور آخر کار حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے بے نیل و مرام مٹا دی جائے گی۔ پھر ایسا ہو گا کہ خدا کے دائمی قانون کے مطابق ان کے بجائے کوئی دوسری قوم پیدا کی جائے گی، جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پوری پوری نگاہ داشت کرے گی۔ کیا مسلم قوم اس تباہی کی گھڑی کا انتظار کرنا چاہتی ہے یا اپنی اصلاح کر کے، رسوائی سے بچ کر فائز المرام ہونا چاہتی ہے؟ اگر آج بھی مسلمان کہلانے والے اس قعرِ ذلت سے نہ نکلے، تو نتیجہ بہت جلد اُن کے سامنے آ جائے گا، جیسا کہ دوسرے اباطیل پرستوں کو فرمایا تھا کہ جلد ہی دیکھ لو گے کہ)

(۴۰) مَنۡ یَّاۡتِیۡهِ عَذَابٌ یُّخۡزِیۡهِ وَ یَحِلُّ عَلَیۡهِ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ۝ کس پر عذاب آتا ہے، جو اُسے (دنیا میں) رُسوا کرے گا (اور اسی پر بس نہیں ہے، بلکہ دوسرے عالم میں اور بھی زیادہ درد و مصیبت کا سامنا ہے اور یقیناً وہ تمہاری کجیوں کو نکالنے والا علاج ہوگا۔ یہ دنیا کی رسوائی) اور اس پر سیدھا کرنے والا (عاقبت کا) عذاب (دنیا کی رسوائی کو آخرت کی گرفت کے ثبوت میں پیش فرمایا ہے۔ سبحان اللہ! کیسی عام فہم مثالیں دے کر حق و باطل اور آرام و تکلیف کو واضح کیا گیا ہے مگر ضدی اور شریر طبائع حق سے متنفر ہی رہیں۔ اچھا اگر دنیا میں اپنی اصلاح نہ کریں گی، تو جہنم کا شفاخانہ تو تکلیف دہ علاج کے واسطے ہر وقت کھلا ہی ہوا ہے۔ دینِ حق میں جبر کو کوئی راہ نہیں ہے سوچ سمجھ کر بہتری کی طرف آؤ۔ قانونِ الٰہی پر چلنے والے ہی غلبہ پاتے ہیں، کیوں کہ حق ہمیشہ غالب رہتا چلا آیا ہے۔ یہ مشاہدہ کرتے ہوئے بھی اَڑے

رہنا اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ پس اے نبیؐ!)

(۴۱) اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ۝ بالتحقیق ہم (خدا نے) تم پر کتاب (یعنی قرآن) لوگوں (کی ہدایت) کے لیے حق کے ساتھ اتاری ہے (حق پر چلنے والوں کا غلبہ سامنے نظر آرہا ہے۔ پس یہ اس کا زبردست ثبوت ہے۔ اب اپنا نفع و نقصان خود سمجھ لو، جیساکہ فرمایا) پس جو سیدھے راستہ پر آئے گا، تو اپنی جان کے واسطے (بہتری کرے گا) اور جو گمراہ ہوتا ہے، تو سوائے اس کے نہیں کہ اس کی جان پر گمراہی (کا نقصان) ہے (نبیؐ کا اس میں کیا دخل ہے؟ وہ تو صرف مبلغ ہیں۔ جو کوئی جیسا کچھ کرے گا، اس کا ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ اکیلے اکیلے کی قیامت ہے۔ کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ شفاعت و سفارش وغیرہ سب جہلا کے ڈھکوسلے ہیں۔ ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق ہی رنج و راحت پاتا ہے۔ جیساکہ فرمایا، اے نبیؐ) اور تو ان (مجرموں اور کافروں) پر وکیل نہیں ہے۔

پانچواں رکوع (اب اگلے رکوع میں شفاعت کا ذکر آئے گا، کیوں کہ وکیل سے شفاعت کا تعلق ہے۔ رسولؐ وکیل بنا کر نہیں بھیجے گئے، بلکہ وہ مبلغ تھے۔ وکیل وہ ہے، جس پر پورا بھروسہ کیا جائے اور اپنا کام اس کے سپرد کیا جائے۔ یہ دنیوی وکالت نہیں، جس میں دھوکا، فریب، جھوٹ، رشوت اور ظلم وغیرہ سب کچھ جائز سمجھا گیا ہے۔ پس آپؐ کو ایسا بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ آپ پر پورا پورا بھروسہ کرکے لوگ اپنے کام آپؐ کے سپرد کردیں، ہرگز نہیں۔ پس نعم الوکیل وہ باری تعالےٰ ہی ہے، جس پر کامل بھروسہ رکھنا چاہیے۔ دوسرے لوگ تو جذبات وغیرہ کے ماتحت ہیں، متصرف حقیقی پورے اختیار والا، صحیح نتیجہ نکالنے والا، عالم الغیب والشہادہ صرف وُہی خدائے قدوس ہے۔ اسی نے کامل قرآن کو لوگوں کے واسطے حق کے ساتھ اُتارا۔ لوگوں میں رسولؐ بھی شامل ہے؛ جو کوئی بھی اچھے یا بُرے اعمال کرتا ہے، اس کا بدلہ حاصل کرتا ہے۔ کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ شفاعت: مدد وغیرہ کا عقیدہ بالکل غلط ہے —— شفاعت ساری کی ساری ایک اللہ کامل مطلق ہی کے واسطے ہے۔ رسولؐ کریم جب اس دنیا میں وکیل کامل؛ یعنی بھروسہ کے لائق بنا کر

نہیں بھیجے گئے، تو دوسرے عالم میں وہ ہمارے شفیع کیوں کر ہوں گے۔ شفیع ظاہر و باطن کا پورا پورا جاننے والا، حقیقی مالک، قادرِ مطلق اور مختارِ کُل خدا ہونا چاہیے؛ نہ کہ لاعلم، بے مملکت، بے اختیار اور کم زور انسان۔ بنی آدم سب کم زور ہیں، دیکھو خدا تعالےٰ نے انسان کی بے بائیگی کا نقشہ کیسے اعلیٰ طریق پر کھینچا ہے اور اپنی طاقت وحکم کو کس طرح واضح فرمایا ہے۔ اپنی پوری طاقت اور مخلوق کا پورا عجز کیسے بے غلط رنگ میں پیش فرمایا۔ غرض یہ ہے کہ خدا کا انسانوں کو بُلا لینا یا کچھ ڈھیل دینا کامل طور پر اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہمیں اُس کے احکام کے سامنے چون وچرا کرنے کی کوئی طاقت نہیں ہے۔ خدا کی طرف سے جو کچھ بھی حکم ہوتا ہے، بلاحیل وحجت عمل ہوجاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں انسان ہر لحاظ سے عاجز اور مجبور ہے۔ فرمایا:)

(۴۲) اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ اللہ (کامل مطلق)

جانوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جو (نفس) مرے نہیں، ان کو سوتے میں (قبض کرتا ہے)، پس جس نفس پر موت وارد کر دی، اس کو روک لیتا ہے (اور دوسرے عالم میں جواب دہی کے لیے لے جایا جاتا ہے) اور دوسرے کو (یعنی جس نفس پر حقیقی موت وارد نہیں ہوتی، اس کی روح کو) ایک وقت مقررہ تک (واپس) بھیج دیتا ہے (نفسوں یعنی سانس لینے والوں کی موت کی دو ہی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ حقیقی موت اور نیند۔ یہ آیت کلیت دکھاتی ہے کہ توفّی کا تیسرا طریقہ کوئی نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ جس کو زیادہ عمر دیتا ہے، اسے کم زور کر دیتا ہے۔ انسان عاجز ہے؛ خدا ہی اصل محافظ ہے۔ پس ایسے واقعات پر گہری نگاہ ڈالنا چاہیے۔ اس میں عظیم الشان سبق ہے۔ اس کو نظر انداز کرنا جہالت کا ثبوت دینے کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:) تحقیق اس (واقعہ) میں البتہ نشانیاں ہیں (ظالموں اور جاہلوں اور غور وفکر سے محروم انسانوں کے لیے نہیں، بلکہ) غور (وفکر) کرنے والوں کے واسطے

(جن کی غور و فکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمارا مالکِ حقیقی جزا و سزا دینے کا پورا اختیار رکھنے والا ہے، واحد، قہار، غفار اور ستار ہے۔ اُس کے دربار میں کسی دوسرے کو ذرہ بھر مالکیت اور اختیار تو کجا، یارائے دم زدن نہیں ہے۔ مشرکین کا یہ خیال کہ وہاں اگر کوئی باز پرس ہوئی بھی، تو ہمارے شفعا ہمیں بچالیں گے، سراسر غلط ہے۔ کیوں کہ ایسے کام دنیا کی ذلیل اور رشوت خوار عدالتوں ہی میں ہو سکتے ہیں۔ خداوند کریم کو نہ کسی کے روٹھ جانے کا خیال ہے، نہ خفا ہو جانے کا خوف۔ وہ غنی و حمید ہے اور مالکِ یوم الدین ہے۔ اس کے دربار میں کوئی نفس کسی نفس کے واسطے کسی طرح کا اختیار نہیں رکھتا۔ حکم سارے کا سارا صرف اُس اکیلے خدا ہی کے لیے ہے۔ پھر کسی عاجز اور بے بس انسان کی کیا حقیقت ہے کہ وہ خدائے احکم الحاکمین ایسے بے غلط زبردست غیب دان شہنشاہ کے سامنے کسی کی سفارش لے جائے۔ وہ تو اپنی جانوں پر بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہیں جانتے کہ خود اُن کے ساتھ اس عدالتِ حقیقی میں کیا برتاؤ ہوگا؟ توکلِ الٰہی کے سوا تمام امیدیں اور بھروسے غلط اور محض بے بنیاد ہیں، جیسا کہ فرمایا:)

(۴۳) اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ○ کیا انہوں نے اللہ کے سوا (اور) شفیع پکڑے ہیں (وہ کون ہیں جو میرے سامنے کچھ کہ سکیں۔ اے رسولؐ! انھیں ان کے مزعومہ شفعاء کی حقیقت سے آگاہ کردو اور بتادو کہ ایک عاجز دوسرے عاجز کے کام کیا آسکتا ہے؟ وہ اختیار سے محروم ہیں اور علم سے بے بہرہ۔ بایں ہمہ یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ان کے گناہوں کی شفاعت کریں گے، کتنا لوکھا عقیدہ ہے۔ جو صرف مشرکین ہی کو زیب دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ) کہ دے، خواہ وہ اگر کسی شے کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ (کچھ) عقل ہی رکھتے ہوں (شفاعت کے لیے اختیارات ہی کی ضرورت نہیں، عقل کی بھی ضرورت ہے۔ وہ بے چارے کیا جانتے ہیں کہ خدا اگر کسی شخص کو سزا کا مستوجب قرار دیتا ہے، تو اس کے علم و عقل نے یہی مناسب اور جائز سمجھا ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کسی شخص کے اعمال کیسے ہیں اور اُن اعمال کی رُو سے اُسے کتنی سزا ملنی چاہیے۔ دنیا کی عدالتیں ہر روز ہزاروں غلط فیصلے دیتی ہیں۔ نہ صرف اس لیے کہ وہ رشوتوں سے متاثر ہو

جاتی ہیں، بلکہ اس لیے بھی کہ انسانی جرائم کے بعض مخفی گوشے ان کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں بعض مرتبہ بے گناہ انسان تختۂ دار پر کھینچ جاتے ہیں اور اکثر اوقات نہایت ظالم اور خوں خوار انسان صاف بچ کر نکل جاتے ہیں۔ مگر خدا کی عدالت ایسی عدالت نہیں ہوسکتی۔ وہ سفارشوں سے بے نیاز ہے۔ اس لیے کہ اُس کے سامنے انسان کا ہر اچھا اور بُرا عمل، اس کے محرکات اور اس کی داخلی اور خارجی ترغیبات پوری طرح آشکارا ہیں بس وہ ہر حال میں انصاف ہی کرے گی اور شفاعت کا سارے کا سارا حق بھی اُسے ہی پہنچتا ہے) پس فرمایا:

(۴۴) قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ کہ اللہ (کامل مطلق) کے واسطے ہے شفاعت ساری کی ساری (خدا کے بغیر تمھارے لیے کوئی بھی ولی اور شفیع نہیں۔ انعام ۶۰۔ شفیع وہ ہو سکتا ہے، جو مالکیت اور اختیار رکھتا ہو اور یہ صفات سوائے ذاتِ باری کے اور کسی میں کہاں ہیں، جو کسی کی شفاعت کرے؟ فرمایا کہ:) اسی (اللہ) کے لیے (تمام) آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے (اور اسی اللہ کا کلی اختیار، دیکھو کہ جب وہ حکم فرماتا ہے، تو تم بلا چون وچرا اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے اسی مالک یوم الدین کے حضور حاضر ہو جاتے ہو۔ چنانچہ فرمایا:) پھر اُسی کی طرف تم لوٹائے جاتے ہو (اس عالی شان تعلیم توحید کا اثر ضدی کفار و مشرکین کی طبائع پر کیا ہوا؟ یہ کہ وہ غیض وغضب میں آپے سے باہر ہو گئے اور دینِ حق کی اندھا دھند مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور ان کی صورتوں سے بیزاری ظاہر ہوئی۔ فرمایا:)

(۴۵) وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝
اور جب (ان کے سامنے) اللہ اکیلے کا ذکر آتا ہے، تو نفرت کرتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (اللہ اکبر! جس کی نعمتیں حد و شمار میں بھی نہیں آسکتیں۔ اس کی یاد سے نفرت کرتے ہیں) اور جب (اپنے جیسے مشرکین وغیرہ سے) ان لوگوں کا ذکر سنتے ہیں، جو اس

(خدائے واحد) کے غیر ہیں (فلاں دست گیر، فلاں شفیع المذنبین، فلاں غوث اعظم،.......
تو وہ خوش ہوتے ہیں (افسوس ہے ظالموں پر کیسی الٹی کھوپڑی کے مالک ہیں بس لے نبیؐ!
یہ نالائق اگر اس نتیجہ خیز تعلیم سے نفرت کرتے ہیں، تو کرنے دو، آخر یہ جائیں گے کہاں؟ تو کامل
یقین کے ساتھ مالکِ حقیقی کی تعریف میں لگا رہ، وہی تمام تعریفوں اور خوبیوں کا مالک ہے، اس کی
حمد گانا ہی خوبی والی بات ہے۔ اسی نے خوبیوں والی کتاب نازل فرما کر بندوں پر بے پایاں احسان
کیا۔ اس سے تعلق پکڑنا نجات کا موجب ہے۔ وہ اکیلا ہی کافی سہارا ہے، دوسرے تمام سہارے
بودے اور بے کار ہیں۔ اس مالکِ حقیقی سے پرے ہٹنے میں بہت بڑی تباہی ہے۔ وہی باریک بین
خدا تمام کاموں کے صحیح نتائج نکال کر جزا و سزا دیتا ہے۔ کسی کو اس کے کام میں ذرہ بھر دخل نہیں ہے۔
وہی ہماری نیتوں سے پورا پورا آگاہ ہے۔ ایک ایک ذرے پر اس کی حکومت جاری و ساری ہے۔
اس کے بغیر کوئی بھی شفیع اور مددگار نہیں۔ اس سے منہ پھیر کر کہیں بھی پناہ نہیں مل سکتی۔ اس
کے باغیوں کا ٹھکانہ سوائے جہنم کے اور کہیں نہیں۔ اس کے فیصلے صحیح اور اس کا حکم اٹل ہے۔
پس اے رسولؐ! تمام لوگوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دو اور)

(۴۶) قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ
الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

کہہ دے اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے اور غیب و ظاہر کے جاننے والے
(حکومت صرف تیری ہی ہے) اور (اکیلا) تو ہی اپنے بندوں کے درمیان (ان باتوں کا
جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں) فیصلہ کرتا ہے (تجھے کسی مددگار اور مشیر و وزیر کی قطعاً ضرورت
نہیں۔ پس چاہیے کہ انسان کفارہ و شفاعت کے بدترین عقیدے سے خالص توبہ کرکے
خالص مومن باللہ بن جائے۔ شفاعت وغیرہ کا ہونا تو کجا، تمام فرعومہ شفعاء وغیرہ کو سزا کے
بدلے میں دے دینا بھی اس روز بے کار محض ہے۔ تکالیف سے خلاصی پانے کے لیے اگر مال و باپ،
اولاد، رشتہ دار اور تمام چیزوں کو بھی فدیہ میں دیا جائے تو بھی ظالموں سے عذاب نہ ٹلے گا۔
کسی کو اس کے حضور دم مارنے کی بھی مجال نہیں۔ پس، قبل از وقت اس لعنتی خیال سے

تائب ہونا سُرخ رُوئی کا ذریعہ ہے۔ جلد از جلد بارگاہِ ایزدی میں رجوع کر کے سچے دل سے نادم ہو کر مغفرت مانگو اور عقیدۂ توحید پر کاربند ہو کر صلاحیت والے کام کرو۔ تاکہ وہ ایزدِ متعال تمہیں اپنی وسیع رحمتوں سے نہال کر دے۔ پس اللہ کے مُسلم اور خیر خواہِ خلق بن کر نجاتِ اُخروی حاصل کرو، ورنہ یاد رکھو کہ وہ لوگ جو اطاعتِ حق کی راہ پر نہیں چلتے۔ اُن کا انجام بہت ہی بُرا ہے اور ایسا بُرا ہے کہ اس ہیبت ناک عذاب کو تصور میں لانے سے بدن میں کپکپی آ جاتی ہے اور پیشتر اس کے کہ وہ ہَول ناک وقت تم پر آ جائے، تم خدا کے حضور سچی توبہ کرو اور اُسی کے آگے جُھک جاؤ کہ اسی میں نجات ہے۔ پھر پچھتائے کیا بنے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ دیکھو ظالموں کا انجام۔

(۴۷) وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ○ اور اگر پاس ہوتا، جو کچھ زمین میں ہے اور اُس کی مانند (اور زمین بھی معہ تمام انبیاء و رسل اور دوسرے نیکوکار صلحاء وغیرہ کے) ضرور ہے کہ وہ فدیہ میں دیتے ساتھ اس کے عذاب کی سختی سے بچنے کے لیے پیشی کے وقت (پھر بھی نہ بچتے، کیوں کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو سزا دی جائے۔ ان کو بار بار قرآن مجید میں مثالیں دے کر بتایا کہ مقدم مرضی صرف اکیلے خدا کی ہے۔ دو یا زیادہ مرضیاں مقدم نہیں ہو سکتیں مگر یہ اپنے مزعومہ شفعاء کے بَل بوتے پر اکڑے رہے۔ پھر حاضری کے موقعہ پر کیا ہوا؟ ارشاد ہوتا ہے) اور ظاہر ہو گیا واسطے ان (ظالموں، مشرکوں، نابہکاروں) کے (جو مر چکے) اللہ کی طرف سے جو گمان نہ رکھتے تھے کہ ایسا ہو گا (ان کا خیال تھا کہ اگر ہمیں گرفت بھی ہوئی، تو ہمارے مددگار چھڑا لیں گے۔ یہ سختیاں تو اُن کے گمان میں بھی نہ آ سکتی تھیں۔ وہ شفیعوں کے گھمنڈ میں تھے مگر یہاں اس اپنے خیال کے خلاف نظر آیا اور کوئی شفیع ڈھونڈے سے بھی نہ پایا)

(۴۸) وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

اور ظاہر ہوگئیں ان (مغرور متکبرین، مشرکین) کے واسطے برائیاں، جو انھوں نے کمائی تھیں اور گھیر لیا اُن کو اس (عذاب) نے جس کی وہ ہنسی اُڑاتے تھے (خدا کو اکیلا اور کافی نہ جانتے تھے حالاں کہ دنیا میں بھی اُس کی توحید کا پورا مشاہدہ تکالیف کے وقت ہو جاتا ہے۔ اس موقعہ پر کوئی دوسرا مددگار سوائے پروردگار کے یاد نہیں آتا۔ ہاں کوئی شخص کسی دوسرے کی یاد دلائے، تو ممکن ہے کہ غیر کی یاد آئے۔ ورنہ صرف خدائے واحد ہی کا نام زبان پر آتا ہے۔ جب یہ بات ہے، تو چاہیے کہ ہر حالت میں اسی معبود حقیقی کو سامنے رکھا جائے اور اسی کی یاد سے دل کو تسکین دی جائے اور اس کے بغیر کسی کو کسی حالت میں بھی مشکل کشائے حقیقی نہ سمجھا جائے مگر ظالم دجال شریر و متکبر انسان اطمینان کے موقعہ پر سخت ناشکر گذار بن جاتا ہے، جیسا کہ فرمایا:)

(۴۹) فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۚ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○

پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو ہمیں (یعنی خدائے واحد کو) پکارتا ہے (کیوں کہ اس وقت اُس کو ہمارے سوا کوئی بھی دستگیر نظر نہیں آتا۔ تمام مزعومہ حاجت رواؤں کی یاد فراموش ہو جاتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سوائے خدا کے دافع البلیات دوسرا بھی کون؟ مگر یہ احسان فراموش جلد ہی ان مہربانیوں کو بھلا دیتا ہے، بلکہ اپنی ہی ڈینگ مارتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:) پھر جب عطا کرتے ہیں ہم کوئی نعمت اس کو اپنی طرف سے تو (یہ ناقدردان انسان) کہتا ہے کہ سوائے اس کے نہیں کہ یہ نعمت دی گئی ہے میرے علم (و ہنر) کے مطابق (یعنی یہ نعمت میری ذاتی کوشش کا پھل ہے، جو مجھے دُکھ سے نجات ہوئی ہے، تو کیا ایسوں کا یہ کہنا رائگان جائے گا اور ان کو گرفت نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی)، بلکہ یہ (نعمت) آزمائش ہے، مگر ان میں اکثر شعور نہیں رکھتے (اس کہنے پر غور و فکر سے فیصلہ دیں کہ ایسا کہنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ ایسے کلمے قارون وغیرہ نے کہہ کر کیا حاصل کیا، زمین میں معہ تمام سامانوں کے دھنسا دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ)

(۵۰) قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○

تحقیق یہی بات (کلمۂ شرک) کہی انھوں نے، جو ان (مشرکین متکبرین) سے پہلے تھے بس نہ کام آئے اُن کے کوئی بھی کسب (و ہنر. ابتلاء و عذاب کے وقت. ان کے تمام علمی دعوے بے کار ثابت ہوئے. بات یہ ہے کہ متصرف حقیقی مہلت دیتا ہے اور نتیجہ کو ان کے کاموں کے مطابق کر دیتا ہے، تو لوگ اپنے آپ کو ہی اہل جان کر اپنے علم و ہنر پر نازاں ہو جاتے ہیں اور بڑی بڑی ڈینگیں مارتے ہیں۔ اپنے آپ کو عالم جاننا انسان کی بڑے درجے کی جہالت ہے. اکثر بڑے بڑے عالم حیران و پریشان دیکھے گئے ہیں. اس عجز پر ایسا گھمنڈ. یہی اصل نادانی ہے. ایسے نازیبا کلموں سے بچنا لازم ہے، ورنہ ضرور گرفت ہوتی ہے. جیسا کہ فرمایا کہ ان ناہنجاروں کا انجام ہوا یہ کہ)

(۵۱) فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۚ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ پس پہنچی برائی اُن کو اس چیز کی کہ کماتے تھے اور ان (موجودہ لوگوں) میں سے جو ظالم ہیں، اُن کو قریب ہی پہنچے گی برائی اس کی، جو کمایا انھوں نے (یہ سُنت اللہ ہمیشہ سے اسی طرح جاری ہے (ہمارے کاموں میں کون رکاوٹ ڈال سکتا ہے. یہ اشرار زور لگا کر دیکھ لیں کہ کسی حالت میں بھی یہ کچھ نہیں کر سکتے۔ کسی کو تابِ مقابلہ تو کجا، دم مارنے کا حوصلہ نہیں. ارشاد ہوتا ہے:) اور نہیں ہیں یہ لوگ (مجھ خدائے قہار کو) عاجز کرنے والے (تمام موجودات میری مملوک اور میرے قبضۂ قدرت میں ہے. یہ اشرار اپنی بے بسی کو دیکھیں اور میرے اختیار کا چشمِ بصیرت سے نظارہ کریں. کب تک کورانہ تقلید کے گڑھوں میں گریں گے۔ غور کریں کہ کون حقیقی رازق ہے؟ ہر شے میں کس کا تصرف ہے: فرمایا:)

(۵۲) اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ کیا نہیں جانا انھوں نے کہ اللہ تعالیٰ جس کے واسطے (مناسب دیکھ کر) چاہتا ہے، رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کو مناسب

دیکھتا ہے اسے) ماپ کر دیتا ہے۔ تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ایمان رکھنے والوں کے لئے (وہ خوب جانتے ہیں کہ ہمارا خدائے حکیم و خبیر کبھی غیر مناسب ارادہ نہیں کرتا جو کچھ وہ کرتا ہے عین حق ہوتا ہے مومن مصائب میں گھبرا کر غیر اللہ کی طرف نہیں جھکتا۔ مومن باللہ ہونے کی شکل میں اللہ تعالیٰ اس کی سابقہ غلطیاں معاف فرما دیتا ہے۔ اسے گزشتہ گناہوں کی بخشش سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ آئندہ صلاحیت والے کام کرتا جائے اللہ اسکے پہلے جرائم پر گرفت نہیں کرے گا شرم کی بات ہے کہ ایسی مہربانیاں دیکھ کر بھی انسان تائب ہو کر مالک حقیقی کی طرف رجوع نہ کرے' ارشاد)۔

چھٹا رکوع (۵۳) قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ کہہ اے میرے (یعنی خدا کے) بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آس نہ توڑو (آئندہ اپنی اپنی اصلاح میں کوشاں رہو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) سارے کے سارے گناہ بخش دیتا ہے (کیونکہ) بے شک وہی بخشنے والا معاف کرنے والا ہے (دوسروں کے بھروسے چھوڑ کر مالک الملک کی طرف متوجہ ہو جاؤ اسی کے حقیقی اور سچے مسلم بن جاؤ اور بہت جلد اپنی اصلاح کر لو وہ گرفت کا وہ دن آگیا تو پھر کچھ بنائے نہ بنے گی۔ جیسے کہ فرمایا)

(۵۴) وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ اور رجوع کرو اپنے پروردگار کی طرف اور اس کے مطیع ہو جاؤ پیشتر اس کے کہ آئے تم پر عذاب پھر نہ مدد کئے جاؤ تم۔ (کسی مددگار کی طرف سے۔ کیوں بندوں کو خدا بناتے ہو مالک حقیقی کی قدر کرو اس میں تمہارے ہی لئے بہتری ہے بس مسلم بننے میں دیر نہ کرو)

(۵۵) وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اور پیروی کرو بہت اچھی بات کی جو تمہاری طرف اتاری گئی (قرآن مجید کی شکل میں) تمہارے رب کی طرف سے پیشتر اس کے کہ

آجائے تم پر عذاب ناگہان اور تمہیں شعور نہو (پھر اس کے بعد کوئی عذر قابلِ سماعت نہو گا۔ بس تمام باتوں کو واضح اور بیّن طور پر اس قرآن مجید میں بتادیا ہے' پھر اتمام حجت کے بعد کوئی معذرت نہیں سُنی جائے گی۔ سُن لو کہ یہ مفصل اور مکمل کتاب کیوں اتاری گئی؟)

(۵۶) اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ۝ مبادا کوئی شخص کہے افسوس اس پر کہ میں نے اللہ کے حق میں تقصیر کی اور میں ہنسی کرنیوالوں میں شامل رہا۔ (خدائے واحد کے ساتھ دوسرے عاجز بندوں کو ملاتا رہا' توحید کی توہین اور شرک کی بڑائی کرتا رہا۔ کوئی ایسا عذر قابل پذیرائی نہیں ہے' کیونکہ کتاب اُتار کر سب باتوں کو کھول کر بیان فرمادیا گیا ہے۔ اس میں خدا کی کبریائی اور دوسروں کا عجز واضح کیا گیا ہے' مگر اشرار نے دوسروں کی بڑائی اور خدا کی تقصیر کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے' پھر عذاب کے بعد یہ خرافات کیونکر سنی جائے۔ نزول قرآن کی ایک یہ وجہ ہے کہ حقوق اللہ میں کمی نہ کی جائے کیسا عالی شان بیان ہے غرض کسی کی معذرت کا کوئی موقع نہیں ہوگا۔ اور)

(۵۷)۔ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ یا (دوسری وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص یہ) کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے (اپنی وحی سے) ہدایت دیتا تو میں پرہیزگاروں میں سے ہوتا (یہ حجت بھی پوری کردی یعنی قرآن اکمل اتار کر یہ عذر بھی توڑ دیا۔ نیز تیسری وجہ نزول یہ ہے کہ)

(۵۸) اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ یا کوئی شخص) کہے جب عذاب کو دیکھے" اے کاش کہ میرے لئے (دنیا میں) مڑنا ہو (وہاں جاکر) پھر میں ہو جاؤں نیکی کرنے والوں میں سے۔ (یہاں یہ بھی بتادیا کہ واپسی محال ہے ایک ہی موقع ہے جو کرنا ہو کر لو پھر یہ باتیں قابل سماعت نہ ہوں گی۔ کیا کچھ عذر معذرت کا موقع چھوڑا گیا ہے۔ تمام واہی شکوک کے جواب باصواب فرقان حمید میں ہیں

دیدیئے؟)

(۵۹)۔ بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ○ کیوں نہیں (دیئے ضرور دئے) تحقیق آئیں تیرے پاس (اے کافر) میری آیات (دلائل واضح) پس جھٹلایا تو نے (بسبب سرکشی غرور وتکبر کے) ان کو اور تکبر کیا تو نے اور تھا تو (سخت ناقدردان) کافروں سے (پس یہ قرآن مجید بذریعہ رسولؐ نازل فرما کر سب چیزوں کا کھلا کھلا حال واضح کر دیا جو بھی اس پر کاربند ہوگا کامیاب ہوگا اور اس سے منحرف ہونے والا طرح طرح کے عذابوں میں پھنسے گا)۔

(۶۰) وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَی اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ○ اور قیامت کے دن (ہر شخص دیکھتا ہے اور) تو (بھی) اُن لوگوں کو دیکھیگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ چہرے اُن کے سیاہ ہیں کیا متکبروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟ (خدا پر افترا کرنے والے کا منہ کالا ہوتا ہے کیا ایسی عالی شان تعلیم لانے والا مفتری ہو سکتا ہے؟ کیا یہ مفتریوں کے انجام سے بے خبر ہے؟ ہرگز نہیں اسے یقین ہے کہ نیک و بد یکساں نہیں ہو سکتے۔ خداوند کریم معقول حکم دیتا ہے پیغامبر اگر جھوٹ بولے تو شارع عام میں قتل کیا جائے اور کوئی اپنا مددگار نہ پائے۔ پھر یہ کس طرح ایسی بات اللہ تعالیٰ پر لگائے جس کا اسے حکم نہیں ملا پس اے لوگو تعلیم حق پر کاربند ہو جاؤ اور تعلق پیدا کرو خدائے حی وقیوم سے جس نے تمام نیک و بد کاموں کا بدلہ دینا ہے۔ آخرت میں اشرار کی بہت بری گت بنتی ہے اور نیکوکاروں کو اعلیٰ انعاموں سے نوازا جاتا ہے، متکبرین ومکذبین کا نقشہ دکھلا کر اب اچھے لوگوں کا حال بیان فرمایا کہ ان سے کیا سلوک کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے)۔

(۶۱) وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ○ اور نجات دیتا ہے اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو ان کے حسب مراد

نہیں پہونچتی ان کو (کوئی بھی) تکلیف اور نہ وہ لوگ غم کرتے ہیں (یہی ان کی خواہش اور مراد ہوتی ہے کہ ہم عذاب سے بچ کر آرام و آسائش پائیں تو پھر کیوں نہ بموجب وعدۂ خداوندی انہیں یہ نعمتیں ملتیں؟ یقیناً ملتی ہیں۔ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا۔ پس انسان کو چاہیئے کہ توحید پر پورا پورا عمل پیرا ہو کر اور مخلوق سے خیر خواہی کرکے محسن بن جائے۔ توحید تو اتنی واضح چیز ہے جس کے ڈھونڈھنے کے لئے کسی لمبے سفر اور باریک بینی کی ضرورت نہیں ہاں قدرے بصیرت سے کام لیا جائے اور بالکل ہی آنکھیں بند نہ کرلی جائیں تو حقیقت کھل جاتی ہے کہ)۔

(۶۲) اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ ۝ اللہ تعالیٰ

(کامل مطلق ہی بلا شرکت غیرے) ہے بنانے والا ہر (پسندیدہ) شے کا (کوئی دوسرا کسی چیز کا حقیقی خالق نہیں ہے۔ صرف خالق اللہ ہی ہے) اور وہی (اللہ تعالیٰ ہی) ہے ہر چیز پر وکیل (زمین آسمان چاند سورج ستارے سیارے پہاڑ سمندر ندی نالے اشجار روشنی اندھیرا ہوائیں اور بھی بے شمار مخلوق پھر ان میں نظم و ربط دیکر ایسا منظم کیا کہ غلطی کو کہیں راہ نہیں کیا صرف اتنی سی بات سے صاف نہیں نظر آجاتا کہ یہ ایک ہی ارادے کا کام ہے اور وہی رب العالمین خالق ہے۔ اس کی خالقیت کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے؟ پھر ہر چیز میں خواہ آسمان ہو یا زمین برّاعظم ہو یا جزیرہ کوہ ہمالہ ہو یا ذرہ اور اس سے کم کچھ سب میں اس کارساز حقیقی کا تصرف ہر آن جاری و ساری ہے اور اسی وحدہٗ لاشریک کی حفاظت میں تمام موجودات پرورش پا رہی ہے۔ وکیل وہی ہے اور ہونا بھی وہی چاہیئے وکیل وہ ہوتا ہے جس کے سپرد سب کچھ کیا جاتا ہے اور جو پورے بھروسہ کے لائق ہو جس پر توکل کیا جائے فانی چیزوں پر توکل یا بھروسہ کرنا انتہائی حماقت ہے۔ سوائے خدا کے کون صحیح اندازے لگا سکتا ہے؟ وہی ہر ایک چیز پر پورا پورا قابض ہے اس کے قبضہ سے باہر ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ)

(۶۳) لَهٗ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝ زمین و آسمان کی کنجیاں اسی (خالق و مالک

فاعلِ مختار خدا) کے پاس ہیں (تمام موجودات پر پورا حکم اور اختیار اس کا ہے تمام سامان اس کے حکم کے پیچھے چلتے ہیں وہ فوق الفطرت ہے اس کے قوانین نہیں بدلتے ہاں اس کے حکم واشارہ سے اعیان کائنات تغیر پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ہے اس کے قبضہ کا ثبوت جتنی واضح بات ہے ظاہر ہے مگر اشرار ایسی صریح اور صاف تعلیم میں بھی پیچ ڈالنا چاہتے ہیں اور حقیقت کو مبہم کرکے دکھاتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ خالق، لائق توکل، صاحبِ طاقت یہ تینوں کام خدا ذوالجلال کے شایاں ہیں اور توحید ثابت شدہ چیز ہے۔ ہاں ضد و شرارت، بغض و عناد اور کفر وجہالت سے کوئی نالائق دو اور دو کو پانچ کہدے تو اس کا وبال اس کی گردن پر۔ ایسے واضح برہان سے منہ موڑنا سودمند نہیں ہوا کرتا۔ جیسے فرمایا) اور جو لوگ آیات الٰہی (واضح برہان، پختہ و بے غلط دلائل اور ثابت شدہ توحید) کی ناقدری کرتے ہیں یہی ہیں جو خسارہ والے ہیں۔ (صاف بات ہے کہ ہر چیز کے پیدا کرنے والے پورے کارساز، لائق توکل اور کامل متصرف خدا کو چھوڑنا اور ایسی صریح سند کے بعد چھوڑنا، کتنی بڑی جہالت ہے اور پھر بھی یہ مشرکین دکافرین گھاٹے والے نہ ہوں تو کیا ہوں۔ توحید پر ایسے دلائل اور پھر ان کا انکار تو کوئی دشمن عقل ہی کرسکتا ہے۔ ایسے حالات کے ہوتے ہوئے اور ایسے شواہد کی موجودگی میں جہالت پر اڑے رہنا سخت نالائقی ہے۔ اے نبیؐ ایسے اشرار کو)

ساتواں رکوع | (۶۴) قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ

کہہ! اے جاہلو کیا پھر تم اللہ تعالیٰ (کامل مطلق، خالق کل قابلِ توکل اور پورے قبضہ والے) کے غیر کی عبادت کا مجھے حکم دیتے ہو؟ (یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایسے کامل مطلق، فاعل مختار متصرف حقیقی ذاتِ واحد کو چھوڑ کر عاجزوں درماندوں کی پوجا کروں لائق عبادت صرف ایک خدا ہی ہے، وہی مقدم مرضی والا ہے، اسی کے دستِ قدرت میں ہر مخلوق کی باگ ہے ڈھیلی کرے یا کھینچ لے وہ صاحبِ اختیار ہے۔ لوگ پیچ ڈالکر اس کے ساتھ دوسروں کو شامل کرتے ہیں اور بالغیر اصل مطاع یا بالاذن حکم مطلق وغیرہ بناتے ہیں اور ان کے فیصلوں کو خدائی فیصلہ کہتے ہیں اور مشرک یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اختیارات ان کو خدا ہی نے دے رکھے ہیں۔ نعوذ باللہ!

خدا اپنے حکم میں کبھی کسی کو شریک نہیں بناتا۔ یہ کفار و مشرکین کی بد دیانتی اور چالیس میں عبادت صرف خدا کی کرنا چاہئے ایسی عبادت جیسے غسال کے آگے میت۔ پس اس مقدم اختیار والے کی حضور لیٹ جانا اور اسی کی ذات پر اعتماد کامل رکھنا اسی کو حاجت روا جاننا یہ ہے توحید خالص جس پر عامل ہو کر اُخروی نجات حاصل ہوتی ہے، یاد رکھو توحید میں تعدد کی گنجائش نہیں خدائے واحد شرک سے سخت بیزار ہے۔ اگر وہ اپنی مرضی میں کسی اور کو شریک بنائے۔ اور اسے اختیار دیدے کہ تیرا کہنا بھی میرے کہنے کے برابر ہے، تو وہ شخص اسی طرح یہ عطا شدہ اختیار اور کسی کو سونپ دے پھر وہ کسی اور کو یہ اختیار دیدے پھر تو یہ سلسلہ لاانتہا میں جاری ہو جائیگا مختلف اور متعدد ارادے وہ فساد پیدا کریں گے کہ نظام کائنات بھی درہم برہم ہو کر رہ جائیگا۔ کیسی واضح اور روشن بات ہے جس کو بدکرداروں نے گورکھ دھندا بنا رکھا ہے۔ اور صراط مستقیم میں پیچیدگیاں ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مقدم ارادہ ایک اور صرف ایک ہی ہونا چاہئے۔ جس سے نظام عالم کا نظم صحیح رہے ورنہ بہت سے ارادے لازماً تباہی کا سبب ہونگے۔ ایک کی کچھ خواہش، دوسرے، تیسرے، چوتھے وغیرہ کی کچھ اور خواہش، پس بنائے فساد شروع ہوئی اور تصادم ہو کر ساری موجودات ہلاکت کے گڑھے میں جا گری اور مختلف مرضیوں والے بھی نہ بچے، کیونکہ ایک کی خواہش دوسرے کے خلاف تھی۔ پس ایسے تباہ کن شرکیہ عقیدہ سے بچنے کی خدائے واحد سے توفیق مانگنا چاہیئے، ورنہ یہ وہ آگ ہے کہ جسمیں بڑے سے بڑے انسان کے نیک اعمال بھی جلکر راکھ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بہت بڑے خسارہ پانے والوں سے ہو جاتا ہے۔ شرک سے بچنے کی قرآن مجید میں بار بار بڑے زور دار لفظوں میں تاکید آئی ہے اور اس کے بُرے نتیجہ سے خبردار کیا گیا ہے، جیسے کہ خود پیغمبر علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

(۶۵) وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ○ اور البتہ تحقیق وحی کیا گیا ہے (قرآن مجید میں کئی جگہ) تیری طرف (تجھی پر کیا منحصر ہے) تجھ سے اگلوں (رسولوں

نبیوں وغیرہم) کی طرف (یہ مضمون کہ) اگر تو نے شرک کیا ضرور تیرے عمل اکارت جائیں گے اور تو گھاٹے والوں سے ہوگا (ہوا پرستی یا غیر اللہ پرستی وغیرہ سب شرک ہے وحی وعقل سے فائدہ نہ اُٹھانا یہ بھی شرک ہے۔ عاجزوں کی مدد کرنا اپنی ذات میں نیکی ہے۔ اگر نیک نیتی سے کی جائے اور اگر ارادہ فاسد اور خود غرضی ہے تو یہ ہوا پرستی ہے اور اس کا مرتکب مجرم اور بہت گھاٹا پانیوالا ہے اور بسبب اس مشرکانہ ہوا پرستی کے اعمال اکارت ہو جائیں گے، ریاکار شخص اور کسی بزرگ انسان کی مرضی کو مقدم جان کر چاہ و مسجد بنانے والا یا اور کوئی بظاہر اچھا کام کرنے والا بھی ہوا پرست مشرک ہے۔ نیک وہ ہے جو اکیلے خدا کی مرضی کو مقدم جان کر نیک نیتی سے اچھے کام کرے۔ دو مقدم ارادے ماننے والے کے تمام عمل ضائع ہو جاتے ہیں جو کام فی نفسہٖ اچھے نہیں وہ اس طرح ضائع ہوتے ہیں جیسے سخت میلا گندا کپڑا وغیرہ صاف کرنے میں صابون ختم ہو جاتا ہے وہ پھر بھی صاف نہیں ہوتا اور شرک تو ایسا ظلم عظیم ہے کہ اس کے مقابلہ کا کوئی گناہ نہیں، پھر یہ نیکیوں کو ہضم نہ کر جائے تو اور کیا ہو؟ ایک شخص خدا کا مقابلہ کئے بغیر نیکیاں کرتا ہے اسے ضرور اس کا فائدہ ملیگا دنیا میں ملے یا آخرت میں کیونکہ بزرگ پرستی یا ہوا پرستی سے اس نے ایسا نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے گناہوں میں تخفیف ہو یا اور کسی طرح اس کے حق میں بہتری ہو۔ غرض فائدہ اسے ضرور ہوگا اور ضرور احسن عمل کا بدلہ پائیگا بار بار شرک سے نفرت کرنے کی تاکید فرمائی اور توحید پہ گامزن رہنے پر زور دیا۔ اے نبیؐ شرک نہ کر)

(۶۶) بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ بلکہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت (بلا شرکت غیرے) کر (عابد بننے کی قدر کر) اور شکر گزاروں سے بن (جھکنے والوں سے بن۔ جو نہیں جھکتا وہ نافرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آگے سب چیزیں ساجد ہیں اور بہت سے انسان بھی اور کرھًا تو سارے ساجد ہیں کوئی بھی اس سے الگ نہیں۔ مگر ہاں انسان کو چاہیئے کہ طوعًا اس کا فرمانبردار بنے۔ اگر نہ بنے گا، تو اس کا عذاب سرکشوں پر ثابت ہو چکا ہے، تو پھر جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے، اُسے کون ہے جو عزت دے (پ ۱۷) انسان پر ہر حال میں شکر لازم ہے کبھی غور تو کرے کہ باری تعالیٰ کی نعمتوں کا احاطہ کر سکتا ہے، ہرگز نہیں۔ تو پھر اس خدا کے ساجھی بنانے میں

اتنا دلیر کیوں ہے۔ سب موجودات کے بنانے والے خالق کے مقابلہ میں ان مشرکین کے مزعومہ باطل معبودوں نے بھی کچھ بنایا ہے قطعاً نہیں بلکہ وہ خود بنے ہوئے ہیں اور اپنے نفع و نقصان وغیرہ تک کے بھی مالک نہیں ہیں۔ پھر یہ شامتِ اعمال کے مارے ہوئے پجاری کیوں ہلاکت کے گڑھے میں گر رہے ہیں۔ ایسے مالک حقیقی سے منہ موڑنا کتنی بڑی ناشکر گذاری ہے۔ کیا اس سے بڑھکر ناقدر دانی کوئی اور ہوسکتی ہے۔ جیسے فرمایا)۔

(۶۷) وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اور انہوں (یعنی ظالموں اور مشرکوں) نے اللہ (کامل مطلق) کی قدر نہ کی جیسی قدر کرنی چاہیئے تھی۔ (اشرف المخلوقات بنا کر تمام چیزوں کو انسان کے کام میں لگا دیا' ہمیشہ کے آرام کا پختہ وعدہ کیا' اور اُس کی قدر اور بدلہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اسی کی عاجز مخلوق کو ملایا جا رہا ہے اگرچہ اسے بڑا بادشاہ مانا جاتا ہے مگر بلا شرکت غیرے نہیں بلکہ اوروں کی ہمراہی کے ساتھ' غور کرو کہ واحد مالک و خالقِ موجودات کی ملکیت اور خالقیت میں کسی کا ذرہ بھر بھی حصہ ہے یا سب پر بلا شرکت غیرے اسی کا کُلی اختیار ہے' کوئی چیز اس کے قبضہ سے باہر نہیں ہوسکتی دیکھو اس کی طاقت' قبضہ اور اختیار فرمایا) اور زمین ساری اس (خدا تعالیٰ) کی مٹھی میں ہے (اور اس کا مشاہدہ اگر یہاں نہیں تو دوسرے عالم یعنے) قیامت کے دن (ضرور ہوتا ہے) اور آسمان اس (خدا) کے داہنے ہاتھ (یعنے پورے قبضہ) میں لپیٹے ہوئے ہیں (یہ زمین و آسمان ستارے وغیرہ ملے جلے ہوتے ہیں باری تعالےٰ اُن کو گردش میں لاتے یعنے کاغذوں کے مُٹھے کی طرح پھیرتے ہیں پھر سورج پیدا ہوتا ہے اور دوسرے ستارے جو بسبب چھوٹے ہونیکے جلدی ٹھنڈے ہو کر قابل آبادی بنجاتے ہیں اور سورج چونکہ بڑا ہے وہ گرم رہتا ہے ایسے کارخانہ کو بنانے اور مناسب طریق پر تھامنے والا صرف ایک ہی ہاتھ ہے جو کبھی تھکنے اور غلطی کرنے والا نہیں ہے۔ یہ اس فاعلِ مختار کی کیسی نگہبانی ہے۔ کیا ان کاموں میں کسی اور کو شامل سمجھنا ناقابلِ معافی شرک نہیں ہے۔ ہے اور ضرور ہے بس) پاک ہے وہ (خدا) اور بہت بلند (وراء الورا اونچے سے اونچا) ہے

اس سے جو شریک بناتے ہیں (کون اس کا شریک ہوسکتا ہے کس کی ہستی جو دم مار سکے؟ قیامت موجود ہے، اپنے اپنے وقت پر جب بلاوا آتا ہے سب بغیر کسی عذر کے روانہ ہوجاتے ہیں اور کسی کو مجال نہیں کہ انکار کرسکے، وہاں جاکر کاموں کے مطابق بدلہ ملتا ہے، بس بات یہ ہے کہ جس وقت یہ بلاوا، قرنا، پکار اور پیغام آتا ہے جس کی تفسیر قرآن میں بہت جگہ آچکی ہے، تو اس کا رد کرنے والا کوئی نہیں جو جہاں ہوتا ہے، وہیں لبیک کہہ اُٹھتا ہے اور دم مارنے کا حوصلہ نہیں رہتا۔ جیسا کہ ارشاد)

(۶۸) وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ۝ اور قرنا میں (جب بھی جس کے لیے یا جن کے بلاوے کی خاطر) پھونکا گیا پس بے ہوش ہوجاتا ہے (جس کو بلاوا آتا ہے کہیں بھی ہو غنودگی سی ہوجاتی ہے اُس کو) جو کوئی بیچ آسمانوں کے ہے اور جو بیچ زمین کے ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے (وہ بے ہوش نہیں ہوتا یہ غنودگی کا تھوڑا سا وقت جسے برزخ کہتے ہیں کفار اشرار پر آتا ہے اسی کو "یعرضون علی النار" فرمایا ہے، یہ حالت ایسی ہوتی ہے جیسے تکلیف دہ امراض قدر سے بے ہوشی میں کراہتا ہے، مومن باللہ پر یہ وقت نہیں آتا، وہ برزخی حالت سے بری ہے، نیک لوگ بے ہوش نہیں ہوتے، شہیدوں کو مُردہ نہ کہنے کا اس لیے حکم ہوا کہ ان کی موت محض طول کی طرح ہے جیسے ہندسی خط ہوتا ہے اس میں عرض نہیں ہوتا، فوراً دوسرے آرام دہ عالم میں پہنچ جاتے ہیں غرض یہ پہلے بلاوے کا حال تھا، اب ارشاد ہوتا ہے) پھر پھونکا جانا بیچ اس (قرنا) کے دوسری دفعہ (تو وہ مجرمین ہوش میں آجاتے ہیں، جیسے فرمایا) پس پھر تو وہ کھڑے دیکھتے ہوتے ہیں (ان ناشکر گذاروں پر حسرت و افسوس کا وقت ہوتا ہے، جب جواب دہی کے لیے اٹھائے جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کاش ہم بے جان مادہ ہی رہتے، جان دار نہ بنتے تاکہ ان تکالیف سے بچے رہتے، مگر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ نہ دیا جائے، بدلہ ضرور دیا جاتا ہے، یہ اشرار اپنا جہنم اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں، زمین و آسمان سارا جنت کا عرض ہے، اس زمین سے نکل کر اس زمین میں چلے جاتے ہیں، اسی طرح صالحین نیکوکار بھی جنت اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، وہاں ظلم نہیں ہوتا۔ اعمال کے مطابق ظہور ہوتا ہے پھر غور کا مقام ہے کہ ایسی با انصاف جگہ پر شفاعت و کفارہ وغیرہ کا خیال

تک بھی کتنا ظلمِ عظیم ہے اور اس روشن مقام کو اپنے باطل عقیدہ سے مکدر کرنے کی بے سود کوشش کی جا رہی ہے، وہاں کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا جا سکتا۔ ہر نفس اپنے آپ سے ہی جھگڑتا آتا ہے اور اپنے کیے کا نتیجہ بھگتتا ہے، ہرگز ہرگز کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ بڑے سے بڑا عزیز و حبیب بھی منہ پھیر لیتا ہے، وہاں وہی سرخ رو ہوتا ہے جس کا تعلق اپنے بنانے والے کے ساتھ اچھا ہوتا ہے، فرماں بردار کو بے اندازہ آرام و آسائش کے سامان موجود ملتے ہیں۔ اسی طرح نافرمان کے لیے طوق و سلاسل وغیرہ کا خیال ہے غرض ایسی جگہ کے واسطے کوئی ایسی چیز بھیجنا چاہیے جو دائمی مسرت کا کام دے اور ایسی حرکتوں سے باز رہنا چاہیے جو دیرپا تکالیف کا موجب ہوں، تمام من دون اللہ کے بھروسے چھوڑ کر ایک خدا کے سچے اطاعت گذار بننے کی سعی کرنا اور اسی خدا سے نیکی کی بصدقِ دل دعا مانگتے رہنا چاہیے، یہی توحید ہے، وہاں کا نقشہ بیان فرمایا)

(۶۹) وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۝ اور روشن ہوئی ہے وہ زمین (عدل وانصاف کی برکت سے، نہ کہ سفارش وشفاعت اور کفارہ وغیرہ سے) اپنے رب کے نور کے ساتھ اور عمل نامے دیئے جاتے ہیں اور انبیاء و شہدا (گواہ وغیرہ سب) حاضر کیے جاتے ہیں (اور شہادتیں دیتے ہیں، وہاں اندھیر نہیں، ہر کام کا نتیجہ صحیح نکال کر اس کے مطابق بدلہ ملتا ہے نہ کسی کے کہنے سے کسی مجرم کی خلاصی ہوتی ہے نہ کسی حاسد کے کہنے سے کسی نیک کی گرفت ہوتی ہے، بغیر اجازت کے وہاں کلام کرنے کی بھی کسی بڑی سے بڑی ہستی کو جرأت نہیں ہوتی۔ دخل در معقولات کی کوئی گنجائش نہیں جیسے فرمایا) اور ان (لوگوں) کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا (کیوں کہ خداوند کریم ظلم کو پسند نہیں کرتا، جو سلوک انسانوں سے کیا جاتا ہے وہ ان کے اپنے ہی کاموں کا ثمرہ ہوتا ہے، ارشاد ہے)

(۷۰) وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ۝ اور پورا دیا جاتا ہے ہر نفس کو ان کا کمایا ہوا (موجودہ اشرار کے کام بھی اس عالم الغیب والشہادہ سے مخفی نہیں ہیں) اور وہ

(خدا) خوب جانتا ہے جو یہ کرتے ہیں۔

آٹھواں رکوع (۷۱) وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ یہ سورت زمر کا آخری رکوع ہے، جس میں ساری سورت کا نتیجہ نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے قرآن مجید کی قدر و عظمت اور توحید پر زبردست اور ناقابل تردید دلایل دیئے گئے ہیں، شرک کی حالت میں اعمال کا قیامت میں حبط ہونا اور مشرک کا خائب و خاسر اور ملوم و مدحور بننا واضح کیا۔ جو لوگ دنیا میں خدا تعالیٰ کے سوا اوروں کو نجات و شفاعت کے مالک قرار دیتے ہیں، اُن کے متعلق بتایا گیا کہ اس عقیدے کی پاداش میں انہیں آخرت میں دردناک عذاب ہوتا ہے، پھر بتایا کہ نیک اور صالح لوگ خدا کے سامنے سرخرو ہو کر اس کی نعمتوں سے مالامال ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی حمد گاتے ہوئے آخرت میں پہنچتے ہیں اور بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ پھر بتایا کہ کوئی شخص وہاں خدا کی منشاء کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، نہ سفارش اور شفاعت ہی کی گنجائش ہے۔ وہاں فیصلہ عین حق کے ساتھ ہوتا ہے، انبیاء، شہداء، صلحاء وغیرہ سب حاضر ہوتے آتے ہیں۔ زمین ساری اسی خدا کے قبضہ میں ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قیامت ضرور ہے اور جواب دہی یقینی ہے، وہ عدالت حق ہے، جہاں رشوت اور سفارش اور رعب کا کوئی گزر نہیں۔ جن عدالتوں میں رشوت اور رعب کو دخل ہے، وہ عدالتیں کہلانے کی مستحق ہی نہیں۔ ایسے بیّن دلایل سے بھرپور کتاب دنیا میں عین مناسب موقع پر آئی، جس نے ہدایت اور گمراہی کو کھول کر واضح کیا۔ ابتدا میں انسانی فہم بالغ نہ تھا۔ وہ تاریکی اور جہالت کا زمانہ تھا، اب روشنی کا زمانہ ہے، اُس زمانے میں اور آج کے زمانے میں بیّن فرق نظر آرہا ہے۔ زمانۂ قدیم کے حکماء تک توہمات سے خالی نہ تھے۔ آج ان توہمات کی ہنسی اڑائی جارہی ہے۔ حضرت خاتم النبیینؐ کی لائی ہوئی کتاب نے تمام ظلمات و توہمات کو دور کر دیا۔ اب اسلام ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ تمام کائنات کا نظام اسلام ہی سے وابستہ ہے، جس میں غلطی کا

امکان تک بھی نہیں ہے۔ یہ صحیفۂ فطرت کے خالق کی کتاب ہے۔ جس طرح صحیفۂ فطرت میں کجی نہیں اس طرح اِس میں بھی کجی نہیں۔ سورج اور چاند وغیرہ کبھی بھی مقررہ وقتوں سے آگے پیچھے طلوع و غروب نہیں ہوتے، لیکن انسان کی قدرناشناسی کا یہ عالم ہے کہ قدرے اختیار ملنے پر کتنا مغرور ہے حالاں کہ اس کے مصنوعات میں یقینی طور پر غلطیاں اور لغزشیں موجود ہیں۔ ریلوے وغیرہ کی مثالیں سامنے موجود ہیں۔ پھر یہ کس برتے پر اتنی سرکشی کا اظہار کرتا ہے اور مخلوق میں خالق والے اوصاف اور قدرت مانتا ہے؟— اگر وہ اپنے ان معتقدات سے باز نہ آیا، تو آخرت میں عذاب دردناک کے ذریعے درست کیا جائے گا۔ خدا کی حکومت سے نکل کر کہاں جا سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی عنایات ہیں کہ اس نے ہمیں پیدا کیا اور پھر فراموش نہیں کر دیا بلکہ ہر طرح ہماری آسائش و آرام کے سامان بنا دیئے۔ ہمارے امن کے لیے ملوک بنائے کہ نظم سے حکومت قائم رہے، فساد کے راستے کو بند رکھا جائے اور کوئی کسی پر ظلم کرے، تو اپنے کیے کے مطابق سزا پا لے۔ غرض ہر شخص کی زندگی سلامتی سے بسر ہو۔ انسان کی باطنی اصلاح کے لیے یکے بعد دیگرے لگاتار پیغمبر اور نبی مبعوث کئے کہ نوعِ انسان کو بھولا ہوا سبق یاد کراتے جائیں اور اسلام کی ظاہری حفاظت رہے۔ آخر اس ظاہری حفاظت کو بھی ختم کر دیا یعنی اکمل کتاب بھیج کر اور اس میں ضروری باتوں کو واضح کر کے سلسلۂ انبیاء کو بھی ختم کر دیا اور اس کتابِ مبین کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ بتاؤ اب وہ ملوک یا انبیاء کہاں ہیں جن کو ظالموں نے خدا کی طرح بے غلط مان کر ان کی پوجا شروع کر دی اور یہ نہ سوچا کہ پیدا ہونے اور مرنے والوں کی بندگی کرنا شرمندگی کا باعث ہے۔ خداوند کریم نے اس نعمت اسلام کی ظاہری حفاظت کا سلسلہ بھی منقطع کر دیا یعنی نبوت تک ختم کر دی۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے جو کچھ بتانا تھا، پوری طرح واضح کر کے بتا دیا، مگر حق وانصاف کے دشمن پھر بھی من دون اللہ کی پرستش پر اڑے ہوتے ہیں اور زبردست دلایل کے باوجود اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے اور نہیں سوچتے کہ اصل اسلام کسی کے ہاتھ میں نہیں، اس کا حافظ خدائے واحد ہی ہے جو بتدریج کام کرتا چلا آتا ہے۔ جب اُس نے دیکھا کہ اب انسان کی عقل اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ اُسے درمیانی واسطے یعنی نبوت کی ضرورت نہیں رہی، تو اس نے اس سلسلے کو بند کر دیا۔ حتیٰ کہ اب قیامت کبریٰ تک کوئی نبی نہیں آئے گا، کیوں کہ کتبِ سابقہ کا مجموعہ،

دائمی ہدایت محفوظ، بے غلط اور بے اختلاف ہے۔ اس کتاب کی موجودگی سے انسان نبیوں سے مستغنی ہوگیا ہے۔ مگر ظالم بھی وہ ضدی ہیں کہ اپنی جگہ سے ایک قدم بھی ہٹنا نہیں چاہتے، آخر تابکے؟ قریب ہے کہ واپسی کی التجائیں کریں، مگر جو شخص ایک مرتبہ وہاں پہنچ گیا۔ وہ دنیا میں کیوں کر لوٹ سکتا ہے؟

سورہ زمر کے اس آخری رکوع میں کفار و مشرکین کی حالت زار کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی صالح اور مومن بندوں کے مناصب و مراتب کی تفصیل بھی بتائی گئی ہے۔ پہلے ناقدر دانوں کی حالت بتائی کہ) ناقدر دانوں کو (یعنی مشرک ظالم وغیرہ لوگوں کو) پراگندہ کر کے جہنم کی طرف ہانکا گیا۔ (یہ زمراً ایسے ہے جیسے اشتاتاً آتا ہے، یعنی اکیلے اکیلے۔ یعنی کوئی سفارشی اور مددگار شامل نہیں ہوتا اور) جب اس (جہنم) کے پاس آئے تو اس کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور جہنم کے داروغے نے (اتمام حجت کے طور پر) اُن (بدکاروں اور مجرموں سے کہا (کہ تم اس عذاب میں کیوں گرفتار ہوئے، کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغامبر نہ آتے تھے (جو) تم پر تمہارے ربوبیت کرنے والے کی آیات پڑھتے تھے اور تم کو تمہارے اِس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے (کیا تم کو یہ تعلیم پہنچی تھی یا نہیں کہ بدی کا بدلہ دکھ اور عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا اور نیکوکار ہی آرام و آسائش پائیں گے۔ کیا تم کو رسولوں یا رسولوں کے رسولوں نے سنائی تھی یا تم بے خبری میں ہی دوزخ کا شکار بن گئے ہو؟

ان کے جواب دینے سے پہلے ایک بات بیان کرنا ضروری ہے کہ قرآن مجید نے نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ اب کوئی نبی نہیں آئے گا، ہاں رسولوں کے رسول یعنی مبلغین ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں، جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "سوال کر اپنے سے پہلے رسولوں سے" تو یہ ان رسولوں کے مبلغ ہی ہوتے ہیں جو ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں، پھر ان سے یہ پوچھ کہ کیا ہم (خدا) نے کوئی بالغیر معبود بھی بنائے ہیں؟ قرآن میں شبہ ہو تو اہل کتاب سے دریافت کرو۔ غرض خاتم الکتب کے باعث رسولوں کا آنا بند ہوگیا۔ اب مبلغین ہی رسولوں کے رسول ہیں، جیسے پطرس، یوحنا کا رسول تھا۔ پس رسولوں کے رسول ختم ہونے۔ یہ مبلغین ہمیشہ ہوتے رہیں گے۔ خدا تعالیٰ زمین میں کسی چلنے پھرنے والے کو (کسے باشد) پیدا کر دیتا ہے۔ انہیں مبلغین کے متعلق قرآن مجید میں

بھی آیا ہے کہ اے بنی آدم اگر تمہارے پاس رسول آئیں تو، آیات الٰہی کی پیروی کرنا، وغیرہ، مگر
نا انصاف اور خود غرض لوگ ان آیات کو توڑ مروڑ کر اپنا الو سیدھا کرنے کی بے سود کوشش کرتے
ہیں اور عاقبت سے بے خوف ہو کر وہ کچھ کر گزرتے ہیں، جو نہ کرنا چاہیے۔ افسوس۔ لوگ کدھر
جا رہے ہیں؟ نہیں سوچتے کہ رسول ڈرائے یا مبلغ، غرض تو آیات سے ہے۔ واسطے خواہ کئی ہوں
اصل چیز تعلیم یعنی کتاب ہے۔ اسی لیے خاتم الکتب کے ذریعے انبیاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس مقام پر نبی اور رسول کا فرق بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی
چاہیے کہ نبی کو عملی کام کرنا ہوتا ہے۔ نظم و نسق، بندوبست وغیرہ وغیرہ اس کے سپرد ہوتے ہیں۔
رسول پر صرف پیغام پہنچانا فرض ہے اور بس۔ ہر نبی رسول ضرور ہوتا ہے، مگر ہر رسول لازم نہیں
کہ نبی بھی ہو۔ رسول کا لفظ وسیع ہے جو فرشتوں بلکہ شیطان وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے مگر نبی کا لفظ
ان پر نہیں بولا جاتا۔

غرض جب جہنم کے چوکیدار نے سوال کیا کہ آیا اللہ کی آیات سے ڈرانے والے تمہارے پاس
نہیں آئے، تو انہوں نے جواب میں، کہا کیوں نہیں (یعنی آئے اور ضرور آئے مگر ہم نے ہمیشہ ان
رسولوں کی ہنسی اڑائی۔ تمسخر کا کوئی پہلو نظر انداز نہ کیا، آیات سے کفر و انکار کرتے رہے اور بہت
بری طرح تکبر کیا۔ پھر جب یہ بات ہے تو کیا وہ قابل معافی ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ارشاد ہوتا
ہے) ولیکن (اب تو ان پر بات وارد ہو گئی) عذاب کا وعدہ تو کافروں پر صادق آ گیا (خواہ کتنی
بھی منت سماجت کریں اور معافی مانگیں، مجرموں کو کبھی بغیر سزا کے چھوڑا نہ جائے گا۔ بھلا جب
خود اس کا اپنا گڑگڑانا بے موقع اور فضول ہے تو پھر کسی اور کی شفاعت وغیرہ کا عقیدہ تو اور بھی
باطل ہے۔ کیسی واضح صاف اور معقول بات ہے۔ جو ہر ایک کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ ہاں ایسی
معقول باتوں کا انکار شریر اور متکبر ہی کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس گفتگو کے بعد ان نابکاروں کو،

(۷۲، ۷۳) قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَ
سِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ
لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝

کہا گیا (اور ہر دفعہ یہی کہا جاتا ہے) جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ، بہت دیر تک اس میں رہو گے (کیوں کہ تم آیات کا انکار متکبرانہ انداز میں کرتے تھے۔ آیات لانے اور سنانے والوں کا مضحکہ اڑایا کرتے تھے اور پاگل، شاعر، مفتری، کذاب جیسے ناموں سے پکارا کرتے تھے) پس متکبرین کا ٹھکانہ (طرح طرح کے عذابوں والا ہسپتال) بہت بُرا (ٹھکانا) ہے (یہ دو آیات دشمنان حق، اہل کفر و شرک کے بارے میں تھیں۔ یہ بدبخت اپنے اعمال بد کی وجہ سے دوزخ کے بند دروازوں کو کھلواتے ہیں۔ مگر جنت کے دروازوں کا یہ حال ہے کہ پہلے ہی سے کھلے ہوتے ہیں۔ ان متکبرین کے مقابلہ میں متقین صالح نیکوکار اور مومن باللہ لوگوں کا ذکر فرمایا) اور لے جائے گئے (یعنی خوشی اور شوق کے ساتھ، کفار کے چلنے میں اور مومنوں کے چلنے میں بڑا فرق ہے۔ مومن بڑی بڑی امیدوں اور امنگوں کے ساتھ، جنت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اور کافر بڑی مایوسی اور پراگندگی کے ساتھ دوزخ کی طرف جبراً دھکیل دیئے جاتے ہیں۔ غرض کہ اہل جنت یا دوسرے لفظوں میں) اپنے رب سے ڈرنے والے (اور ہر بات میں اسی معبود کی رضا کو مقدم رکھنے والے) جب گروہ در گروہ جنت کے پاس آئے اور (اس حال میں کہ) اس کے دروازے پہلے ہی کھلے ہوتے ہیں (کوئی رکاوٹ وغیرہ نہیں ہوتی) اور (ہمیشہ) جنت کے داروغہ نے ان سے (یہی) کہا (اللہ تعالٰی کی طرف سے) سلامتی ہے تم پر (کہ) تم نیک بن کر آئے پس (اس نیک بننے کا اس سچے خدا کی طرف سے بدلہ یہ ہے کہ) داخل ہو جاؤ اس (ہمیشگی کے آرام یعنی جنات) میں (عارضی طور پر نہیں بلکہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہنے والے (اس میں سے کبھی بھی نہ نکالے جاؤ گے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ مراتب اور انعام حاصل کرتے رہو گے۔ پس داخل ہو گئے اور جب انہوں نے وہاں کی آؤ بھگت اور آرام و آسایش کو دیکھا تو پھر ان کی اس وقت کی دائمی خوشی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ حد درجہ مسرور ہوئے)

(۷۴) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ○ اور بولے، سب تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے، جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور ہم کو اس (جنتی) زمین کا وارث کیا۔ ہم

اس جنت میں جہاں چاہتے ہیں جگہ پکڑتے (یعنی رہتے) ہیں۔ (اصل مالک تو ہر شے کا اللہ ہی ہے اور اس اصل وارث نے اس مالکِ حقیقی ہی نے متقین کو بھی وارث کیا اور انعام عنایت فرمایا۔ سورہ یوسف میں بھی تَبَوَّاَ جناب یوسف کے لیے آیا ہے یعنی جگہ دی یوسف کو جہاں چاہتے آتے تھے اور رہتے تھے۔ غرض یہ سب کچھ کس لیے عنایت ہوا؟ خوفِ خدا کی وجہ سے اور صلاحیت والے کاموں کے سبب: جب یہ اُس مالک کے فرماں بردار رہے تو اپنے وعدوں کا اس سے زیادہ وفا کرنے والا کون ہے؟ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا، اللہ سے زیادہ اپنے وعدوں میں کون سچا ہے؟) پس (بہت) اچھا اجر ہے (خدا کے فرمان کے مطابق) کام کرنے والوں کا (انہوں نے ان تکالیف پر صبر کیا جو مومن باللہ ہونے کی وجہ سے اشرار و مشرکین نے ان کو پہنچائیں تو پھر جس کی فرماں برداری کی گئی اس نے وہ کچھ عنایت کیا کہ جس کا اندازہ تک بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ لیکن نیکی اور ایمان کا کوئی عملی ثبوت ہونا چاہیے اور پھر اس چیز کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ضروری ہے جو منشاء الٰہی کے خلاف ہو، احکامِ خداوندی کو چلتی تلواروں میں سنا دینا چاہیے، یہ ہے تبلیغِ حق۔ پالیسی وغیرہ کرنا اور لوگوں سے مرعوب ہونا مومن کا شیوہ نہیں ہے۔ فرمانِ خداوندی کو ڈنکے کی چوٹ سنا دینا اور خود بھی اس پر پورا اُترنا یہی ایمان کی روح ہے۔ زبانی جمع خرچ نہ ہونا چاہیے، بلکہ سچے دل سے اس کے فرمان پر عمل پیرا ہونا اور اس کی حمد و تعریف کے گیت گانا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کا انعام عمل و عبادت ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ یوں تو ذرہ ذرہ اس مالکِ عرش کی تعریف و توصیف کر رہا ہے کوئی طوعاً کوئی کرہاً مگر قابلِ تعریف وہ حمد ہے جو قدرت صاحبِ اختیار ہستی (یعنی انسان) طوعاً کرے اور صرف خدا کی حمد کرے، اس کے سوا کوئی بھی لایقِ حمد نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہے)

(۷۵) وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور دیکھتا ہے تو (رویتِ قلبی یعنی دل کی آنکھوں اور عقل و شعور سے) ملائکہ کو عرش کے گرد حمد کے ساتھ اپنے ربوبیت کرنے والے کی پاکیاں بیان کرتے ہیں (ہر ہر ذرہ کا عرش (حکومتِ خداوندی)

اس کے ساتھ ہے، اس لیے ہر ذرّہ حاملِ عرش ہے۔ یعنی فرماں بردار ہوتا ہوا اثر لیتا ہے، ان میں تصادم نہیں ہوتا مگر حول والوں میں جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ حامل ہر ذرّہ ہے مگر اردگرد والے مرکب ہیں، اس لیے ان میں ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے، جیسے مرض و صحت، طاقت و کمزوری، غلبہ و شکست، دفع و ضبط منفی و مثبت وغیرہ وغیرہ میں تصادم ہونا ضروری ہے۔ غرض کہ تمام مقاموں، سببوں اور سامانوں کی باگ مالکِ عرش، صاحب حکومت، رحمان کے ہاتھ میں ہے اور اس عرش پر وہی راست آیا دوسرے کی گنجائش ہی نہیں۔ ساری موجودات اس کی تسبیح کر رہی ہے اور اس کی حمد کے ترانے گا رہی ہے وہی عادل شہنشاہ ہے جو ہر معاملے کا بہترین طریق پر فیصلہ کرتا ہے) اور ان کے درمیان (ان کے جھگڑوں وغیرہ میں وہی خدا) فیصلہ کرتا (رہتا) ہے، حق کے ساتھ (وہی جو مناسب چاہتا ہے کرتا ہے۔
اس کے سوا اور ہے بھی کون جو حق اور مناسب فیصلہ کرے؟ علیم کل، عالم الغیب والشہادہ کے مقابلہ میں کون لائق تعریف ہو سکتا ہے؟ پس نتیجہ ہمیشہ سے یہی نکلتا رہا کہ) اور کہا جاتا ہے تمام (کی تمام) تعریفیں (اسی) اللہ (کامل مطلق) کے واسطے ہیں جو سب جہانوں (زمانوں، مکانوں وغیرہ) کی ربوبیت کرنے والا ہے (بس ہمیں بھی یہی کہنا چاہیے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ)

---

[1] حامل تو ایک ایک ذرّہ ہوتا ہے، ان میں کیا تصادم ہوگا، ان مرکبات میں ٹکریں ہوتی رہتی ہیں، حامل و حول کا فرق یہی ہے۔

سورۃ المومن

مضمون اور نظم و ربط

سورۃ المومن حٰمٓ سے شروع ہوتی ہے۔ حٰمٓ سات سورتوں کے پہلے آیا ہے۔ حٰمٓ المومن، حٰمٓ السجدہ، حٰمٓ الشوریٰ، حٰمٓ الزخرف، حٰمٓ الدخان، حٰمٓ الجاثیہ، حٰمٓ الاحقاف۔ ان سب سورتوں میں خداتعالیٰ نے وحی کی عظمت بیان فرمائی ہے، یعنی، حمیدٌ مجیدٌ خدا کی بڑائی اور بزرگی کا کثرت سے ذکر ہے۔ جس طرح الٓمٓ چھ سورتوں کے اوّل میں لایا گیا ہے اور ان میں احکام اسلام کا بیان ہے۔ غرض تو ساری کی ساری خدائے قدوس کی تعریف سے ہے، جس کے سوا کوئی بھی لائقِ حمد وتسبیح نہیں ہے۔ یہ حروف بطور بیج کے ہیں جن میں ساری سورت درخت کے مانند اس طرح چھپی ہوئی ہے جس طرح نطفہ میں انسان ہوتا ہے۔ ایک ایک دو دو بیج والی سورتیں بھی ہیں اور زیادہ بیجوں والی بھی، مگر سوائے پروردگار کے کوئی بھی ان بیجوں کو درخت کی شکل میں نہیں دکھا سکتا۔ ان حروف کی تشریح کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ پس اس مہربانِ حقیقی نے آپ ہی کرم فرما کر ان کو پورا پورا واضح کردیا اور آسان کرکے بیان فرمایا کہ ایک دوسرے کو یہ تعلیم حق پہنچاتے رہو۔ رسول، لوگوں کو یہ پیغامِ الٰہی سنائے، لوگ دوسروں کو یہ پیغام پہنچائیں۔ غرض ایک دوسرے پر شاہد بنتے چلے جاؤ اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہے۔ یہی ہے شہداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شہیدا کا مطلب۔ حٰمٓ میں وحی کے خاصے بیان فرمائے ہیں، جیسے ارشاد ہوتا ہے:

پہلا رکوع | حٰمٓ ﴿۱﴾ رکیا ہے حٰمٓ)

۲۔ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۲﴾ اس کتاب کا اتارا جانا ہے اللہ (کاملِ مطلق) کی طرف سے (جو اللہ) اصل غلبے والا (اور) اصل علم والا ہے (ان صفات میں کوئی بھی پیغمبر یا عام انسان داخل نہیں ہے، بلکہ اس کے حکم کے ماننے پر نجات کا انحصار ہے اور انکار

کی صورت میں عذاب یومِ عظیم کا کھٹکا اور خوف ہے۔ غرض بندوں کے بچاریوں کو آگاہ ہونا چاہیے کہ اس احکم الحاکمین ہی کے سامنے گردنیں خم کرنی چاہئیں، اس کی رضا کے مقابلے میں سب مخلوق کی مرضی قربان کر دینی چاہیے اور اس معبودِ حقیقی کے سچے عابد بننا چاہیے، جس کا حکم اٹل ہے، کیوں کہ وہ العزیز ہے۔ ایسے غلبہ والے کے مقابلہ میں کون آسکتا ہے؟ وہ العلیم ہے اس سے کسی کی کوئی بھی بات اور حرکت یا ارادہ پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ انبیاء اور غیر انبیاء سب کا فیصلہ اپنی صحیح معلومات کے سبب وہی خدائے علیم ٹھیک ٹھیک اور بے غلط طریق پر کر سکتا ہے اور اگر نبی سے بھی کسی کا اختلاف ہو، تو آخری فیصلہ وہ مالکِ حقیقی اور دانائے کل ہی فرماتا ہے خواہ کسی عورت اور نبی میں جھگڑا ہو، تو بھی وہی اٹل حکم والا فیصلہ دیتا ہے جو فریقین کے لیے واجب تسلیم ہے، کیونکہ وہ غالب اور وسیع علم والا ہے۔ یہ تمام صفات اُسی کے شایانِ شان ہے، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس خدائے علیم کا فیصلہ عین حق اور علم و اختیار کے مطابق ہوتا ہے، اسی لیے کسی اپیل اور سفارش کی کوئی گنجائش نہیں۔ آگے بتایا وہ اللہ کیسا ہے، ایسا کہ اے لوگو! اس نے تمہیں کچھ اختیارات بھی دے رکھے ہیں، جبھی تو تم کو منصبِ خلافت عطا ہوا ہے۔ پھر وہ تمہاری مجبوریوں اور کمزوریوں سے بھی واقف ہے اور تمہاری خامیوں اور نقصوں وغیرہ کو بھی جانتا ہے اور ایسی حالتوں میں درگذر کرتا رہتا ہے، جیسا کہ فرمایا وہ اللہ کیسا مہربان ہے کہ ایسے حالات میں)

(۳) غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ جو گناہوں کا بخشنے والا ہے (اور یہ بات بھی ہے کہ نیکیاں گناہوں کو کھا جاتی ہیں، جس طرح صابن گھسنے سے میل کٹ جاتی ہے تو ایسی حالت میں صابن ضائع نہیں ہوا بلکہ میل کو دُور کرنے میں صرف ہو گیا، اسی طرح نیک کام بھی برائی کو کھا جاتا ہے۔ مگر یہ کس شخص کا حال ہے؟ جو برائیوں سے ٹل جائے اور خدا کی طرف رجوع کرے اور سچے دل سے نادم ہو کر توبہ کرے تو پھر وہ اللہ کیسا ہے، گناہوں کو معاف کرنے والا) اور (سچی اور صحیح نہ کہ زبانی) توبہ کا قبول کرنے والا (اور اگر خالی دکھلاوے کی توبہ کی یا برائیوں ہی پر اڑا رہا اور ضد و شرارت اور ظلم و جور وغیرہ سے باز نہ آیا، تو پھر وہ اللہ کیسا ہے) سخت عذاب دینے والا ہے (یہ عذاب کسی کینہ وغیرہ

کی وجہ سے نہیں بلکہ بطور علاج کے ہے اور ہمیشہ اس عذاب والے علاج میں نہیں رکھتا، بلکہ اچھا ہونے پر نکال لیتا ہے۔ اس کی رحمت سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ مرض دُور ہونے پر مریض کو مناسب آرام کی جگہ پر بھیج دیا جاتا ہے، جیسا کہ فرمایا، وہ اللہ کیسا ہے، وہ) بڑے حوصلے والا ہے (لوگو! تم اس تکلیف دہ علاج سے بچنے کے لیے پہلے ہی سے اس کامل مطلق ذات الرحم الراحمین سے لو لگاؤ۔ اسی کی طرف رجوع کرنے سے دائمی راحت ملتی ہے۔ اسے بلا شرکت غیرے اکیلا اور صرف اکیلا معبود مطلق مانو اور جانو۔ ارشاد ہے کہ)

کوئی بھی معبود (لائق عبادت) نہیں مگر وہی (کامل ذات، اکیلا، لائق عبادت) ہے (پھر یاد رکھنا کہ معاملہ بھی اسی سے پڑتا ہے جیسے فرمایا کہ) اسی (خدا) کی طرف لوٹنا ہے (یعنی اسی کے سامنے پیش ہونا ہے۔ پھر غور کرو کہ پیشی کا وقت بدکار اور ظالم لوگوں کے کتنا کٹھن اور نازک وقت ہے! العزیز والعلیم واحد کی تعلیم کتنی سادہ اور آسان ہے، جس میں کسی اور قاضی اور شفیع وغیرہ کا ذرا برابر دخل نہیں۔ صرف اکیلا خدا ہی کافی ہے، جو اپنے غلبے اور علم کے مطابق موزوں فیصلے دیتا رہتا ہے۔ شریر اور کافر قومیں اس بے نظیر تعلیم سے زیادہ منہ موڑ لیتی ہیں کہ تمام معبودوں کو مٹا کر ایک معبود کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے اور "شفعاء" کو کیوں سرے سے جواب ہی دیا جاتا ہے۔ ایسی تعلیم قابلِ قبول تو کیا لائق رد ہے۔ غرض یہ لوگ خوب بگڑتے ہیں جیسا کہ فرمایا کہ)

(۴) مَا يُجَادِلُ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ نہیں جھگڑا کرتے اللہ کی آیات میں مگر وہی لوگ جو کافر (ناقدر و ناشکر گذار ہیں (طرفہ یہ ہے کہ اللہ کی آیات سُن کر تو اُدھم مچا دیتے ہیں، مگر بندوں کی حدیثوں کے بارے میں ذرا بھر شور و شر نہیں اٹھاتے۔ معلوم ہوا کہ وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ جو کلام اللہ کا پیغام کہہ کر ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، مگر آج کل کے مُلّاؤں کی بھی عجیب ذہنیت ہے، جو ان پر بھی سبقت لے گئے ہیں: یعنی یہ کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم کتاب اللہ میں داخل ہیں: یعنی جو بات کفار کو بھی نہ سوجھی، "ان مومنوں" کو معلوم ہوگئی۔ غرض نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے ملاؤں کے دماغ بھی قابل داد ہیں۔ اگر ان کی اس انوکھی سمجھ پر افسوس کا اظہار کیا جائے تو یہ بے ادبی میں

داخل ہے۔ غرض بندہ پرستوں کی جمعیت نمائش، کثرتِ تجارت اور رونق دیکھ کر گھبراہٹ میں دھوکا نہ کھانا چاہیے بس رکھو کہ یہ مومن کا شیوہ نہیں ہے۔ مومن کو پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دینا چاہیے۔ جیساکہ ارشاد ہوتا ہے کہ پس ان (منکرینِ حق) کا شہروں میں (بظاہر حتجابندی سے) پھرنا تجھے دھوکے (اور فریب) میں نہ ڈال دے (ایسے کئی گروہ اسی عقیدہ کے ان سے پہلے اپنی کرتوتوں اور مظالم کے سبب تباہ و برباد کر دیے گئے۔ اگر یہ باز نہ آئے تو انہیں بھی ویسا ہی انجام دیکھنا پڑے گا۔ کیوں کہ ہمارے ہاں انصاف ہے، اندھیر نہیں۔ ہم مومن و کافر، موحد و مشرک میں پیشی کے موقعہ پر بیّن تمیز کر دیتے ہیں۔ وہاں متقیوں کے لیے عافیت کا سامان ہے۔ مجرمین بڑے خسارے میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ کیوں ہماری گرفت سے بے خوف ہو گئے۔ کیا یہ انوکھے مشرک و مجادل ہیں جو ان کی خاص رعایت کی جائے۔ انہیں چاہیئے کہ اپنے بُرے انجام سے ڈریں، ورنہ زمانہ گواہ ہے اور ظالموں کے مساکن ۹ـ زندہ شہادت ہیں کہ مخالفینِ حق دیر تک بچے نہیں رہے، ان پر دنیا میں بھی عذاب آیا اور اسی سے عاقبت کے عذاب کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ اشرار اپنے آس پاس کی تباہ شدہ بستیوں اور کھنڈروں کو دیکھتے رہتے ہیں، مگر سبق حاصل نہیں کرتے کہ ہم ظالموں کو برباد کر کے حق پسندوں کو ہمیشہ غلبہ دیتے آئے ہیں۔ یہ کیوں ہوا؟ اس لیے ہم طالبانِ حق کے مددگار ہیں۔ یہ بات کوئی پوشیدہ بات نہیں، تمہارے اردگرد مثالیں موجود ہیں۔ پس موقعہ ہے کہ عبرت حاصل کرو اور صراطِ مستقیم پر گام زن ہو کر سرخرو ہو جاؤ، ورنہ اپنے ہم عقیدہ اسلاف کی طرح دردناک عذاب کی لپیٹ میں آجاؤ گے۔ اب مکذبین وغیرہ کا تاریخی واقعہ بیان فرمایا، ارشاد ہے کہ)

(۵) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْأَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍۭ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ ۖ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ○ (حق تعلیم اور اس تعلیم کے لانے والوں کو)

ان (موجودہ اشرار) سے پہلے نوحؑ کی قوم نے جھٹلایا اور (دوسری اشرار) جماعتوں نے (بھی) ان کے بعد (حق آنے پر اس کی تکذیب کی۔ سب ظالم اپنے اپنے وقت پر سچائی کا مقابلہ ڈٹ کر کرتے رہے اور وقت آنے پر عذاب سے ہلاک ہوئے اور جہنم کے اندر طرح طرح کے تکلیف دہ علاج کے لیے دھکیل دیے گئے۔ ظالموں کی گرفت کر کے دوزخ میں بھیجنا ہماری ہمیشہ سے سنت

ہے اور دوسری طرف سرکشوں کی بھی یہ عادت چلی آئی ہے کہ صلاحیت والوں کو ضرور ہی ستایا اور ان کا مذاق اڑایا جائے۔ اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جائیں اور اپنے زعم باطل میں انہیں واجب القتل قرار دے لیں تو مارنے سے بھی احتراز نہ کریں۔ مگر آخری نتیجہ نکالنے والے تو ہم ہیں۔ پھر ان ناہنجاروں کا انجام سوائے تباہی کے کیا ہوتا آیا ہے؟ مگر اس پر بھی اپنی ہٹ سے باز نہیں آئے۔ صرف جھٹلانے پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اور بھی مظالم توڑنے پر ہر وقت آمادہ نظر آئے جیسے فرمایا کہ) ہر اُمت کے لوگ اپنے (اپنے) رسول کے ساتھ قصدِ قید کرتے رہے اور باطل باتوں سے جھگڑا کیا تاکہ حق کو (اپنے زعمِ باطل میں) گرادیں (مگر حق باطل سے کب دبنے والا ہے۔ اس حق سے جو ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہو کر رہے گا۔ تمام واقعات ان کے آس پاس کھنڈرات وغیرہ کی شکل میں زندہ سبق موجود ہیں کہ اشرار کا کیا کچھ انجام ہوتا آیا ہے۔ ہزاروں سال کی جدوجہد بھی انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی۔ مگر انسان کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ وہ ایسے بین حقائق سے بھی عبرت نہیں پکڑتا۔ کیا پھر ہم ایسے جرائم سے درگذر کر دیتے ہیں؟ ہرگز نہیں! جیسا کہ فرمایا) پس میں نے (یعنی خدا نے ضدی اشرار جو بھی ہوتے آئے ہیں اپنے وقت پر) ان کو پکڑا، پھر کیسا ہوا میرا پکڑنا! (دنیا میں رسوائی والے عذاب سے گرفت کر کے جہنم میں تکلیف دہ علاج کے لیے بھیجے گئے۔ ناقدروان اپنے اعمال کی وجہ سے ان دفعات کی تحت آتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے)

(۶) وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۘ

اور اسی طرح کافروں پر تیرے رب کا فرمان صادر ہوتا رہتا ہے، یہ کہ وہ (مشرک اور کافر) لوگ (اپنی نالائقی اور بداعمالی کے سبب جہنم کا ایندھن یعنی) آگ والے بن گئے (پس آخری پکڑ میں آگئے نہ کہ ضائع کر دیے گئے، ہرگز نہیں۔ مقررہ میعاد تک اس جہنم میں رکھ کر خوب اچھی طرح درست کیے جاتے ہیں۔ وہ لاکھ کوشش کریں قبل از صحت کس طرح نکالے جاسکتے ہیں؟ یہ اس چیز کا بدلہ ہے جو دنیا میں بے ضرر اور مفت کے معالجوں (انبیاء و مصلحین وغیرہ) سے متنفر بلکہ حتی الوسع ان کی ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے۔ تمام امن پسند دنیا ان صلاحیت پھیلانے والوں کو اچھا جانتی ہے اور بدکاروں کو خدا، فرشتے اور انسان لعنت کرتے رہتے ہیں۔ غرض

اسی طرح ملائکہ بھی نیکوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں بلکہ تمام نیچر ان کی بھلائی میں لگی ہوئی ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ نیکی کرے، بدی سے تمام چیزوں میں شر پیدا ہوتا ہے، پس لازم ہے کہ ہر برائی سے پوری طرح احتراز کیا جائے۔ ایک ایک ذرّے پر، تمام مرکبات پر اور تمام نظام شمسی پر غور کرو۔ اِن سب کے معاملے خدا کے دستِ قدرت میں ہیں اور ہر شے احکام خدا کی حامل ہے، جیسے میری اور آپ کی روح جسم کی حامل ہے۔ تو جب اس امانت کو انسان نے اٹھایا تو سب چیزیں ڈر گئیں کہ اب ہم پر بھی اثر آیا کیونکہ سب اشیاء تو انسان کے لیے مسخر کی گئی ہیں، جب یہ حامل امانت ہوا اور دیانت داری سے پرے ہٹا، تو تمام چیزوں میں تہلکہ مچ گیا اور ہر طرف سے لعنتوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی اور جب یہ اس امانت میں دیانت داری سے کام لیتا ہے، تو تمام موجودات اس کی بھلائی میں مصروف ہو جاتی ہے۔ جیساکہ ارشاد فرمایا)

(۷) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝

وہ لوگ جو اٹھاتے ہیں حکم (اپنے اللہ کامل مطلق) کا (یعنی حکم بردار ہیں۔ یہ ابتدائی سلسلے والے ہیں۔ خدا کو یہ نہیں دیکھتے، کیونکہ وہ وراء الورا ہے کوئی آنکھ اس کو دیکھ نہیں پاتی۔ ہاں رویت قلبی سے اسے دیکھا جاتا ہے) اور جو اِردگرد ہیں (یعنی ذرات ہوں یا مرکبات، ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ) تسبیح بیان کرتے ہیں، ساتھ تعریف پروردگار اپنے کے (جو سب کی ربوبیت کرتا ہے اور جس کیلئے اور جس کے اوپر کوئی روک نہیں ہے اور وہ مقید بعرش و کرسی و تخت نہیں ہے۔ اسے سب کچھ حاصل ہے۔ غرض یہ مسبحین یہ کچھ کیوں کرتے ہیں؟ کہ فرمان بردار ہوتے ہیں) اور ایمان رکھتے ہیں اس (خدا) کے ساتھ (مگر اس کو دیکھتے نہیں ہیں اور اور کام ان کا کیا ہوتا ہے یہ کہ) اور بخشش مانگتے ہیں (اپنے پروردگار سے۔ یہ ہے نیچر وغیرہ کا نیک لوگوں کی خیر میں لگے ہونے کے معنی۔ یہ حاملین اور ماحول والے کس کی خیر خواہی میں بزبان حال لگے ہوئے

ہیں ؟) واسطے ان لوگوں کے جو مومن باللہ ہیں (اللہ والوں کی بہتری کے خواہاں ہیں۔ اور اگر یہ حامل امانت انسان سرکشی وغیرہ پر اُتر آئے تو یہی اشیاء اس کے لیے تباہی کا باعث ہوجاتی ہیں۔ راستی والے کے لیے ہر طرف سے رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ غرض یہ اشیاء کہتی ہیں) اے ہمارے ربوبیت کرنے والے تُونے ہر چیز کو اپنی رحمت اور علم سے احاطہ کیا ہُوا ہے (ویسے تو ہر چیز بلکہ ذرّوں تک کو رحمت الٰہی نے گھیرا ہُوا ہے۔ باقی کوشش والے تو اور بھی قابل قدر و تحسین ہوتے ہیں اور احکام خداوندی کے تسلیم کرنے اور ان پر گام زن ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے انعامات سے نوازے جاتے ہیں۔ غرض یہ کارکنانِ قدرت یہ بھی کہتے ہیں کہ اے رحیم و کریم) پس بخش توبہ کرنے والوں کو (جو لغزشوں کے بعد تیرے خوف کی وجہ سے اور ڈر سے سنبھل جاتے اور راستی پر آجاتے ہیں اور آیندہ بڑی احتیاط رکھتے ہیں) اور تیرے راستہ پر (جس پر چلنے کا تونے حکم دیا ہُوا ہے) صدق دل سے چلتے ہیں (وہ اپنے کو موسوی عیسوی محمدی نہیں کہتے۔ بلکہ تیرے راستہ پر چلنے کی وجہ سے اور تیرے فرماں بردار ہونے کے باعث مسلم کہلاتے ہیں۔ پھر تو اے پروردگار تو اُن پر رحمت بھیج) اور ان کو عذاب دوزخ سے بچا (تیرا راستہ حق ہے اور حق کے بعد گُم راہی ہے۔ اسلام کے بغیر کوئی دین قبول نہیں کیا جاتا۔ یہی صراطِ مستقیم ہے، جس پر انسان پیدا ہُوا۔ فطرت تبدیل نہیں ہوتی۔ تمام انبیاء و صلحاء بلکہ زمین و آسمان کا دین اسلام ہی ہے۔ ہاں اکثر بدبخت انسان اپنے جذبات کے ماتحت خدا کا حق بندوں کو دے دیتے اور وحی خدا اور انتظامِ انسانی میں فرق نہ کرکے عابدین کو معبود کے درجہ میں لا بٹھاتے ہیں۔ اس ظلمِ عظیم یعنی شرک سے اجتناب کرنا چاہیے۔ غرض کارکنانِ قدرت بلکہ نیچر کی ہر چیز ان مومنین کے لیے یہ کہتی ہے کہ)

(۸) رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۙ اے ہماری (سب کی) ربوبیت کرنے والے ان (متقین وغیرہ) کو ہمیشگی کے جنّات (ہر نعمت ملنے کی جگہ) میں داخل کر (بے شک تیرے وعدے مشروط ہیں، تیرا حکم ہے کہ جو صداقت پر قائم رہے گا، اسے نجات و انعام سے نوازوں گا۔ یہ لوگ اس پر ثابت قدمی سے تمام مصائب و تکالیف کا بڑے

حوصلہ سے مقابلہ کرتے رہے اور پائے استقلال کو تیری دی ہوئی توفیق سے کبھی لغزش نہ آنے دی۔ پس ان کو وہ ابدی اور دائمی آرام گاہ عنایت فرما) کہ جس کا تونے ان سے (مشروط) وعدہ فرمایا اور یہ نیچر کسی خاص قوم یا فرد کی بھلائی ہی میں نہیں لگی ہوئی، بلکہ جو بھی اس کی تحت آئے، مراد سے بہرہ ور ہوگا۔ اے اللہ ان کو بھی اپنی بخشش سے حصّہ دے) اور (اس پر بھی اپنی مہربانیاں اور رحمتیں نازل فرما) جو صلاحیت والا ہو ان کے باپ (دادوں) سے اور ان کے جوڑوں اور ان کی اولاد سے (سب کو مغفرت کر! اس طرح گویا یہ دعا سب کے لیے ہے۔ کوئی کسی کا باپ ہے اور کسی کا بیٹا، کوئی کسی کی عورت اور کوئی کسی کا خاوند، کوئی بہن اور کوئی بھائی، غرض اس خیر خواہی سے کوئی نیک باہر نہیں رہ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ دنیا میں بھی ہوں تو کارکنانِ قدرت ان کی فلاح و بہبود کے طالب ہیں۔ غرض لوگ اچھے بن کر رہیں اور نیک کام کریں تو تیرے وعدے پانے کے لائق ہوں۔ نہ کہ کسی کی شفاعت و کفارہ یا کسی کی دعا کی وجہ سے خلاصی پاکر تیرے وعدہ کے مطابق نجات حاصل کریں۔ ہرگز نہیں کیونکہ تیرا انصاف سفارش اور شفاعت کا متحمل نہیں ہے۔ اگر بدکردار توحید سے متنفر ہیں، تو اے خدا! تو کفر و شرک سے اس سے زیادہ بیزار ہے اور کون تیری بیزاری کو دُور کر کے تجھے خوش کر سکتا ہے، تیرے حکیمانہ کاموں میں کسی کو دخل کی جگہ ہی نہیں، تیرے غلبے کے سامنے کوئی بھی دم نہیں مار سکتا، جیساکہ کارکنانِ فطرت بھی یہ کہتے ہیں کہ اے معبودِ حقیقی! اور عادل ازلی ابدی!) تحقیق تو (اے پروردگار) اصل غالب (پورے پورے غلبے والا) اور حکیم (یعنی پوری پوری حکمتوں کا مالک ہے۔ تیرے کاموں میں ذرہ بھر غلطی کا امکان بھی نہیں کیوں کہ تو الحکیم) ہے (کارکنانِ قدرت فرشتے وغیرہ نیکو کاروں کے لیے یہ بھی کہتے ہیں کہ اے خدا ان پر مہربانیاں فرما کہ تیری توفیق سے نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت کریں)

(۹) وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ اور ان کو بُری عادات سے بچائے رکھ اور جس کو تونے (اے پروردگار!) اُس دن برائیوں سے بچالیا، پس تحقیق اس پر تُونے بڑا رحم کیا (اور مصائب و عذاب کی طرح طرح کی تکالیف سے بچانا اور انعام و اکرام کا ملنا کیا تھوڑی سی مہربانی ہے؟ جیساکہ فرمایا) اور یہ بات (یعنی تیرے رحم و کرم کا حاصل ہونا، حقیقتاً) وہ بڑا امراد کو پہنچنا ہے (بدیوں سے اپنے رحم کے ساتھ بچانا،

کیا یہ تھوڑی کامیابی ہے؟ غرض یہ بہت بڑی رحمت و رافت ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک دوسرے کے لیے دعا مانگنا بہتر ہے۔ انبیاء تک اس میں شامل ہیں اور ملائکہ بھی دعائیں کر رہے ہیں۔ ایسی دعاؤں کے لیے اذن کی شرط نہیں ہوا کرتی)

دوسرا رکوع | اب دوسرے رکوع میں عقبیٰ میں پہنچے ہوئے لوگوں کا ذکر ہے، جیسے ارشاد ہے کہ

(۱۰) اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ○ تحقیق جن لوگوں نے کفر (ناقدری و ناشکری اور منہ پھیر کر اللہ کی توحید سے بے رُخی اور بے التفاتی سے نفرت کا اظہار) کیا (وہ اپنے اپنے وقت پر پیشی کے دن) پکارے جاتے ہیں (اور ان کو کہا جاتا ہے کہ) جب تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے، تو خدا اس سے کہیں زیادہ بیزار ہوتا ہے، جس قدر (تم دین حق سے) اپنی بیزاری ظاہر کرتے تھے (یعنی کفر کرتے تھے۔ وہ نیکوکار راست گو تو جنت میں ہیں اور تم مصائب میں مبتلا ہو، اپنی نفرت کا انجام دیکھو۔ تمہیں توحید سے بیزاری تھی، ہمیں شرک سے نفرت۔ اب کیا ہو سکتا ہے؟ اپنے اعمال بد کا ذائقہ چکھو۔ اب یہ حالات جب دیکھے گھبرائے اور بے سود چیخ پکار میں مصروف ہو کر خلاصی کا راستہ دریافت کرنے لگے اور)

(۱۱) قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ○ بولے، اے ہمارے ربوبیت کرنے والے (سچے معبود) مارا تو نے ہمیں دو مرتبہ اور زندہ کیا تو نے ہمیں دو مرتبہ (دو موتیں اور ایک حیات تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہم نے دنیا میں دیکھ لی اور ایک حیات آج یہاں عقبیٰ میں دیکھ لی، اگرچہ اپنے اوپر نہیں، مگر دوسروں کے اوپر تو حیات و موت وارد ہوتے دیکھتے رہے تھے پس، اے سچے خدا! تیرے وعدے بے شک ٹھیک اور صحیح ہیں، دو دفعہ مارا دو دفعہ زندہ کیا مگر اے پروردگار! ہم پر اب کرم کیجو اور کوئی خلاصی کی راہ نکالیو) پس ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ (بے شک ہم تیرے مجرم ہیں اور تیرے پیغام اور پیغامبروں کے مکذب تھے اور اپنے کئے میں پھنسے ہیں) پس کیا (اب کوئی) ہے راستہ (اس

جہنم کے عذابوں سے (نکلنے کا؟ (چاہتے ہیں کہ دنیا میں واپس جانے کا موقع ہو یا اور کوئی سبیل چھٹکارے کی ہو، مگر کہاں ہو سکتی ہے؟ دنیا میں انہیں کافی وقت دیا گیا، نیک و بد کا فرق بتایا گیا، پے در پے مصلحین بھیجے گئے، واضح دلایل اور روشن آیات نازل کی گئیں۔ گذشتہ منکرین حق کے انجام کے عبرت ناک مشاہدے کرائے گئے۔ جزا و سزا کے دن سے بیّن طور پر ڈرایا گیا، مگر ضد و شرارت، اندھی تقلید، بے جا تکبر، دنیا کا لالچ اور مال و دولت، اولاد، زینی عیش و عشرت کے سامانوں میں ایسے مست و مغرور ہوئے کہ کبھی غور و فکر کرنے کا وقت ہی نہ نکالا۔ پس)

(۱۲) ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝ یہ (جہنم سے نہ نکلنا) اس واسطے ہے (یعنی اس کا سبب یہ ہے کہ) جب اللہ اکیلے کو پکارا جاتا تھا (گذشتہ زمانہ کی یاد دلائی جاتی ہے کہ توحید کے ساتھ تمہارا کیا برتاؤ رہتا تھا کہ) تم (اس وقت) کفر (سخت ناقدری، ٹھٹھا، مذاق، پھبتیاں اڑایا) کرتے تھے (یہ تمہارا توحید سے بغض و عناد تھا۔ اور پھر تم کس چیز کو اس وقت اچھا جانتے تھے، سنو) اور اگر خدا سے شرک کیا جاتا تھا، تو تم مان لیتے تھے (اور بے دھڑک خدائے واحد کی نافرمانی پر تل جاتے تھے۔ اب بتاؤ حکومت کس کی ہے؟ تمہارے مزعومہ شرکاء میں سے کون ہے جو خدا کے سامنے دم مار سکے؟ ہرگز نہیں) پس حکم جو ہے، اللہ ہی کے واسطے ہے، جو سب سے اعلیٰ (اور سب سے) بڑا ہے (پس، حکم کبیر اور اعلیٰ کا ہونا چاہیے، نہ کہ کمزوروں کا) لہذا مومنو! ایسے حاکم پر پورا پورا توکل رکھنا ضروری ہے۔ مومن مستقل مزاج رہے، تو جو گم راہ ہیں، اُسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ نتائج نکالنا صرف خدا ہی کا کام ہے۔ وہ اعلیٰ اور بزرگ ہونے کی سند دے رہا ہے کہ بھروسہ رکھنے والے کامیاب اور فائز المرام رہتے ہیں اور قانون حق سے منحرف ہونے والے، خائب و خاسر، ناکام و نامراد۔ دیکھو، اس کی سند کہ)

(۱۳) هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وہ وہی ہے (ذات پاک) دکھلاتا ہے اپنی نشانیاں (قرآن

سے پڑھ کر شمس و قمر اور ستارے اور دن رات کا اختلاف تبلایا، یہ سب آیات الٰہی ہیں۔ غور و فکر کرنے کو اس میں خدائے قدوس کی عظمت و جبروت، ہیبت و کبریائی نظر آتی ہے مگر غافل ان کی طرف توجہ دیئے بغیر ہی گزر جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ) اور اتارتا ہے تمہارے واسطے بلندی سے رزق (جس سے تم اور دوسرے تمام جاندار کھاتے ہیں۔ وہ ذات ہماری جسمانی اور روحانی پرورش کس عالیشان نظم و ترتیب سے کر رہی ہے۔ آسمان سے بعض ایسی چیزیں بھی اُترتی ہیں جو کھاد کا کام دیتی ہیں۔ محض بیجوں ہی سے پیداوار نہیں ہو سکتی، جب تک کہ اُن کی پرورش کے ضروری سامان بھی مہیا نہ ہوں۔ پھر غور کرو، تمہارے لیے چارپائے وغیرہ بنائے۔ اُن سے تم طرح طرح کی خدمات لیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی یہ نشانیاں دکھاتا ہے۔ تم کس کس نعمت کا انکار کرو گے اور ناقدردان بنو گے؟ سن رکھو کہ) نہیں نصیحت پکڑتا اس (اللہ کی مہربانیوں) سے مگر (وہی، جو) رجوع کرنے والا ہے (اللہ اکبر کیسا عالیشان اور بے غلط نظم ہے کہ جس میں ذرا برابر بھی غلطی کا امکان نہیں، تو پھر تمہیں کیا کرنا چاہیئے کہ اوروں کے دروازوں پر مارے مارے پھرا یا بلا شرکت غیرے صرف ایک مالک، خالق، رازق متصرف حقیقی اور ساری طاقتوں کے رکھنے والے رب العالمین ہی کو بھروسے اور توکل کے لائق جانو اور مانو۔ ایسے بدیہی دلایل کی موجودگی میں تو یہی لازم ہے کہ)

(۱۴) فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ پس پکارو اللہ (کامل مطلق) کو خالص کرکے واسطے اسی کی بندگی کے (اہل کفر و شرک کو توحید سے چڑ ہے، مگر تم موحد بنے رہو) اور اگرچہ کافر اس (توحید) کو بُرا (ہی) مانیں (تمہارا فرض ہے کہ ہر حال میں ثابت قدم رہو، کیا ہوا اگر ناشکر گذار اسے اچھا نہ سمجھیں؟ خدا کو توحید ہی پسند ہے۔ کفار حق سے بیزار، پروردگار باطل سے متنفر۔ بس نتیجہ بھی خدا ہی ہر کام کا نکالتا رہتا ہے۔ وہ خود ہی ہر شخص کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دیتا رہتا ہے۔ وحی و تصرف اسی کے ہاتھ میں ہے، پس)

(۱۵) رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ درجوں کا بلند کرنے والا (خود بھی بلند

درجے والا ہے۔ دونوں صفات اس میں شامل ہیں۔ لوگوں کو درجات دینا اور خود صاحب الدرجات ہونا یہ اکیلے خدا ہی کو شایاں ہے۔ دوسرے کسی کو نہیں، کیونکہ وہ خدا) حکومت کا مالک ہے (ہر شے کے سرے اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وحی بھی وہی کرتا ہے۔ دوسرا کون ہے جو دعویٰ کرے کہ میں وحی اتار سکتا ہوں۔ ایسا دعویٰ کرنے والا بہت بڑا ظالم شخص ہوگا۔ وہ خدا) اپنی مرضی سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، وحی بھیجتا ہے (وحی میں کسی کو ذرہ بھر اختیار نہیں ہے۔ پس جب محمد رسول اللہ صلعم پر وحی اتر رہی تھی تو اس وحی کو کس لیے اتارا گیا؟ ارشاد ہے، تاکہ خداوند کریم لوگوں کو) ڈرائے حاضری کے دن سے (یہ پیش ہونا کب ہے؟ خود ہی فرمادیا کہ)

(۱۶-۱۷) **يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۚ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝** جس دن وہ نکل پڑتے ہیں (وہ نظارہ ہی کچھ اور ہے روح و نسمہ ظاہر و واضح ہو جاتا ہے۔ انسان کے سارے اعمال اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ یہ حالات کون پیدا کرتا ہے اور سب کچھ کون ظاہر و باہر کر دیتا ہے؟ خدا اور صرف خدا! کیونکہ) اللہ پر ان کی کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں ہوتی (کتنا ہیبت ناک منظر ہے؟ انسان کے لیے بھاگ کر چھٹکارا پانے کی کوئی راہ نہیں۔ یہ نزع کا عالم ہے۔ فرشتے اشد العذاب کی طرف لے جا رہے ہیں اور پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ) آج کس کی بادشاہی ہے؟ (صاف ظاہر ہے) اللہ اکیلے غالب کی (وہی ہر کام کا نتیجہ نکال کر کام کرنے والے کو اس کے اعمال کے مطابق جگہ دیتا ہے، یا کاموں کے مناسب حالت کر دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے) آج کے دن ہر نفس کو وہی ملیگا جو اس نے کمایا (اندھا دھند کام نہیں ہوتا) آج کے دن کوئی (بھی زیادتی اور) ظلم نہ ہوگا (خدا اپنے بندوں پر قطعاً ظلم روا نہیں رکھتا۔ لوگ آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ پس اس موقعہ پر نہ کسی کے کہنے سننے سے خلاصی پاتا ہے، نہ عذاب میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ سب اپنے ہی کیے کا مزہ چکھتے ہیں اور اس کے لیے کوئی لمبا وقت مقرر نہیں ہے کہ کہیں کروڑوں صدیوں کے بعد پیشی ہو، ہرگز نہیں، بلکہ) تحقیق اللہ جلدی حساب لینے والا ہے (وہاں گننے اور اندازے لگانے میں مدت نہیں لگتی۔ سامنے جہنم ہے جو فوراً کھل جاتا

ہے اور علاج شروع ہوجاتا ہے۔ پس اے رسولؐ اور مبلغ قرآن تمہارا یہ کام ہے کہ)

(۱۸) وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ اور ڈرا ان (مجرمین وغیرہ) کو مصیبت کے دن سے (وہ دن کون سا دن ہے؟ آپ ہی تفسیر بھی فرمادی کہ روح اور نسمہ کا اس بدن سے علیحدگی کا دن ایسا ہوگا) جب کہ دل حلق کے پاس اٹکنے والے ہوتے ہیں (نالیاں دباؤ سے اور غم سے پھانسی کا نقشہ پیش کردیتی ہے۔ یہ دل) غم سے بھرے ہوئے (ہوتے ہیں۔ ایسے وقت میں مجرمین اور بدکار ومشرکین بے بس بے یار ومددگار بغیر کسی حمایتی وغیرہ کے مصائب میں گھرے اور مشکلات میں پھنسے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ) ظالموں کے واسطے نہ کوئی دوست ہے (کہ بوجہ بلا کا کرائے)، نہ (کوئی) شفیع ہے (جو اس مصیبت سے چھڑائے اور) جس کی (شفاعت) قبول کی جائے (ظالموں کا مددگار اور دوست ہیئی کون، جس کا کہا رد نہ کیا جائے؟ کیا کوئی ایسا ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے؟ شرم کا مقام ہے کہ لوگ غور نہیں کرتے کہ خدا اور پھر وہ کسی کی اطاعت کرے؟ وہ خدا جو دلوں کے رازِ نہاں کا پورا پورا واقف ہے، جس کے سامنے ظاہر وباطن یکساں ہیں، جس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں، جو انسان کے صدر مقام کے باریک سے باریک خیالوں اور وسوسوں سے بھی آگاہ ہے، کسی اور کو اپنے فیصلوں یا کاموں وغیرہ میں کس طرح دخیل بنا سکتا ہے؟ پھر یہ لوگ کدھر بہکے جارہے ہیں؟ الغرض وہ خدا ایسا ہے کہ وہ)

(۱۹) يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ۝ جانتا ہے، آنکھوں کی خیانتوں (یعنی ہر طرح کی بدنظری) کو (اور پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ) اور جو کچھ چھپاتے ہیں سینے (پھر ایسے باریک بین اور علیم کل کے سامنے کون ہے جو دم مار سکے؟ کوئی ہے جو ایسا غیب دان، کلی اختیار والا پوری قدرت وطاقت کا مالک ہو۔ کیا پھر یہ موٹی سی بات بھی نہیں جانتے۔ خوب جانتے ہیں۔ مگر توحید کی ضد میں عناد وشرارت سے شرک کا یہ ڈھونگ رچایا جاتا ہے اور فطری آواز کو بزور دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہر متنفس کو فجور وتقویٰ کا طبعی الہام کیا ہوا ہے، اس لیے

یہ لوگ اپنی لاعلمی کا بے سود عذر کر کے عذابِ خداوندی سے خلاصی نہیں پا سکتے۔ ہاں سچی توبہ کر کے نادم ہوں اور ایمان لا کر اعمال صالحہ کر کے ایمان کا ثبوت پیش کریں، تو پروردگار معاف فرما دیتا ہے۔ وہ بڑا منصفانہ فیصلے دینے والا ہے، اس کے ہاں کوئی ناانصافی نہیں کہ صالح اور غیر صالح کو ایک ہی چکی میں پیس ڈالے۔ پس اس صورت میں انسان کو لازم ہے کہ نیک بننے کی کوشش کرے، خدا سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق مانگتا رہے اور شرک سے بچا رہے۔ آخر میں ہر ایک کو خدا ہی سے سابقہ پڑنا ہے، پس اسی کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ خدا ہی کو کافی سمجھو، اس کے سوا کوئی بھی وہاں کسی کے کام آ سکتا ہے، نہ آئے گا، عالمِ آخرت کے واسطے یہیں سے زادِ راہ بھیجو۔ من دون اللہ سے کوئی امید نہ رکھو، نہ اس کے سوا کسی پر بھروسہ رکھو۔ اُس معبودِ مطلق کو کافی جانو، دوسرے تمام سہارے تارِ عنکبوت سے بھی بودے ہیں بلکہ یکسر بے کار اور عذاب کا موجب بن جاتے ہیں۔ شفاعت اور سفارش اور کفارہ وغیرہ دربارِ خداوندی میں بے کار اور باطل محض ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اور کیسا واضح اور زوردار فرمان ہے کہ)

(۲۰) وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۟ اور اللہ (کامل مطلق ذات بلا شرکت غیرے) حق کے ساتھ (بے غلط) فیصلہ دیتا ہے اور اس (کامل مطلق) کے علاوہ جن کو یہ (مشرک اور کافر) لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں دے سکتے (وہ تو بے خبر اور لاعلم ہیں، علانیہ اور پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہی حقیقی فیصلے دے سکتا ہے اور مناسب بدلہ دیتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کون ہے جو قضا بالحق کا دعویٰ کرے؟ مشرکین مکر و فریب سے اپنے شرک کو قائم رکھنے کی بے سود کوشش کرتے ہیں، مگر یاد رکھیں کہ سخت مصائب میں ڈالے جائیں گے، کیوں کہ خدا تعالیٰ کا ہمیشہ ہی سے یہ قاعدہ چلا آیا ہے کہ مجرموں کو اُن کے کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ تو کیا اب اس کی یہ سنت ان کے لیے بدل جائے گی؟ کوئی ہو کسی زمانے میں ہو، خدائے علیم و بصیر ایک ایک کی ادنیٰ سے ادنیٰ حرکتوں کا بھی علم رکھنے والا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ) تحقیق اللہ (کامل مطلق)، وہی ہے (اور کوئی بھی یہ صفات نہیں رکھتا) اصل سننے والا اور اصل دیکھنے والا (ایسے حاکم سے بغاوت اور پھر انجام سے غفلت کرنا، اپنی ہلاکتوں کو خود دعوت

دینے کے برابر ہے۔ جب اس کی گرفت سامنے آتی ہے، تو کوئی چیز بھی اسے روک نہیں سکتی، نہ طاقت، نہ جتھے بندی اور نہ قلعوں کی مضبوطی اور نہ فوجوں کے لشکر۔ کوئی بھی دنیوی طاقت اس عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ انسان دیکھنا چاہے، تو عذاب خداوندی کی نشانیاں، کھنڈروں کی صورت میں، زمین پر ہر جگہ بکھری ہوئی نظر آئیں گی۔ ان کے مشاہدے سے وہ ظالموں کے انجام کو سمجھے گا، اس سے عبرت پذیر ہوگا، جیسے ارشاد فرمایا)

(۲۱) اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی، پھر اُن (ظالم) لوگوں کا جوان (کفار) سے پہلے تھے، وہ ان سے قوت (و جمعیت) اور زمین میں آثار (یعنی نشانات، مثلاً آبادیاں بنانے) کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے (آج اہل عالم کی عبرت کے لیے اُن کے تمام نشانات کھنڈروں کی صورت میں باقی رہ گئے ہیں۔ کوئی چیز ان کو عذاب خداوندی کے مقابلہ میں کام نہ آئی اور اُن کے تمام سامان بے کار محض ثابت ہوئے۔ یہ تباہیاں اور بربادیاں اُن پر بے وجہ نہیں آئیں جیساکہ فرمایا) پس پکڑا اللہ نے (ظالموں) کو ان کے گناہوں کے سبب (پروہ قلعے، وہ بڑے بڑے محل اور دوسری عمارات جن پر وہ ناز و تکبر کرتے تھے، کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ فسق و معصیت کی زندگی میں یہ سامان کیا کام آسکتے ہیں؟ یہ ظلم اور بے سبب طاقت کا اظہار آخرکار رنگ لایا اور وہ دنیا کی رسوائی والے عذاب سے علاج کے لیے جہنم کے شفاخانہ میں پہنچائے گئے، جہاں بڑی تکلیف دہ چیزوں سے یہ روحانی زنگ اتارا جاتا ہے۔ تو جب بات یہ ہے، تو انسان کس طاقت اور سر و سامان پر غرور کرے؟ دراں حالیکہ خدا کی گرفت کے وقت اسے کوئی بھی چارہ ساز میسّر نہیں، جیساکہ ارشاد ہے) اور ان (شریر جماعتوں) کو کوئی بھی اللہ سے بچانے والا نہ تھا (جب جبر مذہبی، تکبر اور احکامِ خداوندی سے بے نیازی ہو اور بڑی شد و مد سے کفر و شرک کی راہ اختیار کی جائے، موحدین کو طرح طرح کے آزار پہنچائے جائیں اور ان کے راستے روکے جائیں، شیخی اور بڑائی اور تکبر کیا جائے اور عاجز مومنوں کو صرف توحید پرست ہونے کی بنا پر ستایا اور سخت تنگ کیا جائے

تو پھر عذابِ الٰہی کے آنے میں کیا رکاوٹ ہوسکتی ہے؟ جب یہ موقعہ آتا ہے، تو تمام گھمنڈ اور فضول شیخیاں کرکری ہوکر رہ جاتی ہیں۔ یہ تباہی ان کی اپنی ہی کرتوت کے سبب آتی ہے۔ جب ظلم کی حد ہوجاتی ہے، تو رحمتِ الٰہی اپنے نیک بندوں پر بارش کی طرح برستی ہے اور ان کی پوری پوری حمایت کرتی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے اور برائی کا راستہ ترک کردیا جائے۔ دیکھو، مجرمین کی گرفت کیوں ہوئی،

(۲۲) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ یہ اس لیے کہ ان کے رسول ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آتے تھے (مگر یہ کفار کھلی اور واضح ہدایات کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کو تو پُراسرار دین چاہیے تھا اور یہ پُراسرار دین، دیوتا دیویاں اور شفعاء وغیرہ ہی بنا سکتے ہیں کہ لوگوں کی عقلوں پر پردے ڈال کر اپنا الو سیدھا کیا جائے۔ پس دینِ حقیقی کی یہ ناہنجار کیا قدر کرسکتے ہیں؟ دیکھو بیّنات کے ساتھ ان کا کیا کچھ سلوک ہوا) پس (تعلیمِ حق سے) انکار کردیا (تو پھر ان کے لیے راہِ فرار بھی کیا تھی؟) تو پکڑ لیا ان کو اللہ نے (کیونکہ تحقیق وہ (اللہ کامل مطلق) بڑی قدرت (وزور) والا بڑی پکڑ والا ہے (اس کے مقابلہ میں کون آسکتا اور چون و چرا کرسکتا ہے؟ زمین پر ہی اُس کے فیصلوں کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا تو کیا عقبیٰ ہی میں آخری نتائج نکلنے کے وقت شفعاء وغیرہ دخل دیں گے؟ اکثر مشرکین کہا کرتے ہیں کہ ان کو اذن دیا جائے گا یا دیا جاچکا ہے۔ بھلا قطعی فیصلوں کے موقعہ پر اذن و اجازت کی گنجائش بھی نکل سکتی ہے؟ ایسی لایعنی بات کو اُن مشرکین کے دماغ ہی تسلیم کرسکتے ہیں، جنہوں نے یوم الدین کے لیے شفعاء بنا رکھے ہیں۔ مومن کا تو یہ عقیدہ ہے کہ شفاعت ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے اور وہی حق کو دنیا میں بھی غلبہ دیتا ہے اور عاقبت میں بھی حق پر چلنے والوں کو ہر طرح نوازتا ہے۔ دیکھو، دنیا میں حق کو کیوں کر غلبہ دیا جاتا ہے اور باطل کو تباہ کیا جاتا ہے۔ فرمایا)

(۲۳-۲۴) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ○ اور البتہ بھیجا ہم نے (یعنی خدا نے) موسیٰ کو آیات اور واضح دلائل کے ساتھ (یعنی منقول اور معقول دلائل ایک دوسرے کے موید تھے۔

کتاب توراۃ اور صحیفۂ فطرت کے روشن اور کھلے بیان دے کر بہت بڑے جابر اور مفسد بادشاہ) فرعون کی طرف اور (اس کے وزیر کی طرف جسے اپنی عقل و تدبر پر بہت ناز تھا یعنی) ہامان اور (جو بہت بڑا دولت مند تھا یعنی) قارون (کی طرف، مگر یہ لوگ بین دلائل پر غور و فکر کر کے نتیجہ پر پہنچتے اور نیک نیتی سے سوال و جواب کرتے تو کوئی بات بھی تھی، وہاں تو تکبر، نخوت، غرور، شیخی اور تعلی کے بغیر اور کچھ تھا ہی نہیں۔ انہوں نے آیات میں بغیر دلیل کے فضول جھگڑا کیا۔ نامعقول طریق پر کتابِ الٰہی کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کیا اور بغیر سوچے سمجھے ڈٹ گئے) پس بولے (تو یہ بولے) یہ تو جادوگر ہے بہت ہی جھوٹا (یہ ہے نامعقول طریق کہ بغیر سوچے سمجھے شیخی اور غرور سے یہ الزام لگا دیا اور پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ حق کا مقابلہ جبر سے کیا اور اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ انہوں نے نادانستہ نہیں، دانستہ طور پر ظلم و عداوت کی راہ اختیار کی، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے)

(۲۵) فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق (واضح اور روشن دلائل کے ساتھ) آگیا (تو جبر و تشدد پر تل گئے) بولے ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کر دو جو اس (موسیٰ) کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو (دیکھو اپنی قوم کو بڑھانے اور بنی اسرائیل کو معدوم کرنے کا کیسا ظالمانہ طریقہ اختیار کیا؟ مگر قانون خداوندی ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے کہ حق کو غلبہ حاصل ہو اور باطل ملیامیٹ ہوتا ہے۔ ظالم اپنے مکر و فریب میں خود ہی پھنس کر رہ جاتا ہے، مکار اور جابر کو کبھی فلاح نہیں ملتی اور شجرِ ظلم کبھی ثمرآور نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرعون کی چال کامیاب نہ ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ پہلے تو اپنی قوم کو بڑھاتا تھا اور اب مقابلہ ہوا تو جبر و استبداد میں اور ترقی کی تو یہ چال بھی اکارت گئی) اور نہیں ہے داؤ ناقدروانوں (ظالموں اور مشرکوں) کا مگر بیچ گمراہی کے (ناقدروانوں کا داؤ ہمیشہ تباہ ہوتا ہے اور اسے کبھی کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ ظلم کبھی اچھا پھل نہیں لاتا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ مومنوں کا مولیٰ ہے۔ کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔ وہ ہمیشہ تباہ و برباد ہوتے آئے ہیں، کیونکہ یہ لوگ ہیں ہی اس لائق۔ الغرض جب فرعون کی وہ شیخی انا ربکم الاعلیٰ والی ڈھینگ سست پڑ گئی اور وہ دلائل سے مرعوب ہوگیا اور سمجھ گیا کہ مباحثہ

خاک بھی کام نہ دے گا اور رعایا میں کھلبلی مچ جانے سے میری ہوا خراب ہو جائے گی اور اب بغیر ظلم کے کاربراری سخت مشکل ہے۔ تو سخت جھنجھلایا)

(۲۶) وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ○ اور بولا مجھے چھوڑ دو۔ (یعنی نہ روکو، ہٹ جاؤ کہ) میں موسیٰ کو قتل کروں اور (پھر) یہ اپنے ربوبیت کرنے والے کو (میرے مقابلہ میں مجھ سے خلاصی پانے یا موت سے بچنے کے واسطے) پکارے (کہاں یہ زور و شور اور کہاں یہ بزدلی کہ سختی اور تشدد کے ساتھ اپنے مخاطب کو مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ فرعون پر کیا منحصر ہے، ہر باطل پرست انہیں کوتاہ ہتھیاروں سے کام لیتا ہے اور یہ اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ اس کے پاس معقول دلائل نہیں اور اپنے معتقدین کو اپنے قابو میں رکھنے کی یہ بھی ایک چال ہے۔ چنانچہ فرعون بھی یہی کہتا ہے کہ) بالتحقیق مجھے ڈر ہے (حد درجہ کی بزدلی دکھلا رہا ہے) یہ کہ تمہارے دین کو (موسیٰ اپنے دلائل اور حقانیت سے) بدل (نہ) ڈالے (بس اسے تبلیغ کا حق یا موقعہ ہی نہ ملنا چاہیے۔ صرف ہمارا دین ہی بڑھنا اور پھیلنا چاہیے۔ جبر مذہبی کی بھی حد ہو گئی۔ وہ لوگوں کو فساد کا اندیشہ دلاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ درپردہ اسے اپنے ہی رعب کو نقصان پہنچنے اور وقار کو دھکا لگنے کا خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس کے تمام بلند بانگ دعوے خاک میں نہ مل جائیں، اس طرح وہ اس تصادم سے ڈرتا ہے، جبھی تو کہتا ہے کہ موسیٰ تمہیں مرتد نہ کر دے اور) یا یہ کہ (اس میری) زمین میں فساد کو غالب کر دے (اسے چاہیے تو یہ تھا کہ لوگوں کو فساد سے احسن طریق پر بند کرتا اور ان کو وعظ و نصیحت سننے سنانے کا موقعہ دیتا مگر اس کے بجائے اسے الٹی تجویزیں ہی سوجھتی ہیں، وہ تو اپنے نشہ حکومت میں بدمست اور متوالا ہو رہا ہے اور جو چال چلتا ہے الٹی ہی چلتا ہے۔ غرض جب یہ حال دیکھا اور متکبر کو آپے سے باہر ہوتے دیکھا)

(۲۷) وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ○ اور کہا موسیٰ نے میں اپنے اور تمہارے ربوبیت کرنے والے کی پناہ میں آتا ہوں۔ ہر متکبر

سے جو پیشی کا قائل (یعنی روزِ حساب کا ماننے والا) نہیں ہے (کیسی واضح، معقول اور اتحاد انگیز بات کہی کہ ہم سب کی ربوبیت ایک ذات واحد رب العالمین ہی کرتا ہے، ہمیں چاہیے' اسی کے فرماں بردار ہو کر امن سے زندگی بسر کریں' اس کی عبادت کریں اور اس کی مخلوق سے احسن برتاؤ کریں۔ اگر خدا تعالیٰ کے سامنے حاضری کا خوف نہ ہو تو انسان متکبر ہو جاتا ہے اور جا و بے جا سب روا رکھتا ہے۔

ایسے نظارے سے ایک چھپے ہوئے ایمان والا شخص متاثر ہوتا ہے، وہ شخص فرعون ہی کے قریبی رشتہ داروں یا مطیع فرمان لوگوں میں سے تھا۔ غرض کوئی بھی ہو' بڑی جرأت ایمانی اور حوصلے والا اور بڑی مدلل بحث اور خوب وعظ کرنے والا تھا۔ جب اُس نے یہ حالات دیکھے، تو اس کا چھپا ہُوا ایمان تڑپ اُٹھا اور بے تاب ہو گیا۔ وہ فرعون کو اور تمام حاضرین یعنی اپنی قوم کو مخاطب کرتا اور نہایت جرأت اور دلیل کے ساتھ حق کی حمایت کرتا ہے اور بڑی متانت سے ہر ایک پہلو کو روشن کرتا ہے۔ درمیان میں فرعون بھی بولتا ہے۔ مگر وہ مومن فرعون اور اس کی قوم کو وعظ و نصیحت کرتا ہے اور تمام نشیب و فراز بہ دلائل واضح کرتا جاتا ہے۔ مومن کا لیکچر اسلام کے متعلق ہے کہ دین کیا چیز ہے؟ فرعون کے مظالم سے ایمان چھپا ہُوا تھا، اب عین موقعہ پر اس کا بڑی خوبی اور عمدہ طریق پر دربار شاہی اور استبدادیوں کی جماعت کے سامنے اظہار کر دیا۔ قوم کے عیوب اس کے سامنے واضح کر دیئے اور ان کی برائیوں سے بچنے کی تاکید کی' یعنی جبر مذہبی سے نفرت دلائی' قتل و خوں ریزی کی مذمت کی اور بتایا کہ کسی صادق کو دھوکے باز یا کذاب کہنا سخت غلطی ہے اور اس کے قتل کے درپے ہونا اُس سے بھی سخت جرم ہے۔ بیّنات کے مقابل اپنے غلط راستہ کی حمایت کرنا بڑا تعصب اور نالائقی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس مومن کی باتیں حق ہونے کے باعث قرآن میں لا کر خدا نے مصدقہ وحی کر دیں۔ خدا سچی بات کی قدر کرتا ہے اور وہ باتیں قرآن میں آنے سے بمنزلہ وحی ہو جاتی ہیں۔ نبی کریم کی بہت سی باتیں اور جنگ بدر و احزاب وغیرہ کے بعض حالات وغیرہ کی قرآن میں تصدیق کی' وہ بمنزلہ وحی ہو گئے۔ مومن' کافر' شیطان تک جس کی بات کی قرآن میں تصدیق کی گئی وہ مصدقہ الٰہی ہیں۔ جن کی تکذیب کی وہ غلط ٹھہریں۔ جہاں خاموشی اختیار کی وہ ہمارے غور و فکر پر چھوڑ دیں۔ وحی اور غیر وحی میں بیّن امتیاز کرنا چاہیے۔ وحی کو غیر وحی اور غیر وحی کو وحی کہنے والے دونوں سخت مجرم ہیں (نعوذ باللہ) وحی نرے احکام نہیں ہوتے بلکہ آیات' دلائل بیّن جن کا نام حکمت رکھا ہے' ذکر حکیم اور آیات سب وحی ہیں اور قرآن میں موجود ہیں۔ آیات

اورحکمت وحی متلو ہے۔ہاں دوسری حکمت، خیر کثیر ہے مگر اُسے وحی نہ سمجھنا چاہیے۔معقولات سب جگہ سے لو، عقل و فکر اور غور سے کام لینا خوبی کی بات ہے۔ اس کو ضائع کرنا ناقدر دانی ہے مگر غیر وحی کو وحی کہنا ہی ظلم عظیم ہے۔ وحی میں آیات و حکمت موجود ہیں۔ بیّنات دلائل کے ساتھ ہوتی ہیں الغرض مومن کے ایمان نے یہ حالت دیکھ کر جوش مارا اور حقیقت حال پر وعظ شروع کردیا۔ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ خدا اپنی ذات میں ماننے کے لائق ہے نہ کہ کوئی دوسرا منوائے۔مقصود بالذات ہر ایک کا خدا ہونا چاہیے نہ کہ کوئی اور شخصیت۔ درمیان جتنے وسائط ہوتے ہیں، یہ بمنزلہ صفر ہوتے ہیں۔اصل چیز خدا کی فرماں برداری ہے جو تعلیم حق پر چل کر حاصل ہوتی ہے۔مگر لوگوں نے اصل کو نظرانداز کردیا اور مبلغین کو حقیقت سمجھ لیا۔یہ ہے بنیادی غلطی اور شرکیہ عقیدہ۔اس مومن کا سارا لکچر توحید سے مملو ہے۔ وہ مثالیں دے دے کر ہستی باری تعالیٰ اور پیشی کے دن کو ثابت کرتا ہے اور احسن طور پر مظالم وغیرہ سے باز رہنے کی تاکید کررہا ہے اور اپنے آپ کو بمنزلہ صفر قرار دے رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے خوبی سے بھرپور کلام کو اپنی کتاب میں جگہ دی۔ اس میں ایک تو تعلیم کی خوبی نظر آئی، دوسرا مبلغین کو استقلال کا اور مخلوق کی طرف سے مطلق بے خوف ہونے کا سبق دیا۔الغرض حق گو کا بیباک ہونا ضروری ہے۔ غور کرنے سے اور بھی بہت سی باتیں نظر آسکتی ہیں۔ دیکھو کیسے جابر و ظالم کا دربار ہے اور کیسی جرأت سے یہ صاحب ایمان وعظ و نصیحت کررہا ہے۔ اس نقشہ کو ذرا تصوّر میں لاؤ اور اپنے دلوں کو ٹٹولو کہ تمہارے قلوب ایسے حقیقی ایمان سے لبریز ہیں یا محض مصلحت بینی ہی سے کام لے رہے ہیں۔خاص کر ملّاؤں کے طبقے کو تو یہ واقعات پڑھ کر اپنی حالت پر افسوس ہونا چاہیے۔جن کی بات بات پیچیدہ اور چالوں سے بھری ہوئی جن کے ظاہر و باطن میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور جنہیں اپنی بزدلی چھپانے کے ایسے ایسے طریق یاد ہیں کہ شاید رسول اللہؐ کے زمانے کا کوئی بڑے سے بڑا منافق بھی مقابلہ نہ کرسکے۔الغرض اس مومن کے حوصلے کو دیکھیے، جو مردمیدان بن کر اپنی ساری بدکردار قوم کو مخاطب کرتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے)

رکوع ۴ | وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا

اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا

فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ
مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ○ اور کہا ایک مومن آدمی نے، وہ فرعون کی آل میں سے تھا، جو ایمان
اپنے کو چھپائے ہوئے تھے (اور اب تو ظاہر ہی ہوگیا ہے۔ ایک صاحب اقتدار جابر اور ظالم انسان کی
موجودگی میں بڑی جرأت سے گفتگو کرتا ہے اور خداوند کریم اس کے ایمان کی تصدیق فرمارہا ہے۔ وہ
اس وقت موسیٰ و ہارونؑ وغیرہ کی شخصیتوں کو نظر انداز کرکے صرف حقانیت پر وعظ کررہا ہے کیوں کہ اصل
چیز تو توحید ہی ہے۔ درمیانی سلسلے تو ذرائع ہیں، حقیقت نہیں ہیں۔ خود رجل ہے اور موسیٰ کو بھی رجل
ہی کہتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو منوانے نہیں آتے، بلکہ اس تعلیم کو پیش کرتے ہیں جس سے نجات حاصل
ہوتی ہے اور معقول باتیں مثالیں دے دے کر ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ لوگو تمہارا یہ جبر
کرنا اچھی اور خوبی والی چیز نہیں۔ کیوں اس قدر ظلم و ستم پر اتر آئے ہو؟ اس کی لائی ہوئی تعلیم میں تمہیں
کون سی ناقابل برداشت بات نظر آتی ہے جس پر اسے مٹانے پر تُل گئے ہو۔ غور کرو کہ) کیا ایک آدمی (موسیٰ)
کو (اس عالیشان بات کے کہنے پر) قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میری ربوبیت کرنے والا جو ہے وہ اللہ (کامل
مطلق) ہی ہے (اور کوئی دوسرا نہیں۔ اللہ ہی رب اور الٰہ اور خدا ہے، اس کے ساتھ کسی کو بھی ملایا نہیں
جاسکتا۔ وہ اکیلا ہی اپنی تمام مخلوق کے لیے کافی ہے۔ بتاؤ اس کے اس قول سے ہمیں کیا ضرر پہنچتا ہے؟ میرا
تو ایمان ہے کہ وہ سچ کہتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ زبانِ حال سے اس کی ربوبیت کا ثبوت دے رہا ہے۔
جب یہ بات ہے تو لائق عبادت بھی وہی اللہ ٹھہرا، دوسرے کی گنجائش ہی کیا نکل سکتی ہے؟ پھر کہتا ہے)
اور تحقیق آیا ہے تمہارے پاس تمہاری ربوبیت کرنے والے (خداوند کریم رب العالمین، نہ کہ فرعون) کی طرف
سے روشن باتوں کے ساتھ (آیات ہی بینات کے ساتھ حکمت بن جاتی ہیں) اور اگر (بالفرض) یہ (موسیٰ
اپنے اس پیغام میں) جھوٹا ہے (تو تمہیں کیا نقصان ہے۔ اگر یہ اس کی خود ساختہ باتیں ہیں۔ وہ آپ ہی ان
کے وبال میں پھنسے گا۔ تم جزئیات میں نہ پڑو، بینات پر دھیان رکھو۔ اگر یہ اپنے دل سے بنالایا ہے) پھر اس
(موسیٰ) پر ہے جھوٹ اس کا (مگر ہاں تم بھی عقل و فکر سے کام لو اور جذبات کے ماتحت اندھا دھند رو میں
نہ بہہ جاؤ اور جلد بازی میں نقصان کی راہ اختیار نہ کرو، وہ اس لیے کہ) اور اگر (یہ موسیٰ اپنے اس قول میں)
سچا ہے تو (پھر لازم ہے کہ) کوئی مصیبت جس کا تم سے وعدہ کرتا ہے، تم پر واقع ہوکر رہے گا۔ (ہوسکتا ہے

کہ تمہاری توبہ کے باعث یا حالات بدل جانے کے سبب تم پر اُس کی ساری کی ساری وعید پوری نہ ہو، مگر جس عذاب کا معین اور قطعی الفاظ میں وعدہ ہے وہ بہرحال واقع ہو کر رہے گا، کیوں کہ اگر تم اڑے رہے تو معین عذاب اپنے وقت پر ضرور واقع ہوگا۔ لیکن اگر یہ جھوٹا ہے یا تم جھوٹ پر ہو، تو یہ جھوٹ اپنی ذات میں کسی کے لیے بھی فائدہ مند نہیں ہے۔ فائدہ اسی کو ہے جو حق پر ہے۔ بس سمجھ لو کہ) تحقیق اللہ نہیں (سیدھی) راہ دکھاتا اس کو جو حد سے نکلنے والا ہے اور جھوٹے کو (مفتری اور بیّنات سے روگردان اور سرکش بہ سبب اس کی کرتوت کے اندھیرے ہی میں رہنے دیا جاتا ہے اور اگر وہ باز نہ آئے تو یہیں سے رسواکن عذاب سے گرفت کرکے جہنم میں پہنچا یا جاتا ہے۔ انسان کو یہ زرّیں موقع ہاتھ سے نہ کھونا چاہیے۔ فوراً تائب ہو کر صلاحیت والے کاموں پر گامزن ہونا اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کی ترغیب و تحریص دینا اپنا فرضِ اوّلین جاننا چاہیے۔ دیکھو، اس وقت حکومت تمہاری ہے۔ جبر مذہبی ترک کرکے امن قائم کرنے کی سر توڑ کوشش کرو اور عدل و انصاف سے کام لو)

(۲۹) يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ○ اے میری قوم واسطے تمہارے بادشاہی ہے، آج اس ملک میں اس وقت غلبے والے ہو (پس یہ وقت ہے کہ تعدی اور ظلم سے ہاتھ اٹھاؤ اور ایک دوسرے پر مہربانی سے پیش آؤ۔ حکومت اور غلبہ آنے جانے والی چیزیں ہیں، ان پر بھروسہ کرکے جور و ستم روا نہ رکھو۔ انقلاب ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اگر خدا کی طرف سے ہم پر کوئی گرفت ہوئی تو پھر اس وقت کیا چارہ کار ہوگا؟) پھر کون ہماری مدد کرے گا اللہ کے عذاب سے (کوئی ہے جو بچائے) اگر وہ (ہمارے کاموں کے باعث ہم پر) آگیا (اس موقع پر ظالم و جابر بادشاہ اپنی کمزوریاں دیکھ کر یا شکست کو چھپانے کے لیے تعلّی کرکے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے کہ لوگو جو کچھ میں سمجھتا ہوں، تمہارے دماغ کی وہاں تک رسائی نہیں ہے میرا دماغ فوق الفطرت ہے، جہاں تک میری نگاہ جاتی ہے، تمہاری نگاہیں وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ پس آنکھیں بند کرکے میری پیروی اور تقلید کرو۔ میرا کہنا اور میرا کرنا سب بے غلط اور واجب التسلیم ہے میں تم کو غلط راستے پر نہیں چلاتا، کیوں کہ میں غلطی کر ہی نہیں سکتا۔ میری فرماں برداری تم پر فرض ہے۔

غور کا مقام ہے کہ ہر مقلد فرعون والی دلیل ہی پیش کرتا ہے، یعنی جو میری سمجھ میں آتا ہے دوسروں کے دماغ اور عقل کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ اسی نظریہ سے ہر مقلد کہتا ہے کہ میرے مجتہد کی تقلید کرو، تمہارے دماغ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ غرض یہ لوگ انہیں زنگ خوردہ ہتھیاروں سے کام لینا چاہتے ہیں۔ کیسا اندھا پن ہے مگر عقل مند لوگ جانتے ہیں کہ یہ نعمتِ عظمٰی یعنی عقل بڑی قدر کی چیز ہے۔ اس سے منحرف ہونے والوں پر گندگی یعنی جہالت وغیرہ ڈالی جاتی ہے، اپنی عقل سے کام نہ لینے والا فرعون کی سنت پر چلنے والا ہے۔ ہر شخص اپنے ہی کاموں کا جواب دہ ہے، پھر کس طرح آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے مقلدانہ حیثیت میں چلا جائے۔ دیکھو، اتنا بڑا سرکش، مفسد، مکار اور ظالم بھی اپنے کو غلط کار تسلیم نہیں کرتا، بلکہ) کہا فرعون نے (اپنی قوم کو یہ جانتے ہوئے کہ دلائل معقول تو میرے پاس اس مومن کے مقابلہ میں خاک بھی نہیں ہیں، تو کہیں اس شخص کے زبردست اثر کے نیچے آ کر میری رعایا میرے ہی خلاف نہ اُٹھ کھڑی ہو۔ یہ دخل در معقولات اسی لیے دیا اور مبہم سا فقرہ کہہ دیا، جیسے ہر مکار اپنی بے معنی بات کو بھید کہہ کر اعتراض کو ٹال دیتا ہے۔ ایسا ہی اس نے بھی، سی ہتھیار سے کام چلانا چاہا) کہ نہیں دکھاتا میں تم کو مگر جو کچھ میں دیکھتا ہوں (اور جو میں دیکھ رہا ہوں وہ غلط نہیں ہے بلکہ حقیقت یہی ہے کہ تم چپ چاپ میرا کہا مانتے جاؤ میں تمہارا دشمن تو ہوں نہیں کہ تمہیں تباہی کی طرف لے جاؤں) اور نہیں دکھاتا میں تم کو مگر راستہ بھلائی کا (قوم کو تباہی کی طرف لے جانے والا بھی مصلح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر مومن اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے درمیان میں فرعون کا بھی جواب دیتا اور احسن طریق پر اس کی تردید کرتا ہے) اور کہا اس ایمان دار نے اے میری قوم تحقیق میں ڈرتا ہوں اوپر تمہارے مثل دن جماعتوں کے سے (یعنی جس طرح دوسری قوموں پر عذاب آتے رہے ہیں، اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی نہ کوئی عذاب تباہ کر کے جہنم میں لے جانے والا تم پر بھی آ جائے۔ مگر باپ دادا کی اندھی تقلید کا کرشمہ ہے کہ کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور وہ معقول و ہدیٰ پر کان تک نہیں دھرتے اور سمجھتے ہیں کہ ایک آدھ انسان کی بات پوری قوم کے مقابلے میں کیوں کر تسلیم کی جا سکتی ہے۔ جمہور غلطی پر نہیں ہو سکتے۔ اس جمہور کی طرف جھکنے سے پیغمبر کو منع فرمایا کہ اگر تو اکثریت کی طرف راغب ہوگا تو وہ لوگ اللہ کے راستہ سے بہکا دیں گے۔ اکثریت کیا بلا ہوتی ہے حقیقت ہی اصل شے ہے۔ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ کَانَ اُمَّةً۔ حق کے مقابلہ میں باطل پرستوں کی اکثریت ہیچ ہے۔ یہیں دربارِ فرعون میں ہی اس کی نظیر دیکھو کہ کثرت کس طرح بے دلائل رِندی جا رہی ہے۔

اور حق تلواروں کے نرغے میں اپنے فرائض ادا کر رہا ہے۔ اندھی تقلید ایسی بری چیز ہے کہ تمام انبیاء اور صلحاء اسی سے لوگوں کو روکنے کے لئے آئے، مگر اہل شرک وکفر نے ہمیشہ اُن کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ یہ نیک بندہ یہی تاریخی واقعات اور ان کے آس پاس کے عبرت ناک مناظر سے ڈراتا ہے۔ مگر کثرت کے گھمنڈ پر انہوں نے بینات سے روگردانی کی۔ اے فرعون اور اہل فرعون، سنو! ہو سکتا ہے تم پر بھی وہی بربادی کی گھڑی آجائے جیسی تم سے پہلے لوگوں پر آتی رہی۔ یعنی پانی کا طوفان، زلزلہ یا کوئی اور عذاب)

(۳۰) وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ
(۳۱) مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ اور کہا اس ایمان دار نے اے میری قوم تحقیق میں ڈرتا ہوں اوپر تمہارے مثل دن جماعتوں کے سے۔ مانند عادت قوم نوحؑ اور عاد اور ثمود کے اور ان لوگوں کے مانند) جو ان لوگوں کے پیچھے ہوتے (اگر تم بینات کے انکار پر اڑے رہے اور ضد و شرارت اور سرکشی سے باز نہ آئے، تو عذاب آنے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ یہ عذاب تمہاری بداعمالیوں اور حق کی مخالفت کی وجہ سے آئے گا اور تمہاری شرارتوں اور گناہوں کی سزا ہوگی، کیوں کہ تم ضد اور عناد سے حق کی صریح مخالفت کرتے ہو۔ ہاں ابھی موقعہ ہے کہ احسن طریق پر بہ دلائل بحث کرو۔ کفر و انکار سے باز آجاؤ۔ قبول حق سے رحمت الٰہی کے مستحق بنو۔ خداوند کریم حق کو جبراً نہیں منواتا بلکہ دلائل دیتا ہے، اگر ایسا کرتا تو یہ ظلم ہوتا) اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا (اس نے نوع انسان کی راہ نمائی کے لیے واضح اور روشن دلایل کے ساتھ اپنے پیغمبر بھیجے، جن کی تعلیم میں جبر کو مطلقاً دخل نہیں پھر تم کیوں جبر و تعدی کی راہ اختیار کرتے ہو؟)

(۳۲) وَيٰقَوْمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ (۳۳) يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ اور اے قوم بالتحقیق، مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی قیامت) کا خوف ہے۔ وہ جس دن (اس دنیا کی طرف سے) پھر جاتے ہو پیٹھ پھیر کے (اور تمام مزعومہ سہارے ہیچ ہو جاتے ہیں اور اس روز) تمہیں کوئی بھی (شفیع و مددگار) خدا (کے عذاب) سے بچانے والا نہیں ہوتا۔ (اپنی بداعمالیوں کے ذریعے گمراہی

کی زندگی میں پھنس جاتے ہو۔ خدا چاہتا، تو تمہیں جبراً راہ راست پر لے آتا، مگر جبری ایمان خدا کو منظور نہیں ہے۔ بدیوں کا مقابلہ کرکے نیکیوں کو ترجیح دینے والا، خدا کے خوف سے جذبات پر قابو رکھنے والا، فلاح کا مستحق ہوتا ہے پھر اگر یہ نہیں ہے تو قانون خداوندی کی رُو سے اس شخص کا گمراہ ہونا ضروری ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے) اور جس کو اللہ (اس کے اعمال بد کے نتیجے میں) گمراہ کر دے، پھر اس کے لیے کوئی بھی (نیکی کی) راہ دکھلانے والا نہیں (ایسے قانون شکن کو کون ہدایت دے سکتا ہے؟ مومن شخص ان کو بھی یہ کہتا ہے)

(۳۴) وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِى شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُم بِهِۦ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ ٱللَّهُ مِنۢ بَعْدِهِۦ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ ٱللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۝ اور البتہ تحقیق اس سے پہلے یوسفؑ (بھی) تمہارے پاس واضح دلائل کے ساتھ آئے تھے (مگر تم نے ان سے بھی کوئی فائدہ نہ اُٹھایا، بلکہ ان کی مخالفت ہی کرتے رہے) اور جو کچھ وہ تمہارے پاس لائے تھے، اُس (کے بارے) میں تم ہمیشہ شک ہی میں رہے (تم نے انکار سے بھی ہمیشہ کام لیا) یہاں تک (کہ) جب وہ (یوسف) فوت ہو گئے (تمہارے سدھارنے اور تمہیں راہ راست پر لانے میں ان کی تمام عمر گذر گئی) تم نے (ان کے انتقال کے بعد) کہا کہ (اب) اللہ اس (یوسف) کے بعد کوئی رسول نہ بھیجے گا (اس قول سے تمہارا مطلب یہ تھا کہ چلو خلاصی پائی، نبوت کا جھیلا ہی ختم ہوا۔ تو یہ شک و انکار صریح گمراہی تھی) اللہ حد سے نکلنے والوں اور شک کرنے والے کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔)

(۳۵) ٱلَّذِينَ يُجَٰدِلُونَ فِىٓ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَٰنٍ أَتَىٰهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ وَعِندَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ وہ لوگ جو بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو، اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں (مومن یہ بھی کہتا ہے کہ تم یوسف کی لائی ہوئی بیّنات کے بارے میں جھگڑتے تھے اور بغیر سوچے سمجھے اندھا دھند ان پر اعتراض کرتے تھے۔ یاد رکھو کہ) اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ بیزار (؟) سخت ناپسند ہے (کہ بغیر دلائل کے

ضد و شرارت یا تقلید کے طور پر اڑ جانا خدا کے نزدیک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہت بڑی برائی ہے۔ ہاں دلائل کے ساتھ تبادلہ خیالات ہو سکتا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ فلاں بات حق ہے تو اسے قبول کر لینا چاہیے، نہ کہ غرور و عناد سے اس کے خلاف اڑنا چاہیے۔ کسی حق بات کو نہ ماننے والا متکبر ہے اور اپنی غلط بات منوانے والا ظالم ہے اور جو شخص ایسے ظلم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہے کہ) اسی طرح اللہ ہر متکبر (مدلل بات کے نہ ماننے والے اور) جبار (اپنی باتوں کو بے دلیل منوانے یعنی جبر کرنے والے) کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (جب فرعون نے یہ حال دیکھا، تو سمجھا کہ اس شخص نے دلایل کے زور سے میری ہوا بگاڑ دی اور مجھے بالکل پست کر دیا۔ اور بہت بری طرح مجھ کو گرا رہا ہے۔ اب اور کسی طرح تو نہیں مگر مذاق کے طور پر اس کو نیچا دکھانا چاہیے۔ غرور و تکبر کی انتہا ہے کہ بجائے راستی کو پسند کرنے کے پھبتیاں اڑا رہا ہے اور بے راہی اختیار کر کے صراط مستقیم کی صریح مخالفت پر اتر آیا ہے کہ ایک بہت بلند عمارت بناؤ۔ میں بادلوں سے پرے جا کر آسمان کے راستوں پر پہنچ جاؤں اور اس مدعیٔ صداقت کے بھیجنے والے کو دیکھ لوں اور یہ صرف تمہاری تسلی کے لیے کروں گا، ورنہ میں تو جانتا ہی ہوں کہ یہ غلط کہہ رہا ہے۔ دیکھو وہ اصل حقیقت پر کس طرح پردہ ڈالنا چاہتا ہے اور نہیں جانتا کہ آخر حق ہی غالب آ کر باطل کو تباہ و برباد کرے گا۔ تھوڑا سا وقت اس کو ملا ہوا ہے۔ اگر اپنی اصلاح نہ کرے گا تو ہلاکت کے گڑھے میں گرایا جائے گا۔ یہ متکبر خوب جانتا ہے کہ یہ طرز عمل جس نے بھی اختیار کیا سخت ذلیل و نامراد اور خائب و خاسر ہونے کے بعد بہت بری طرح ہلاک ہوا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دلایل پر غور کرتا، مگر اس نے مسخراپن اختیار کر لیا۔)

(۳۷)
(۳۶) وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ○ اور کہا فرعون نے۔ ہامان! میرے لیے ایک اونچا محل بنا، تاکہ راستوں پر پہنچوں (یعنی) آسمان کے راستوں پر پہنچوں تاکہ میں موسیٰؑ کے الٰہ کی طرف جھانکوں اور تحقیق میں البتہ اس کو جھوٹا گمان کرتا ہوں (چونکہ اپنے اعمال بد کے باعث وہ صراط مستقیم سے روک دیا گیا ہے، اس لیے اب وہ اور بھی ڈھٹائی سے کام لے رہا ہے اور

یہ عمل اس کو برائی کی طرف جھکا رہا ہے۔ ضد و شرارت، بغض و عناد اور غرور و تکبر کی وجہ سے اپنی بات کو نباہ رہا ہے۔ جیساکہ ارشاد ہوتا ہے) اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کے اعمال بد کو زینت دی گئی تھی اور وہ راہ سے روک دیا گیا تھا (روگردانی کا نتیجہ ہمیشہ سے یہی نکلتا آیا ہے اور بڑے بڑے جابر و ظالم آخرکار نامراد ہو کر تباہی کی لپیٹ میں آجاتے رہے ہیں۔ تو کیا یہ اپنے خیالات اور چالوں میں کامیاب ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ جیساکہ فرمایا) فرعون کی تدبیر تو بے کار تھی (فرعون لوگوں کو اپنی تقلید سکھلا کر انہیں انکارِ خدا وندی پر آمادہ کرتا ہے۔ اب مومن جواب میں کہتا ہے کہ یہ فرعون تو خدا کا انکار سکھاتا ہے اور اپنی تقلید کراتا ہے لیکن میں لوگوں سے اپنی تقلید کرانے کے لیے نہیں کھڑا ہوا، بلکہ سچائی کی طرف راہبری کرتا ہوں، فرعون کی طرح اپنی ذات نہیں منواتا، ہاں نجات کا راستہ بتا رہا ہوں۔ موٹی سی بات ہے کہ دنیا چند روزہ ہے اور اگر عاقبت ہے تو پھر وہاں کیا کرو گے؟ جیساکہ ارشاد ہوتا ہے)

پانچواں رکوع | (۳۸) وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۚ
(۳۹) یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ز وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ○

اور کہا اس مومن شخص نے اے میری قوم (بتائی ہوئی راہ کی نہ کہ میری ذات کی) پیروی کرو (تاکہ) میں تم کو (اصلاح و فلاح اور) بھلائی کی راہ دکھاؤں (جس پر چل کر تم اُخروی نعمتوں کو حاصل کرو گے اور جس چند روزہ عیش و عشرت اور عارضی مسرتوں پر تم ریجھے ہوئے ہو، یہ خواب و خیال کی طرح مٹ جانے والی چیزیں نہیں، اُس مومن نے کہا کہ) اے میری قوم سوائے اس کے نہیں کہ یہ دنیا کی زندگی (چند روزہ) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے (یہ دائمی عیش و عشرت کا ٹھکانا نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ دل لگانا چاہیے) اور تحقیق آخرت ٹھکانے کی جگہ (اور دوام و آرام کا گھر ہے (ایسی ناپائے دار اور حقیر ترین چیز پر ایسے ہمیشگی کے آرام و آسائش کو قربان کر کے عذاب مول لینا کہاں کی دانائی ہے؟ یا کیا تم نیکی اور بدی کو یکساں جانتے ہو؟ یہ قطعاً غلط ہے۔ آخر مر کر خدا کے حضور جانا پڑے گا۔)

(۴۰) مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ○

(۴۱) وَيٰقَوْمِ مَا لِيٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ؁ جو برائی کریگا

پس نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر اس (بدی) کی مثل (یہ نہیں ہوگا کہ گناہ کم ہوں اور سزا زیادہ دی جائے کیوں کہ یہ ظلم ہے اور خدا اپنے بندوں پر خواہ گنہگار ہی ہوں، ظلم روا نہیں رکھتا۔ باقی رہا فضل و رحمت کا معاملہ، تو یہ اس احکم الحاکمین کی مرضی پر منحصر ہے۔ جیسا مناسب جانتا ہے، ویسا برتاؤ کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور جو صلاحیت والے کام کرے (صرف خدا کے خوف اور اس کی مرضی کو سامنے رکھتے ہوئے اور اسی کو خوش کرنے کے لیے اور ہر کام میں خواہ خفیہ ہو یا ظاہرا، ہر حال میں رضائے خداوندی کو مقدم رکھے کہ اس کی رضا ہی سے ایمان اور صلاحیت ملتی ہے، تو پھر اس طرح نیکی کرنے والا خواہ) مرد ہو یا عورت اور وہ مومن باللہ ہو، پس یہ لوگ داخل ہوتے ہیں جنت میں (کیوں کہ عاقبت کا دوامی عیش و آرام نیکیوں سے ملتا ہے۔ پس نیک بنو اور دوسروں کو بھی نیکی کی احسن طریق پر تعلیم دو۔ جو لوگ نیک کام کرتے ہیں، انہیں ہر طرح کے رزق بغیر حساب کے دیے جاتے ہیں (اور ایسی راحت و آرام ملتا ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے کوئی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ وہیں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کے واسطے کیا کچھ تیار کیا گیا ہے؛ الغرض اب مومن تعجب کرتا ہے کہ ایسے واضح اور روشن دلایل بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتے اور کہتا ہے کہ) اور اے قوم میرا کیا (حال) ہے کہ تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں (اور اس کے خلاف) تم مجھے آگ (جہنم) کی طرف دے رہے ہو (ایک اتباع حق کے لیے ہوتی ہے اور ایک ہوائے نفس کی خاطر۔ ان میں فرق کرنا ضروری ہے جو حق کی بنا پر کہے گا وہ اگر یہ بھی کہے کہ میری اتباع کرو تو وہ حق ہی کی اطاعت ہوگی، اس پیغامبر کی نہیں ہوگی۔ اور جو بر بنائے ہوا کہے گا کہ میری اطاعت کرو، وہ اپنی ذات منوا رہا ہے، جیسا کہ فرعون منوانا چاہتا ہے اور بر بنائے حق وہ ہے جیسے یہ مومن شخص منوا رہا ہے۔ پس لوگوں کو چاہیے کہ وعظوں یا واعظوں کو اسی کسوٹی پر پرکھیں۔ ایسے معاملے میں باریک بینی اور عقل سے کام لینا چاہیے۔ اندھا دھند بغیر سوچے سمجھے کسی کی بات کو بے غلط مان لینا تقلید ہے جو جہنم تک لے جاتی ہے، جو مدت تک مصائب اٹھانے کی جگہ ہے اور بڑی دیر بعد جاکر خلاصی ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مریض ہمیشہ ہمیشہ اس میں نہیں رہتا کیوں کہ صحیح علاج ہوتا ہے اور صحت کے لیے اس کو شفاخانے میں داخل کیا جاتا ہے نہ کہ کسی کینہ کی وجہ سے۔ پس جب صحت ہوجاتی ہے تو آرام

کی جگہ جو اس کے مناسب ہوتی ہے، پہنچایا جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ روح میں صحت کا فطری عنصر موجود ہوتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا۔ گناہ یا بدی عارضی چیز ہے۔ صحت آخر غالب آجاتی ہے اور آرام میں لے جاتی ہے۔ روح غلط کار بھی ہوتی ہے، عجز والی ہے، بتدریج ترقی پاتی ہے۔ اور آگے بڑھتی جاتی ہے۔ اگرچہ ہمیشہ رہتی ہے۔ اور نیست کبھی نہیں ہوتی۔ مگر لا انتہا بھی نہیں ہوتی۔ جہاں جہاں پہنچتی ہے، اُس کی انتہا ہوتی ہے۔ پھر آگے بڑھائی جاتی ہے۔ غرض ہر منزل اس کی انتہا ہوتی ہے۔ اس لیے لا انتہا کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ لا انتہا صرف خدائے قدوس ہی ہے۔

الغرض جہاں تک ہو سکے روح کی صفائی کا بہت خیال چاہیے ورنہ عذاب نار سے پالا پڑتا ہے۔ یہی نصیحت تمام مصلحین لوگوں کو کرتے آئے ہیں۔ یہی چیز یہ مومن بھی اپنی قوم کے سامنے پیش کر رہا ہے کہ اکیلے خدا کے ماننے میں بڑی بھلائی ہے اور مخلوق پرستی بدترین عقیدہ اور بے سند بات ہے، جس کا بطلان ظاہر و باہر ہے پھر کیوں عقل سے کام نہیں لیتے؟)

(۴۲) تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ○ تم مجھے یہ دعوت دیتے ہو کہ اللہ (کامل مطلق اور خالق کل شے) کے ساتھ کفر کروں اور (اس کی عاجز مخلوق میں سے کسی کو اس کے برابر جان لوں مطلب یہ ہے کہ) اس کا شریک ٹھہراؤں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں (یعنی یہ بے ثبوت اور بالکل غلط عقیدہ ہے۔ حد ہے کہ خدائے علیم کل کے علم میں اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر یہ علم تمہارا اپنا افترا کیا ہوا عقیدہ نہیں تو اور کیا ہے؟ پس تمہارے کہنے پر میں کس طرح شرک کروں؟ یہ چیز باطل ہے کہ خدا کا ہمسر مانا جائے۔ اس باطل عقیدے کا علم ہی موجود نہیں ہے اور غور کرو کہ میری اور تمہاری دعوت میں کتنا فرق ہے؟ تم جہنم کی دعوت دیتے ہو) اور میں تم کو اصل غالب (تمام طاقتوں کے مالک اور) اصل بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں (یاد رکھو، اس غالب کا ارادہ کبھی نہیں ٹلتا۔ اور بندہ نادم ہو کر دل و جان سے اس کے حضور سر رکھ دے تو وہ معاف بھی فرما دیتا ہے۔ جن کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ یہ چیزیں ہرگز اس لائق نہیں کہ ان کو کچھ اہمیت دی جائے۔ فرعون ہو یا کوئی اور سب عاجز ہیں، اصل غالب اور اصل مہربان وہی خدا ہے جس کو پکارنا درست ہے اور جس کے قبضۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ کچھ چیزیں قدرے مختار

بنائی گئیں ہیں۔ کچھ مجبور ہیں، مگر سب کی باگ اسی کامل مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ ڈور کو قدرے ڈھیلا کرتا ہے۔ تو یہ چیزیں کچھ تصرفات کرتی ہیں مگر اس سے وہ ہماری معبود کیوں کر ہوسکتی ہیں؟ وہی خدا ہر جگہ ظاہر و باطن پکار کے لائق ہے۔ اس کے بغیر جو بھی پکارا جاتا ہے سب باطل ہے۔ بس تمہارا کہنا غلط ہے کہ اور بھی پکارنے کے لائق ہیں، یعنی تم جو اوروں کو خدا کا شریک بناتے ہو تمہارا یہ عقیدہ ٹھیک نہیں)

(۴۳) لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ○ نہیں (غلط ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے) کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو، اس کو دنیا و آخرت میں بلانے (یعنی دعا قبول کرنے) کا مقدور نہیں (سوائے خدا کے کسی کو پکارا ہی نہیں جا سکتا۔ نہ کوئی پکار کے لائق ہے۔ دنیا و آخرت میں ایک اسی کی ذات اس لائق ہے کہ سب اسی کو یاد رکھیں اور اسے اپنا حاجت روا مانیں۔ انجام کار اسی سے پالا پڑتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ) اور ہمارا (سب کا) لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے (موسیٰؑ اور ہارونؑ وغیرہ ماننے کے لائق معقول بیّنات لائے مگر تم نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح میری بیّنات کا بھی انکار کیا جا رہا ہے اور تم لوگ سرکشی میں حد سے بڑھ گئے ہو اور (یاد رکھو کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) حد سے نکلنے والے (جو ہیں) وہی آگ (میں رہنے) والے ہیں (یہ باتیں غیر نبی غیر وحی والا کہہ رہا ہے اور خدا نے تعالیٰ اس کی تصدیق فرما رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ مقصود حقیقی تعلیم ہے نہ کہ معلم۔ اب وہ مومن بڑے ورد سے کہہ رہا ہے کہ ابھی موقع ہے کہ نیکی کو قبول کرو، ورنہ بہت برا انجام ہوگا)

(۴۴) فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۗ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ○ پس عنقریب تم یاد کرو گے جو کچھ میں تمہیں (اس وقت) کہہ رہا ہوں (یعنی اپنے برے کاموں کا برا پھل پاؤ گے) اور میں اپنا معاملہ (کلم) اللہ کے سپرد کرتا ہوں (وہی نعم الوکیل ہے۔ میں اور کسی کی بھی پروا نہیں کرتا اور یہ واقعہ بھی ہے کہ اس خدا کے سوا سپردگی کے لائق دوسرا ہے بھی کون؟ وہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے اور ایک ایک ذرے پر اس کا پورا پورا دھیان ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ) تحقیق اللہ (کامل مطلق) بندوں کو دیکھنے والا ہے (کسی کی کوئی حرکت تک اس سے

چھپی ہوئی نہیں جو تمہاری مرضی ہے، کرلو، مگر یاد رکھو کہ گرفت ضرور ہوگی۔ اس مومن کا یہ وعظ ونصیحت تو قوم کے عقیدہ کے مطابق زہرِ قاتل تھا، پس اس کو دُکھ دینے اور تکالیف پہنچانے کی انہوں نے کیا کیا تدبیریں نہ کی ہوں گی، مگر جس کے ساتھ خدا کی مدد ہو، تو سارے جہان کی عداوتیں اور سازشیں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ جیساکہ ارشاد ہوتا ہے کہ،

(۴۵) فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ (۴۶) اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ پس اس (مومن) کو اللہ (کامل مطلق) نے ان (ظالموں) کے مکر کی برائیوں سے بچالیا (قوم نے بڑے فریب اور سازشیں کیں، مگر اللہ حامی و ناصر تھا۔ دشمن اپنی چالوں میں کیوں کر کامیاب ہو سکتے تھے؟ مومن اپنے عقیدہ پر بڑی مضبوطی سے قائم رہا تو حمایت خداوندی ساتھ رہی اور دشمنانِ حق کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے اور وہی قانون خداوندی ان پر بھی نافذ ہوگیا جو ہمیشہ سے ظالموں کے لیے قائم ہے۔ یہ کوئی انوکھے مجرم تو تھے نہیں کہ وہ اس زد میں نہ آتے؟) اور فرعون کے لوگوں کو عذاب کی سختی نے آگھیرا (وہ عذاب کیا تھا؟) وہ آگ تھی اس (آگ) پر وہ صبح اور شام پیش ہوتے تھے (حاق ماضی ہے) اور جس وقت (پکڑ کی) گھڑی قائم ہوئی تھی (تو کہا جاتا تھا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت عذاب میں داخل کرو (غرض اب یعرضون سے یدخلون کی نوبت آئی تو جہنم کے اندر ان کی حالت یہ بتائی کہ انتہائی بےکسی اور بےبسی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اندھے عابد اور سرکش معبود سب ایک ہی رسی سے لٹکا دیے گئے ہیں۔ ایک دوسرے کے کام آنا تو درکنار، خود اپنی اپنی مصیبتوں کو ہلکا نہیں کرسکتے۔ دنیا کے غرور وتکبر، سرکشی اور رعونت دنیا ہی میں رہ گئی۔ دوزخ کے اندر ان کی یہ حالت ہوتی ہے؛

(۴۷) وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ○ اور جب وہ (فرعون کے لوگ) جہنم میں جھگڑا کرتے تھے تو ناتوانوں نے متکبر لوگوں سے کہا، تحقیق ہم (کمزور لوگ) تمہاری تابعداری

(اور کام میں تقلید) کیا کرتے تھے (دنیا میں ہمارے سیاہ و سفید کے تم ہی واحد اجارہ دار بنے ہوئے تھے) پھر کیا تم ہم سے عذاب (دوزخ) کا کچھ حصہ دُور کر سکتے ہو؟ (اندھی تقلید کا یہ کتنا عبرت ناک انجام ہے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جن سے تخفیف عذاب کی امید رکھتے ہیں، وہ خود اس میں گرفتار ہیں۔ مگر ان کے دماغ اس سانچے میں ڈھل گئے ہیں، گویا ان سے غور و فکر کا مادہ ہی سلب ہوگیا ہو۔

۴۸۔ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ○

ان لوگوں نے جو متکبرین تھے، کہا (تمہیں نظر نہیں آتا کہ ایسی حالت میں ہم تمہاری تو کیا اپنی بھی کوئی مدد نہیں کر سکتے) کیوں کہ، تحقیق ہم سب (ضعیف اور قوی) اس (جہنم کی تکالیف) میں ہیں (کسی کا کچھ بس نہیں چل سکتا۔ جانتے ہو کہ ہمارے کاموں کے صحیح نتائج نکال کر ہمیں کس نے مناسب مقام پر رکھا ہوا ہے؟) تحقیق اللہ نے (کامل مطلق اور بے غلط احکم الحاکمین) نے حق فیصلہ بندوں کے درمیان کردیا ہے (جو شخص جس لائق تھا اس سے ویسا ہی سلوک کیا گیا ہے۔ چون و چرا کی کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی۔ مگر انسان پرستی کی پرانی بیماری کہ پھر دَورہ ہوا کہ ابھی ایک صورت باقی ہے، اس کی بھی کوشش کر دیکھو۔ براہِ راست خدا کو پکارنے کی انہیں دنیا میں عادت ہی نہ تھی، جو یہاں بھی ظاہر ہو رہی ہے، یعنی خیال آیا کہ جہنم کے داروغوں سے شفاعت کے طالب بنو اور انہیں مخاطب کرو، شاید کچھ رعایت ہوجائے۔ یہ خیال کر کے سب کے سب اس باطل خیال پر مستعد ہو گئے۔ جیسا کہ ارشاد ہے)

۴۹۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ○ اور ان لوگوں نے جو آگ میں ہیں جہنم کے داروغوں سے کہا کہ اپنے (نہ کہ ہمارے) رب کو کہو کہ ایک دن (ہی) ہم سے (مقررہ) عذاب سے کم کردے (عذاب محدود ہے، جب ہی تو کم و بیش ہو سکتا ہے۔ پس یہ گنتی اور احتساب کے حساب سے ہوتا ہے، نہ کہ ابدی و دائمی۔ مگر وہاں کا مستقر اور مقام دونوں اپنی شدت کے لحاظ سے بڑے ہیں۔ اب وہ کارندے ان کو عجیب طریقہ سے خاموش یا نادم کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے)

۵۰۔ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ (وہ چوکیدار) بولے: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول (یا رسولوں کے رسول یعنی مبلغین) بینات (کھلے اور واضح دلائل) لے کر نہیں آتے تھے؟ (اس سوال کا آخر کیا جواب دیتے۔ کچھ بن نہ آئی اور اقرار کرنا پڑا کہ) کیوں نہیں (آتے) اور ضرور آتے۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سارے رسول بینات لے کر ہی آتے۔ مگر لوگ ہمیشہ شرک کی حمایت میں واضح باتوں کا انکار کرتی رہے۔ بس آخر حق سے گریز و مخالفت کا انجام یہ نکلا کہ وہ بہت بُری طرح عذاب الیم میں دھکیلے گئے۔ غرض جب انہوں نے اقرار کیا کہ پیغام حق آیا تھا مگر ہم نے نہ مانا تو جہنم کے کارندوں نے) کہا: پس دعا مانگو (اب کیا ہو سکتا ہے: زندگی کی مہلت ہاتھ سے کھو کر بے موقعہ پکار کا کیا فائدہ؟ بس خاموش رہو، چیخو، چلاؤ برابر ہے) اور کفار کی دعا بے کار ہوگی (کیوں کہ دنیا میں کبھی انہوں نے خدائے واحد کی طرف رجوع ہی نہیں کیا تھا۔ اس لیے اب جہنم میں عذاب کو دیکھ کر چیخنا چلانا بے کار محض تھا۔ انہیں حق و باطل کے راستے الگ الگ دکھا دیے گئے تھے، مگر وہ شرارت سے باز نہ آتے، انہوں نے خدا کے وعدوں کو غلط جانا، بدیہیات سے منہ موڑا۔ وہ خدا حق کو ہمیشہ غلبہ اور باطل کو تباہ کرتا رہا ہے۔ یہ اس کا دائمی دستور ہے کہ نیکوں کی مدد کی جائے۔ دنیاوی انتظام میں دولت یا طاقت والے کفار مومنین کو دھمکاتے ڈراتے اور ایذائیں وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ یہ دنیاوی انتظام الگ ہے اور دینی انتظام الگ جس پر مصلح مومنین چل کر ترقیاں حاصل کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی طرف سے بحیثیت مجموعی مدد اور غلبہ ملتا ہے۔ اگرچہ انفرادی رنگ میں بھی مدد مل جاتی ہے جیساکہ مومن آلِ فرعون کو اشرار کی مکاریوں سے محفوظ رکھا، مگر وہ غلبہ مجموعی رنگ میں قوم کو تو ضرور ہی حاصل ہوتا ہے۔ الغرض بھروسہ صرف ذاتِ واحد پر رکھنا اور صلاحیت والے کام کیے جائیں تو خدا ضرور سنتا ہے۔ مومن خالص کی دعا اثر آور اور نا قدر دان کی پکار باطل ہے۔ نتیجہ کے لحاظ سے مومن فائدے میں رہتے ہیں۔ ویسے تو دنیا میں بھی ان کی مدد ہوتی ہے مگر آخرت کی بھلائیاں تو ساری کی ساری انہیں کو حاصل ہوتی ہیں۔ غرض دنیا اور آخرت دونوں ہی مصلحین مومنین کے لیے فائدہ بخش ہیں۔ دنیا میں مومنین کو کارکنان قدرت بحکم خدا دلوں میں تسلیاں ڈالتے اور خوشخبریاں دیتے اور عاقبت کے متعلق پوری تسکین دیتے ہیں۔ غرض نیکوں کو خدائی نصرت ضرور ملتی رہتی ہے۔ اتحاد انتظام بڑی خوبی والی چیز ہے اور اس پر خدائی بھروسہ اور ایمان باللہ ہو تو وہ نورٌ علیٰ نور ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

رکوع ۶ | ۵۱۔ إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (۵۲) يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ○ ہم (خدا) اپنے رسولوں کی اور (ان کے علاوہ) ان لوگوں کی جو ایمان دار ہیں۔ دنیا کی زندگی میں بھی) ضرور مدد کرتے ہیں (جیسے اس مومن پر اشرار کا داؤ نہ چلنے دیا اور ان کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ پیغمبروں اور دوسرے مومنین کو دنیا میں ہی خدا کی طرف سے مدد ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بس یہی ثبوت کافی ہے کہ دوسرے عالم میں یقیناً نیکی اور بدی کا بدلہ ملتا رہتا ہے جیسا کہ فرمایا کہ نیکوں کو اس پر بس نہیں بلکہ) اور اس دن (بھی ہم مدد و انعام وغیرہ دیتے ہیں اور جنات عنایت فرماتے ہیں) جب گواہ کھڑے ہوتے ہیں (صدیق و شہید وغیرہ کو وہی خدا بلاتا ہے جو ہر چیز کو بلانے کی طاقت رکھتا ہے۔ دنیوی حکماء حالانکہ ناقص العلم ہوتے ہیں، پھر بھی مریض کی آنکھوں، زبان، نبض، بول و براز، ہاتھ پاؤں جلد کی خرابی وغیرہ سے کچھ نہ کچھ مرض کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر ایسے حکیم مطلق اور علیم کل خدا سے کیا پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ آتشک زدہ کا بدکار ہونا یا منہ کے داغوں سے چیچک زدہ ہونا تو دنیوی حکیم پر ظاہر ہو جائے تو کیا عالم الغیب والشہادۃ ہی سے کوئی بیماری چھپائی جا سکتی ہے، ہرگز نہیں! عقبیٰ میں لعنتی حالت کو روسیاہی وغیرہ ظاہر کر دیتی ہے۔ اسی طرح دست و پا وغیرہ کی حالت جرائم پر زندہ شہادت موجود ہوتی ہے۔ وہاں مجرمین کی طرف سے لاکھ حیلہ تراشا جائے بے سود ثابت ہوتا ہے۔ وہ وقت مشرکین پر بہت کٹھن ہوتا ہے) جس دن ظالموں کو ان کی معذرت (بہانہ جھوٹ، انکارِ جرم کوئی) فائدہ نہیں دیتا (مریض تو پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے، عذر وغیرہ کرنے سے کیا ہو سکتا ہے؟ بس ان مجرمین کی حالت کا تقاضا یہ ہے کہ) اور ان کے واسطے لعنت (پھٹکار رحمت سے دوری) ہے (اسی پر بس نہیں) اور ان کے واسطے اس گھر (جہنم) کی مصیبت (پے در پے تکالیف طرح طرح کے عذاب کا سامنا) ہے (غرض دنیا اور عقبیٰ میں مومنین کو ضرور مدد ملتی ہے اس کی سند موسیٰ ؑ کی کتاب ہدایت لائے ہیں۔ خواہ کتنی کتابیں ہوں مضمون ایک ہی ہوتا ہے۔ الکتٰب کا مطلب ہے کہ ایک ہی کتاب سب کو مشترک ہے، جیسا کہ فرمایا)

۵۳۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ○

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ ع کو ہدایت (کی کتاب) دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب (ہدایت) کا وارث بنایا۔

۵۴۔ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ○ عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے (یہ ذکر عقل مندوں اور غور و فکر والے متقیوں ہی کو فائدہ دیتا ہے نہ کہ لفظ پرست یا فرعون جیسے متکبر اور سرکشوں کو۔ غرض کتاب سے نیکوکار معقول پسند ہی فائدہ اٹھا کر سعادت دارین حاصل کر سکتے ہیں نہ کہ شریر و نامعقول لوگ۔ یہ تو حق سن کر اور بھی بھڑک اٹھتے اور نیکوکاروں کے درپے آزار ہو جاتے ہیں۔ پس اے رسولؐ! تو اپنا کام احسن طریق پر شروع رکھ۔ ان کی ایذا رسانی کی پروا نہ کر اور جلد بازی سے کام نہ لے، یہ ہمارا اور ان کا معاملہ ہے، ہم مناسب موقع پر پوچھ لیں گے اور تو اپنے کام سے غرض رکھ تو ان پر داروغہ نہیں ہے، صرف مبلغ ہے، ان کی حرکتوں سے تجھے قلق نہیں ہونا چاہیے)

۵۵۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ○ پس صبر کر تحقیق اللہ کا وعدہ حق ہے (وہ پورا ہو کر رہے گا، کبھی ٹلنے والا نہیں) اور تو (اے رسولؐ) اپنے گناہوں کی (رحم سے نہ کہ کسی اور سے) معافی مانگ (انسانی طبائع کا تقاضا ہے کہ دل میں کئی طرح کے خیال آجاتے ہیں یا جلد بازی سے کسی کام کو قبل از وقت ہی پورا ہوتے دیکھنا چاہتا ہے، یا غلطی سے ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ غرض، آدم کی اولاد سے گناہ ہو جانا بعید نہیں، مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انبیاء شرارت سے گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے، ماحول میں گھر کر بھول جانا یا سخت مصائب میں پھنس کر لغزش کھا جانا فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے۔ کئی باتیں جو نہ کرنی چاہئیں مایوسی وغیرہ کے تحت ہو جاتی ہیں۔ غرض انبیاء صاحب اختیار انسان ہوتے ہیں، بے حس کٹ پتلیاں نہیں ہوتے۔ اگر ایسا ہو تو جذبات پر قابو وغیرہ رکھنے کی وحی کرنا بے محل ٹھہرے گی اور معافی مانگنے کا حکم بے سود ہوگا۔ مگر ایسا نہیں ہے کیوں کہ ان کے اختیارات کو سلب نہیں کیا گیا۔ غرض انسان خواہ کوئی ہو، بھولنے والا ہے اور پھر فرماں بردار وہ ہے جو بھولنے پر نادم ہو کر معافی کا طلب گار ہو۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اے رسولؐ! ہماری عظمت و کبریائی کو اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دے رکھ) اور صبح و شام

اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو (صبح و شام کے وقت' احسن وقت ہیں' ان وقتوں میں خدا کی حمد و تعریف بڑی مبارک ہے خدا تعالیٰ کا ہر کام مناسب موقعے پر ہوتا ہے' بے موقعہ کام کرنے سے پاک اور بے عیب ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کے سارے وعدے تیری زندگی ہی میں پورے ہو جائیں۔ ہاں وقت مقررہ پر ضرور پورے ہوں گے تو ایسے مناسب موقعہ محل پر کام کرنے والے کی تعریف کر۔ صبح و شام اس کی خوبیاں بیان کر کہ اے خدا تیرا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں۔ تو کسی کے کہنے سے اپنے کام کو آگے پیچھے نہیں کرتا۔ ہم سارے کمزور ہیں' بھولنے والے ہیں' ہمارے گناہوں کو معاف کر' ہم تیرے عاجز بندے ہیں' تیرے بغیر ہمارا کوئی بھی سہارا نہیں۔ ہم نے تجھی پر توکل کیا اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

اب آگے نامعقول جھگڑالو انسانوں کا ذکر آتا ہے جو خدا کی آیات پر معترض ہوتے ہیں کہ خدا مدد مانگتا ہے' قرض چاہتا ہے وغیرہ۔ غرض یہ نامعقول لوگ آیات کے معنی بھی نامعقول طریق پر ہی کرتے ہیں یہ مغرور و متکبر امراء کا طبقہ اپنے ماتحت لوگوں پر بھی یہی رنگ چڑھانا چاہتا ہے اور ان کو صراط مستقیم سے متزلزل کرتا رہتا ہے اگر خدا کے سامنے افلاس یا امارت کا سوال ہی غلط ہے' وہاں تو زیادہ ڈرنے والا ہی زیادہ اکرام کے لائق ہے۔ غرض آیات کے معانی بگاڑنے والوں کی اور بے سند باتیں کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے۔ وہ نیک نیتی سے غور کرتے کہ ضرورت مندوں کی مدد' محتاجوں سے حسن سلوک' یتیموں' مسکینوں کی پرورش اور مقروضوں کی حسب استطاعت مدد کر کے قرضخواہوں کے پنجہ سے چھڑانا اور ایسے ہی دوسرے کام خدا کی مدد کہلاتے ہیں نہ کہ وہ نامعقول معنیٰ جو تم شرارت' ضد و عناد سے کرتے ہو' یہ شریر لوگ جانتے ہیں کہ ہر ایک کی پرورش وغیرہ خدا ہی مختلف ذرائع سے کرتا ہے مگر قرآن سے بُغض اور بتوں کی بے جا حمایت کی وجہ سے بغیر دلائل کے آیات الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنے سے وہ کامیاب ہو سکتے ہیں؟ کیا حق پر باطل کا غلبہ ہونا ممکن ہے' قطعاً نہیں! حق کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے اور اب بھی ہو کر رہے گی۔ شریروں کا غرور و تکبر مٹی میں مل جائے گا۔ ایسی صریح حقیقت کا جو ان کے پاس آگئی' انکار کرنا ان کے حق میں اچھا نہ ہوگا اور یہ اس تکبر کی وجہ سے تباہ و برباد ہو کر رہیں گے۔ ابھی موقع ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں سر نیاز خم کریں اور خدائے قدوس کے احکام و آیات کا بہ دل و جان احترام کر کے اس کے حکموں پر سر تسلیم خم کر دیں' ورنہ انجام بد سے بے خوف نہ ہوں۔

نامراد و مایوس کرکے جہنم رسید کیے جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے)

۵۶۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ تحقیق وہ لوگ جو بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیات میں (نہ کہ انسانوں کی اپنی باتوں میں کسی معقول بنیاد پر نہیں بلکہ محض حق کی مخالفت کی بنا پر) جھگڑتے ہیں۔ ان کے سینوں میں اور کچھ نہیں ہے مگر تکبر (اور یہ یقینی چیز ہے کہ تکبر اچھا پھل نہیں لاتا اور متکبر کبھی اپنے منصوبے میں کامیاب نہیں ہوتے ان کا نامراد رہنا قانون خداوندی کا اٹل فیصلہ ہے جیسا کہ فرمایا) یہ نا ہنجار لوگ) اس (اپنے مقصود یعنی کامیابی) تک پہنچنے والے نہیں (تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ زمانہ گواہ ہے کہ وہ لوگ خسر الدنیا ہوئے اور یہ خسر الآخرت کا بے غلط ثبوت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا سند دی جاسکتی ہے ؟ وہ ہلاک ہوئے اور ضرور ہوئے۔ پس اے رسولؐ تجھے چاہیئے کہ) پس اللہ کامل مطلق کی پناہ میں آجا (وہی مددگار اور لائق پناہ ہے، دوسرے تمام بھروسے، سہارے فضول محض ہیں اور کل پناہیں باطل ہیں۔ پس خدا ہی اصل ولی و ناصر، دانا و بینا ہے) تحقیق وہی ہے اصل سننے والا (ہماری تمام التجاؤں دعاؤں کا اور) اصل دیکھنے والا (ہماری اندرونی بیرونی حالت کا۔ اس سے ہماری کوئی حرکت اور خیال تک پوشیدہ نہیں ہے۔ دیکھو اپنے خالق و متصرف حقیقی ہونے کی خدا خود صحیفہ فطرت سے دلیل دیتا ہے کہ چاند سورج ستاروں، دن رات، سردی گرمی وغیرہ کا منظم طریق پر اپنے اپنے موقع پر ظاہر ہونا اور دوسری لاتعداد چیزوں کو آپس میں ربط و نظم دینا کیا تمہارے مزعومہ شفعاء کا کام ہے یا اللہ کامل مطلق کا؟ غور و فکر سے کام لو اور یاد رکھو کہ غلط امیدیں، جھوٹی روایتیں اور مشرکانہ عقیدے یقیناً نقصان دہ ہیں۔ غور کرو اور اللہ کی تعریف پر کمربستہ ہو جاؤ کہ وہ تمام طاقتوں کا واحد مالک ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا)

۵۷۔ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ البتہ پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے (امکان سے خارجی وجود دینا بڑا کام ہے جو لمبے عرصہ میں ظہور پذیر ہوا۔ وہ موجد ہے۔ اس کا یہ فعل اکبر بہ نسبت) انسانوں کے

پیدا کرنے سے (زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے انسانوں کا پیدا کرنا نسبتاً آسان ہے۔ تم اس آسان کام میں ہی فکر دوڑاؤ کہ کتنا باریک، بے غلط اور حکیمانہ کام ہے۔ کم از کم مٹی سے شروع کرو، پھر نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ کی منزلیں طے کراتا ہوا اپنی نگرانی میں خدا انسان کو کس حالت تک لاتا ہے؟ مگر افسوس ہے اس انسان پر جب کہ یہ سب مہربانیوں کو یکسر فراموش کر کے اپنے جیسی مخلوق کو اس حکیم مطلق اور خالق کل شے کا شریک بناتا اور بڑے ناقدر دان ہونے کا عملی ثبوت دیتا ہے۔ ایسے محسن حقیقی سے اعراض کتنے بڑے جرم کا مرتکب ہونا ہے؟ مگر اس پر غور کون کرے۔ یہاں تو حالت یہ ہے) ولیکن اکثر انسان (خاص کردہ لوگ جو عقل جیسی نعمت سے یکسر متنفر اور ضد و عناد اور بغض و حسد سے ملوث ہیں، اس حقیقت کا) علم نہیں رکھتے (اصلیت سے بیزار، عجائب پرستی میں محو، شرک کے شیدائی، صداقت سے بے پروا، اوہام باطلہ پر مٹنے والے عقل کو قفل لگا کر دوسروں کو بھی تباہی کے گھاٹ اتارنے والے یہی اندھے ہیں جو معقول پسندوں کی برائی کرنے اور ان کے خلاف جہلاء کو مشتعل کرنے میں خوفِ خدا کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ ان کی ستم ظریفی دیکھئے کہ خود تو آنکھیں بند کر کے نعمت عقل سے محروم رہ جائیں اور اہل بصیرت کو عجیب عجیب ناموں سے مشہور کر کے ان کی پھبتیاں اڑائیں، اسی لیے فرمایا)

۵۸۔ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ۝ نہیں برابر ہوتا اندھا (جاہل اندھی تقلید کرنے کرانے والا) اور آنکھوں (یعنی سوچ سمجھ کر حق بات کو ترجیح دینے) والا (کیسی صاف اور واضح بات ہے کہ اندھا دھند کوئی کام نہ کرنا چاہئے، بلکہ آنکھیں کھول کر غور و فکر سے کام لینا چاہئے اور فرمایا) اور نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور (جنھوں نے) صلاحیت والے کام کئے اور نہ برے کام کرنے والے (برابر ہیں۔ کیسی کھلی ہوئی بات ہے جس میں کوئی اینچ پیچ نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ صالح اور بدکار یا شریف و بدمعاش یکساں نہیں ہیں، پھر بھی اندھے پن سے کام لے کر اسی بے ڈھب رو میں بہے جاتے ہیں اور عبرت نہیں پکڑتے۔ حقیقت یہ ہے کہ) تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو (یاد رکھو نیکوں کی جزاء و انعام اور بدکاروں کی سزا کا دن ضرور آتا ہے اور پھر اندھیر گردی نہیں ہے کہ ظالم و مظلوم

فاجر و مومن ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیئے جائیں' بلکہ یوم الدین میں ذرّے ذرّے کا حساب ہو کر اعمال کے مطابق بدلہ ملتا ہے۔ نیکوں کو زائد انعام و اکرام بھی ملتا رہتا ہے' مگر بدوں کو بدی کے برابر ہی سزا ملتی ہے' نیکوں کو بڑھ چڑھ کر جو کچھ ملتا ہے وہ فضل خداوندی ہے۔ پس چاہئے کہ آخرت کے ان احکام کی پابندی کی جائے' جو تم پر نازل ہوئے اور جن سے بچتے رہنے کا حکم دیا گیا' ان سے اجتناب کریں' کیوں کہ)

۵۹۔ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

تحقیق البتہ (وہ) گھڑی آنے والی (اور ہر ایک کی موت کے ساتھ ہی آتی رہتی) ہے اس میں (ذرّہ بھر) شک نہیں ہے (لوگوں کو اس کا پورا یقین ہو' تو خدا پر بھروسہ رکھ کر صلاحیت والے کام کرکے اپنے مالک سے اپنی بہتری کی دعائیں مانگتے رہیں)' ولیکن اکثر آدمی (اس بازپرس اور جزاء و سزا کی گھڑی پر) ایمان نہیں لاتے (دیکھو اس الرحیم الرحمٰن کی مہربانیاں جو عذاب دینا نہیں چاہتا' مگر تم ہو کہ خود عذاب مول لیتے ہو اور ایسے خدا سے روگردانی کرتے ہو' جو تم پر اکرام کرنا چاہتا ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ ضرور ایسے کریم کی طرف بصدق دل متوجہ ہو کر اپنی حاجات اور اس کی کبریائی بیان کرے اور سب سے کٹ کر اسی کا ہو رہے' ارشاد ہے)

۶۰۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ اور تمہارے رب نے کہا ہے (یاد رکھو کسی اور نے نہیں کہا

بلکہ اس نے کہا ہے جو تمہاری جسمانی اور روحانی ربوبیت کرتا ہے کہ) تم (اے میرے بندو!) مجھے ہی پکارو (اپنی حاجات مجھی سے طلب کرو۔ میرے بغیر کوئی سمیع الدعا اور حاجت روا نہیں)' میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا (اگر تمہارے مانگنے کے عین مطابق نہ بھی ملے تو کسی اور رنگ میں ملے گا' کیونکہ مانگنا' پکارنا عبادت تو ہے ہی۔ پس وہ حکیم مطلق مناسب بدلہ ضرور عنایت فرمائے گا)' تحقیق وہ لوگ جو میری عبادت میں تکبر کرتے ہیں (فقیروں کو مشکل کشا' غوث اعظم وغیرہ جانتے ہیں' سخت تکلیف اٹھانے والے اور بہت رسوا کئے جانے والے ہیں' کیونکہ غیر کو پکارنا شرک ہے۔ پس ان کا کیا انجام ہوگا؟)

قریب ہی (نہ کہ کسی لمبی مدت کے بعد) ذلیل کرکے جہنم میں داخل کیے جائیں گے (یہ سزا اس کی ہے، جو انھوں نے ایسے مہربان کو چھوڑا جس نے انسان کی پیدائش سے پہلے اس کی آسائش و آرام کے تمام سامان پیدا کردیے۔ یہ ماں کے پیٹ میں ہے، تو خوراک پہنچائی جارہی ہے۔ باہر آنے سے پیشتر دودھ پیدا کردیتا ہے۔ پھر کائنات میں اس کی ضروریات کے عین مطابق انتظام کرتا ہے۔ ایسے رحمان ورحیم خدا سے پہلوتہی کرنا بہت بڑی ناقدردانی ہے۔ یاد رکھو خداوند کریم پکارنے کو عبادت قرار دیتا ہے۔ پس اس کے سوا اور کسی کو مت پکارو، کیونکہ یہ شرک ہے اور شرک سے بچنا ضروری چیز ہے۔

ساتواں رکوع پھر ایسے محسن حقیقی کے شریک بناتے ہو جس نے تمھارے آرام کے ایسے پرلطف سامان مہیا کیے۔ جیسا کہ فرمایا:

(۶۱) اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ اللہ (کامل مطلق) وہ ذات ہے جس نے تمھارے واسطے رات بنائی؛ تاکہ تم اس میں آرام کرو۔ (دن میں کام کاج کی وجہ سے جو تکان وغیرہ ہو، وہ اترے۔ اس کے علاوہ اور بھی بے شمار فوائد ہیں جن پر انسان خود شاہد ہے) اور دن کو دکھلانے والا (روشن) بنایا ہے، جس میں تمھارے لیے اتنی مہربانیاں فرمائی ہیں کہ ان کا اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ کیا اس کے سوا کوئی اور بھی ہے۔ جو اس قدر شفقت اور عنایت کرسکتا ہو۔ شفقت وغیرہ تو بڑی چیز ہے، وہ کون کرے اور کہاں سے کرے۔ ایسا بھی کوئی نہیں ہے کہ جو ان انعامات میں ذرہ بھر تبدیلی بھی کرسکے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل (وکرم کرنے) والا ہے۔ مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (بلکہ ایسے مہربان کے ساتھ اس کی کمزور مخلوق کو شریک بناکر بہت بڑی ناقدردانی اور احسان فراموشی کا جرم کررہے ہیں اور غور نہیں کرتے کہ کون ایسا مہربان ہے کہ جس نے مانگنے والوں سے پہلے اپنے فضل وکرم سے خیرات پیدا کی کیسی رحمانیت ہے؟ پھر اگر تم اس سے منہ موڑ کر شرک وغیرہ کرتے ہو، تو یہ بھی اس کی رحمت ورافت ہی ہے کہ تمھیں جہنم میں بھی داخل کرتا ہے۔ تو صحیح علاج کے لیے، نہ کہ کسی کینہ وغیرہ کے سبب سے۔ پس اگر بغیر تکالیف کے آرام گاہوں میں پہنچنا چاہتے ہو۔ تو ایسے مہربان کے پورے پورے فرماں بردار بنو اور صلاحیت والے کام کرو۔ غور کرو کہ جب تکالیف ومصائب کے موقعہ پر تمھیں ہر طرف سے جواب ہی جواب ملتا ہے، تو وہ خدا اس وقت بھی بے حد کرم سے تمھارے کام آتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ سوائے اس معبود کے اور کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے)

(۶۲) ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ یہ ہے

اللہ دکامل مطلق) پروردگار تمھارا ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہر شے کو بغیر کسی کی شرکت اور مدد کے
بنانے والا صرف اکیلا ہی ہے۔ پس غور و فکر سے کام لو، تو نتیجہ صاف نکلے گا کہ) اس کے سوا کوئی معبود
نہیں (اللہ تعالیٰ واحد ہی ہے۔ جب بات یہ ہے) تو اے مشرکین! پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟
(دیکھو کہاں جاتے ہو، خود ہی اکثر جگہ خلاصہ بیان فرما دیا کہ دنیا سے عذاب شروع ہو کر جہنم کے شفاخانے
میں علاج کے لیے پہنچتے ہو۔ یہ اچھا ہے یا نیکیوں میں سبقت کرکے باعزت و توقیر جنات میں اعلےٰ
سے اعلیٰ مراتب پانا۔ افسوس اُن پر کہ اپنے نفع و نقصان میں بسبب جہالت اور ضد و عناد کے
تمیز کرنا ہی بھول گئے۔ یہ جان بُوجھ کر ضد کرتے ہیں۔ پھر اگر سزا کی تکلیف اٹھاتے ہیں، تو یہ قانونِ
خداوندی ہے کہ ضد سے حق کا انکار کرنے والا مستوجب عتاب ہو، جیسا کہ فرمایا:)

(۶۳) كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○ اسی طرح
وہ لوگ بھٹکائے جاتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے (جان بُوجھ کر) انکار کرتے ہیں۔ (ایک
ایک شے خدا کی توحید، خالقیت و مالکیت کا اپنے وجود سے ثبوت دے رہی ہے، مگر شرارت بھی
وُہ بُری بلا ہے کہ صداقت کی طرف آنے سے روک دیتی ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی ڈھکی چُھپی بات ہے،
کہ تمام موجودات کا بنانے والا صرف خدا ہی ہے اور ہمارے آرام کے کس قدر سامان اُس نے پیدا
کیے، پھر کون ہے جو ان نعمتوں کو گن سکے۔ ایک نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ لاتعداد
انعاموں اور مہربانیوں کا شکر ادا ہو سکے۔ پھر یہ کس قدر کمینہ پن ہے کہ بجائے شکر کے ایسے منعم کا کفر
کیا جائے۔ دیکھو اس کے انعامات و فوائد کی فراوانی، جیسا کہ فرمایا:)

(۶۴) اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ
صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اللہ (کامل مطلق) وہ ذات ہے کہ جس نے زمین کو تمھارے
لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا (پہلے تو ہر چیز متحرک ہے، اُس خدا ہی نے اس متحرک زمین میں انسان کا
بسیرا بنایا۔ زمین کو چوتھے دَور میں ہماری بود و باش کے قابل بنایا گیا) اور (اسی پر بس نہیں، بلکہ)
آسمان کو چھت بنایا (سورج، چاند، ستارے ہوا وغیرہ بنائے جن کے آپس میں ایک دوسرے کے
ملاپ سے اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر چیزیں آتی جاتی ہیں اور مناسب ترکیب و ترتیب سے
وہ کچھ ظہور میں آتا ہے کہ بے تحاشا زبان سے تبارک اللہ احسن الخالقین نکل جاتا ہے۔ انھی تراکیب
سے انسانی وجود بھی امکان سے خارج میں آتا ہے اور ایسی باریک ترین راہوں سے گذر کر آتا ہے کہ کون

ہے، جو کما حقہ آگاہی پا سکے ؟ پس صانع پر فدا ہو جائیے۔ اس زمین و آسمان کے تعلق اور اشیاء کی آمد و رفت سے کیا کچھ وہ مالکِ حقیقی رنگارنگی دیتا چلا جاتا ہے ؟ جیسا کہ فرمایا ، تمھاری صورتیں بنائیں (کیسی بنائیں ؟ سُنو!) پس اچھی بنائیں صورتیں تمھاری (جو چیز جہاں مناسب تھی ، وہیں رکھی ۔ آنکھ ، ناک ، کان اندر باہر جو شے جس جگہ کے لائق ہے ، وہیں رکھی اور پوری موزون رہی ۔ اس حکیم مطلق کے سوا اور کون ہے ، جو ایسا ٹھیک کام کر سکتا ہے ؟ پھر اس کے مناسب سامان بھی موجود رکھے اور اس کی ہر ضرورت پورا کرنے کو مناسب کارروائی کی ، جیسا کہ فرمایا : اے انسانو! تمھیں بنا کر سامانِ زندگی سے ہم غافل نہیں رہے) اور تم کو پاکیزہ (چیزوں) سے رزق دیا (کس قدر نعمتیں بنائیں ۔ کتنا رنگارنگ اور وسیع دسترخوان ہے ۔ دشمن دوست ہر ایک کے لیے فیضِ عام جاری ہے ۔ کسی کو بھی منع نہیں کیا جاتا ، مگر اتنی لاتعداد عنایات کرنے والے کا خیال تو رکھنا چاہیے کہ وہ کون ہے ، اور اس کا شکر ہم پر لازم آتا ہے یا نہیں ؟ یاد رکھو کہ ناقدردانی سے بڑا جرم کوئی نہیں ہے اور اس کی سزا بھی اسی نوعیت کی ہوگی ۔ گریبانوں میں مُنہ ڈال کر غور کرو کہ یہ اتنا بڑا احسان کرنے والا اکیلا خدا ہی ہے یا کوئی اَور ؟ یاد رکھو ، جس کا کھاؤ : اسی کے گیت گاؤ ، اسی کی حمد و ثنا کرو ۔ اس کی جتنی بھی تعریف کرو ، تھوڑی ہے ، کیونکہ وہ غیر محدود ہے) یہ ہے رب تمھارا اللہ ، پس بڑی برکتوں والا ہے اللہ (تمھارا جو) تمام جہانوں کو پالنے والا ہے (کون ہے ، جسے اُس کی ربوبیت سے انکار ہو ؟ انکار کرنا ہی محال ہے ۔ غرض وہ خدا قائم بالذات اور قدیمی ہے ۔ پس ایسے زندہ حق پر پورا بھروسہ ہونا چاہیے اور اس کے سامنے تمام حاجات پیش کرنا چاہییں ۔ اس کے ساتھ کسی کو نہ ملایا جائے ۔ پکار کے لائق وہی ذاتِ واحد ہے ۔ وہی اس قابل ہے ، جس پر توکل کیا جائے ۔ اس کے بغیر جسے بھی پکارا جائے گا ، وہ باطل ہے ۔ تمام موجودات فانی ہے ۔ صرف ذاتِ خداوندی کو بقا ہے اور وہی پوجا کے لائق ہے جیسے ارشاد ہے :)

(۶۵) هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وہ (رب العلمین) زندہ ہے (اس کے سوا تمھارا) کوئی معبود نہیں ، مگر وہی (رب العلمین) ہے (تو نتیجہ کیا نکلا کہ) پس اس کی عبادت کو خالص کر کے اُسی کو پکارو (کیونکہ) سب تعریفیں اللہ (کامل مطلق ہی) کو (سزاوار) ہیں ، جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے (ایسے خالق و مالک ، رازق و حافظ ، حی و قیوم کو چھوڑنا پرلے درجے کی نالائقی اور جہالت ہے ۔

(۶۶) قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ؗ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(اے رسول! ان منکرین حق سے) کہہ دو تحقیق میں منع کیا گیا ہوں یہ کہ میں ان کی پوجا کروں جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو (کیونکہ میں اب بدلائل غیر اللہ کی عبادت کی تردید کرسکتا ہوں۔ کیا اب بھی تردید نہ کروں) جب کہ میرے پاس میری ربوبیت کرنے والے کی طرف سے کھلے (واضح اور بیّن) دلائل آگئے اور مجھے یہ حکم ملا کہ میں جہانوں کے رب کا مطیع اور صرف اُسی کے آگے سر جھکانے والا بنوں (ہم کس برتے پر اکڑیں، ہماری حیثیت ہی کیا ہے کہ خدائے قادرِ مطلق کی بارگاہ میں سرکشی اختیار کریں۔ انسان کی ندامت اور عاجزی کے لیے تو اتنی ہی چیز کافی ہے کہ وہ غور کرے، میری پیدائش کس طرح اور کس چیز سے ہوتی ہے؟ اپنی بے بسیوں اور کمزوریوں پر نگاہ کرے کہ جن کی حد نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ)

(۶۷) هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

وہی (اللہ کامل مطلق ذات) ہے جس نے تم کو (اے بڑے سے بڑے متکبر، مغرور، ناشکرگذار اور بدکار انسانو! ذلیل نطفے سے ان گنت ترکیبوں کے ساتھ ابتداءً) مٹی سے (پیدا کیا، پھر کتنی ایک تغیرات کے بعد) نطفہ سے (کئی مرحلے طے کرکے نطفے تک نوبت آتی ہے۔ کیا یہ حالات قابلِ غور نہیں ہیں؟ اس کے بعد) پھر علقہ سے (علاقہ پکڑنے والی چیز جونک کی شکل) پھر تمھیں (اے اچھے بُرے انسانو!) بچہ بنا کر (تمھیں تمھاری ماؤں کے بطن سے) نکالا (اور تمھارے نکالنے سے پہلے تمھاری ضروریات کو پیدا کردیا۔ خدمتگار، مع خوراک وغیرہ اور تمام آسائش کے سامان مہیا) پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو، پھر بوڑھے ہو جاتے ہو۔ اور کوئی تو تم میں سے پہلے ہی مرجاتا ہے اور کوئی اپنی عمرِ طبعی کو پہنچتا ہے اور شاید تم اس بات کو سمجھو۔ (یعنی اتنے احوال تم پر گذرے، شاید ایک حال اور بھی گذرے، یعنی مرکر جینا جیسا کہ ارشاد ہے)

(۶۸) هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝

وہی (خدا ہی تو) ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے (اور یہ کام اُس کے لیے از بس آسان ہے) پس جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے، پس سوائے اس کے نہیں کہ اس (چیز کے سامانوں) کو حکم کرتا ہے کہ ہو، پس وہ (بتدریج جیسے جیسے مناسب ہو) ہوتا جاتا ہے (کیونکہ تمام اسباب کا خالق اور مسبّب وہی ہے۔ وہ عدم سے اشیاء کو خارج میں لاتا رہتا ہے اور انھیں حکیمانہ طور پر مناسب ترقیاں دیتا رہتا ہے۔)

رکوع ہفتم مگر اکثر لوگ محکمات سے منہ موڑ کر متشابہات میں پڑ جاتے ہیں۔ آیاتِ الٰہی میں اپنی گمراہی اور نفس پرستی کے باعث غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں، در قرآن حکیم کے واضح احکام پر بھی فتنہ وفساد کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

(۶۹) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ تو نے (اے رسول) ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں (ناحق) جھگڑا کرتے ہیں (یہ اپنی بہتری کے دشمن) کدھر بھٹکے جا رہے ہیں۔

(۷۰) الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وہ لوگ جنھوں نے کتاب (یعنی صحیفۂ فطرت) کو اور جو (پیغام یا وحی ہم نے) اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجی، اس کو جھٹلایا پس عنقریب ہی جان لیں گے (کہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کا انجام کیا ہوتا ہے)

(۷۱) اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ جب ان کی گردنوں میں طوق ہونگے اور زنجیریں (اور) وہ گھسیٹے جائیں گے (ان کے لیے کتنا دردناک عذاب ہوگا! شلاً:)

(۷۲) فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (پہلے) کھولتے ہوئے پانی میں، پھر آگ میں جھونکے جائیں گے۔

(۷۳) ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ (۷۴) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ پھر (اس دردوعذاب کے عالم میں) ان سے کہا جاتا ہے (بتاؤ!) کہاں ہیں وہ جن کو تم (خدائے واحد کا) شریک بناتے تھے، اللہ کے سوائے (ایسی حالت میں بھی کہ عذاب کے شکنجے میں گرفتار ہیں، وہ سچائی سے گریز کرتے ہیں اور جھوٹ سے کام لیتے ہیں) بولے کہ وہ ہم سے کھوئے گئے۔ بلکہ ہم تو (اللہ کے سوا) کسی کو اس سے پیشتر پکارتے ہی نہ تھے (مگر خدا کہ علیم وخبیر ہے، عادل ہے اور ان کے دنیوی اعمال سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اس کے سامنے یہ کذب بیانی کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔ وہ گمراہی کی روش پر چلے۔ پس خدا نے بھی انھیں گمراہی کی طرف ڈھکیل دیا) اللہ اسی طرح کفار کو (ان کے اعمال کے بدلے میں) گمراہ کرتا ہے۔

(۷۵) ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ (یہ عذاب) بسبب اس کے (تم پر نازل کیا گیا) ہے کہ تم زمین میں حق کے بغیر (یعنی اس کی مخالفت میں) خوش ہوا کرتے تھے اور بسبب اس کے کہ تم (اہلِ حق پر ظلم کرکے) اترایا کرتے تھے۔

(۷۶) اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں سے اس حال میں کہ تم اس (جہنم) میں رہ پڑنے والے ہو! یہ بدلہ ہے آیاتِ الٰہی کی ہنسی اڑانے کا، تکبر کرنے کا اور وحدہٗ لاشریک کے شریک بنانے کا) پس تکبر کرنے والوں کے لیے بُرا ٹھکانا ہے۔ (اب نبیؐ کو اپنے زمانے کے منکرین حق کی ایذا رسانی پر صبرو استقلال کی نصیحت کی جاتی ہے کہ ان ظالموں کی ظاہری شان وشوکت اور نمود ونمایش کو دیکھ کر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ان کا انجام بہت بُرا ہے ان کے کینے مٹنے کی مطلق پروا نہ کی جائے۔ صبرو استقلال کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جائے اور اس وقت کا انتظار کیا جائے، جب کہ ان کے حق میں خدائی وعید پوری ہو)

(۷۷) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ○ پس (اے پیغمبرؐ) توصبر کر تحقیق اللہ کا وعدہ حق ہے (یہ بات بہرحال پوری ہو کر رہے گی، خواہ تیری زندگی ہی میں پوری ہو جائے، یا تیری موت کے بعد۔ خدا کا مقصود تو ان لوگوں کو سزا دینا ہے۔ پس اگر ہم تجھ کو کچھ اس میں سے دکھلادیں) وہ (عذاب کہ جس کا ہم ان کو وعدہ دیتے ہیں یا تجھے فوت کرلیں اور پھر اس کے بعد ان پر عذاب نازل کریں) پس وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے (آں حضرت صلعم کا خیال تھا کہ اگر ان لوگوں پر عذاب آنا ہے۔ تو جلدی آئے۔ تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے وعدۂ الٰہی کو پورا ہوتے دیکھیں۔ اس مقام پر انھیں بتایا گیا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ ہی بہتر سمجھتا ہے کہ ان پر کب عذاب بھیجا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں آجائے، ہو سکتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد آئے جب بھی خدا تعالیٰ کی مشیت ہوگی، یہ وعدہ پورا ہو جائے گا۔ پیغمبرؐ کی زندگی کے ساتھ اسے براہِ راست کوئی تعلق نہیں، چنانچہ ایک مقام پر فرمایا کہ یونسؑ کی طرح نہ بن، یعنی جلد بازی نہ کر۔ کفار کو آخر کار ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے، ہم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں؟)

دینِ فطرت کی بنیاد انبیاء و رسل کی شخصیتوں پر نہیں رکھی گئی، بلکہ اصل بنیاد وہ تعلیم ہے، جو ان رسولوں کے ذریعے دنیا تک پہنچائی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام انبیاء کا تذکرہ ضروری نہیں سمجھا گیا۔ ہاں اُن سب کی تعلیم و ہدایت کا ایک اجمالی خاکہ ضرور پیش کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

(۷۸) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ ؕ وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰہِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ ھُنَالِکَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ اور البتہ تحقیق ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے۔ ان میں سے بعض کا ہم نے تجھ پر قصہ بیان کیا اور بعضوں کا تجھ پر قصہ نہیں بیان کیا (اکثر کا ذکر ہی نہیں کیا، نہ ضرورت ہی تھی ہاں تعلیم کی ضرورت تھی، اس کو واضح بیان فرما دیا۔ اب بتایا کہ ان رسولوں کی حیثیت صرف اتنی ہی تھی کہ) اور کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہ ہوا کہ بغیر اذنِ الٰہی کے کوئی نشان لائے۔ کفار ہمیشہ غلبے کا ثبوت اور نشان مانگتے رہتے ہیں، مگر یہ چیز رسولوں کے اختیار سے باہر ہوتی ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے، منشاء الٰہی سے اور مناسب مواقعہ پر ہوتا ہے۔ خدا کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اپنی حکیمانہ مصلحتوں کے خلاف لوگوں کے مطالبے پر نشانیاں نازل کرتا رہے۔ ہاں جب کبھی خدا کی مشیت نے اپنا عذاب بھیجنا چاہا، تو کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو اس عذاب کو ٹال سکے) پس جب اللہ کا حکم آیا، ان (نیک و بد) میں عدل کے ساتھ فیصلہ کیا گیا اور (اُس کے نتیجے میں)، اُس وقت اہلِ باطل گھاٹے میں پڑ گئے (ایسے موقعہ پر کفار و مشرکین کی کثرت، قوت اور حشمت و دولت وغیرہ کوئی کام نہیں آتی، بلکہ یہ سب چیزیں اُن کے لیے تباہی کا موجب بن جاتی ہیں۔ غرض بدی کسی حال میں نقصان و ضرر سے خالی نہیں، لیکن اس کے برعکس نیکی وہ ہے، جو منشاء الٰہی کے مطابق اس کی رضا کو مقدم سمجھ کر کی جائے، یہ ضرور بار آور ہو گی۔ زمانہ گواہ ہے کہ بحیثیت مجموعی ہمیشہ پیغمبروں اور مومنوں ہی کو کامیابی حاصل ہوتی رہی اور اُن کے دشمنوں کو ہمیشہ نامرادی سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ ایک خدا ہی سب کا معبود اور خالق و رازق اور مالکِ حقیقی ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو

سان کے درجہ پر پہنچ کر اپنے جیسوں یا اپنے سے بھی کمتر مخلوق کے پجاری بنتے ہیں اور یہ لایعنی عقیدہ اور بھی سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ہم کو خدا کے قریب کر دیتے ہیں، ہمارے شفیع ہیں بس۔ ایسے لوگوں پر جو عقل جیسی نعمت سے بے نیاز ہو کر خواہشاتِ نفسانی کی پیروی اختیار کر لیتے ہیں، خداوندکریم گندگی ڈال دیتا ہے اور یہ جرم ایسا نہیں ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے)

رکوع ہشتم انعاماتِ الٰہی کا اندازہ لگانے کے لیے انسان پہلے خود اپنی پیدائش پر غور کرے کہ کتنی منزلیں طے کر کے اُسے اس درجے تک لایا گیا ہے اور اس کی ربوبیت اور تکمیل کے لیے جن جن سامانوں کی ضرورت پڑی گئی، ضرورت اور مناسبت کے لحاظ سے انھیں پیدا کیا گیا۔ اس کی جسمانی ساخت کے علاوہ اسکی خارجی ضرورتوں کے لیے بھی کیسے کیسے سامان بنائے گئے، جن سے وہ فیض یاب ہو رہا ہے۔ مجبور اشیا کو اس کے کاموں میں لگا دیا گیا جن سے یہ حسبِ منشا کام لیتا ہے۔ کیا خدا کے سوا ان نعمتوں کا کوئی اور بھی خالق ہو سکتا ہے، چنانچہ فرمایا:)

(٧٩) اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۞ اللہ (کامل مطلق) وُہ ہے، جس نے (اے انسانو!) تمھارے لیے چار پائے بنائے، تاکہ اُن میں سے بعض پر سوار ہو اور بعض کو تم

(٨٠) وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۞ اور ان (چارپایوں) میں تمھارے لیے (اور بھی) بہت فائدے ہیں (اُنکی چربی، ہڈیاں اور چمڑے تک کام آتے ہیں جن سے تجارت کر کے منافع حاصل کرتے ہو، جیسا کہ فرمایا) تاکہ پہنچو اوپر انکے حاجت کو جو تمھارے سینوں میں ہے (چار پاؤں پر ہی بس نہیں، تمھارے لیے اور بھی بڑی مہربانیاں کر رکھی ہوئی ہیں مثلاً) اور ان (جانوروں) پر اور بیڑیوں (جہازوں، ریلوں اور تمام اُن سواریوں پر جو خدا کی دی ہوئی عقل سے بنائی جائینگی، ان تمام کو تم اپنے استعمال میں لاتے اور ان) پر سوار ہوتے ہو۔

(٨١) وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۞ اور (اس طرح اللہ) تمھیں اپنی (مہربانیاں اور) نشانیاں دکھلاتا ہے (تم کہاں تک ضد و انکار پر کمربستہ رہو گے اور ان چیزوں کو کس کی طرف نسبت دو گے؟) پس تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے؟ (وقت ہے اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو اور اس مہربان خدا کا شکر بجا لاؤ۔ اس کی طرف جُھک جاؤ، وہی سب کی جسمانی و روحانی تربیت کرنے والا خالق و رازق ہے۔ غور کرو کہ ایسے انعامات سوائے اس فاعل مختار کے اور کون عنایت کرنے والا ہے)

خالق حقیقی نے دو طرح کی مخلوق پیدا کی ہے۔ ایک مجبور ایک قدرے مختار۔ مجبور مخلوق کو مختار کے کاموں میں لگا دیا جن سے انسان ایک حد تک کام لیتا رہتا ہے، جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ اب آگے مختار مخلوق یعنی انسان کا ذکر آتا ہے کہ یہ اگر اپنے اختیار سے ناجائز کام لیتا ہے، تو یہ اپنے بنانے والے کے حضور جواب دہ ہے اور اپنے کیے کی سزا و جزا حاصل کرتا ہے۔ اس لیے اس قدرے اختیار والی مخلوق کو اپنے سے پہلے اختیار والی مخلوق کے انجام کی طرف توجہ دلائی، تاکہ یہ عبرت حاصل کرے اور غور کرے کہ خدا کے سامنے تمام مخلوق عاجز اور بے بس ہے۔

٨٢ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۞ کیا (سیاحت و تجارت وغیرہ کے سلسلے میں) ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی؟ تاکہ دیکھتے کہ جو لوگ اُن سے پہلے تھے

نکالا گیا) انجام کیسا ہوا (دراں حالیکہ وہ لوگ) ان سے گنتی میں بھی زیادہ تھے اور قوت میں بھی مضبوط تھے اور زمین میں اپنے نشانات (اور یادگاریں) قائم کرنے کے اعتبار سے بھی بہت بڑھ چڑھ کر تھے (اور انکی تمام جاہ و حشم جمعیت و قوت خدا کی نافرمانی کے باعث ان کے کسی کام نہیں آئی۔ انکی بدکاریاں اور سرکشیاں آخرکار انھیں یوں تباہ کر کے چھوڑ گئیں گویا وہ قصے کہانیاں ہیں) پس جو کچھ وہ کماتے تھے، وہ انکے کچھ کام نہ آیا ان لوگوں نے اعمال کیا کیے تھے؟ فرمایا:

(۸۳) فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ پس جب ان کے پاس انکے رسول (خدا کی طرف سے) کھلے احکام لیکر آئے (کہ اپنے نعمتوں دینے والے خدا سے رخ نہ کرو، بلکہ اس کی اطاعت کرو، ورنہ مٹ جاؤ گے، مگر وہ لوگ اپنی طاقت، جمعیت اور ساز و سامان پر بہت نازاں تھے کہ ہمارے پاس ایسے اسباب اور علم ہے کہ ہم مٹ ہی نہیں سکتے۔ اس غلط خیال کے گھمنڈ پر وہ اس قدر مغرور تھے کہ خدا کے سچے پیغامبروں اور پیغاموں کو کوئی اہمیت ہی نہ دی) تو جو علم (اپنے خیال میں) انکے پاس تھا، اس پر اترانے لگے (کہ ہمارے پاس علم ہے تہذیب ہے، شان و شوکت اور قوت و اجتماع ہے۔ پھر ہمیں خدا کی ضرورت ہی کیا ہے؟ وہ اکیلا خدا ہمارے مددگاروں کے مقابلہ میں کیا کر سکیگا؟ غرض تعلیم الٰہی کا مضحکہ اڑانا شروع کر دیا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اور انکو اس چیز نے گھیر لیا جس کے ساتھ وہ تمسخر کیا کرتے تھے، (یعنی عذاب الٰہی نے۔ کہا کرتے کہ لاؤ وہ کہاں ہے؟ پھر جب وہ آیا تو سخت گھبرائے، مگر یہ گھبرانا اور عجز کرنا اب محض بے کار ثابت ہوا۔ کیونکہ موقعہ ہاتھ سے کھو چکے تھے۔ ایسے وقت کا ایمان بیکار و بےفائدہ ہوتا ہے، کیونکہ جبریہ ایمان بارگاہ ایزدی میں منظور ہی نہیں۔ ہاں اختیاری حالت میں جذبات پر قابو پاکر ایمان لایا جائے، صلاحیت والے کام کیے جائیں، تو وہ قابل قبول ہے۔ غرض جب وہ موقعہ آیا، تو کیا ہوا؟)

(۸۴) فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ○

پس پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا، تو بولے ہم اکیلے اللہ پر ایمان لائے (تمام معبودوں، شرکاء و شفعاء وغیرہ کو چھوڑ کر) اور ہم کافر ہو گئے اُن کے جن کو ہم اس (خدائے واحد) کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے (مگر وقت گذر چکا تھا، اس لیے اُن کا یہ ایمان اُن کے کسی کام نہ آیا)

(۸۵) فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ○ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، تو (اس وقت) ان کے ایمان نے اُن کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ یہ عادت اللہ تعالیٰ کی اُس کے بندوں میں (ہمیشہ سے) جاری ہے (کہ عذاب آنے کے بعد ایمان کام نہیں دیتا ہے۔ اس سنت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی) اور اس جگہ کافروں نے خسارہ اٹھایا (غور و فکر کر کے دیکھو کہ عام طور پر کفار و مومنین کے انجام میں کیسا بیّن فرق نظر آرہا ہے۔ ناقدردان گھاٹے میں رہتے اور فرمانبردار فلاح و بہبود حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ سنت اللہ ہمیشہ اسی طرح جاری رہے گی۔ پس انسان کو چاہیے کہ وقت کی قدر کرے۔ اس میں وہ کام کرے، جو خداوند کریم کی خوشنودی کا باعث ہو اور رضاء الٰہی کے ماتحت ہو۔

سورہ حمٓ السجدہ

اس سے پہلے سورۂ مومن میں وحی الٰہی کے ثبوت ہیں اور خدا تعالیٰ کا غالب و عالم ہونا دکھایا گیا ہے۔ یا معافی مانگنے والوں کو بخشش کی اور نافرمانوں کو عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ تاریخی طور پر ظالموں کا انجام بتایا، اور اپنی عظمت جبروت کا اظہار کیا گیا ہے۔ توبہ کرنے والوں کو اپنی رحمت میں لینے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ بدکار مشرکین کے کاموں سے اظہار نفرت فرما کر ان کو عذاب الیم کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ اپنی بے حساب نعمتوں کا ثبوت دے کر شکر گذاری کی تاکید فرمائی ہے۔ خالص توحید پر گامزن رہنے کی وصیت کی، شرک سے اجتناب کی بڑے زور سے تعلیم دے کر تکالیف سے ڈرایا ہے۔ آخرت کے خوفناک وقت سے بچنے کے راستے بتائے، غیروں کے بھروسوں سے نفرت دلائی۔ اپنا کافی ہونا دکھا کر موحد اور مومن باللہ ہونے کی تلقین کی۔ انسان کی پیدائش اور اس کا عجز سامنے لا کر اپنی قدرت اور صنعت اور حکومت کا ثبوت دیا۔ یہ اور کئی ایک مہربانیاں اپنی دکھا کر اپنی عبادت اور حقوق العباد کی ادائی کی ترغیب دی۔ جور و تعدی اور ظلم و کبر سے باز رہنے کی تلقین فرمائی اور نیک و بد کا فرق سزا و انعام کا ذکر کر کے توحید و اتقا کی تعلیم فرمائی۔

رکوع اوّل (۱) حٰمٓ ۚ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ (قرآن پاک کا) اُتارنا ہے رحمان رحیم کی طرف سے۔

(۲) كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ وہ ایک کتاب ہے اس کی آیات کھولی گئی ہیں: انسانی زندگی میں جو جو حالات و ضروریات پیش آسکتی ہیں، ان کے متعلق کامل تعلیم و ہدایت اس کے اندر موجود ہے۔ انسانی کتابوں میں سے ہدایت تلاش کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رکھی گئی اور نہ عقل انسانی کو اس حد تک معطل ہی سمجھا گیا ہے کہ فروعی معاملات میں بھی اس سے کام نہ لیا جا سکے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر قرآن وحی ہے، تو چینی، جاپانی، لاطینی یا سنسکرت وغیرہ زبان میں نازل ہوتا۔ عربی میں کیا خوبی ہے۔ اس زبان کا تو یہ رسول ماہر ہی ہے۔ ایسی زبان میں وحی ہونا جس کو یہ جانتا ہی نہ ہوتا، مگر ایسا اعتراض عقل مندوں کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر غیر زبان میں ہوتا، تو مخاطب اوّل تفصیل عربی میں مانگتے۔ اگر مخاطب اوّل ہی کی زبان میں نہ آئے گا، تو وہ اُن کو سمجھانا تو الگ رہا، خود ہی کیا سمجھیں گے؟ مخاطب اوّل عربیا اور قرآن کا نزول ہو عجمی زبان میں، یہ تو ایک معمہ ہو کر رہ جائے گا۔ عربی زندہ زبان نہیں ہے۔ ارشاد ہے) قرآن ہے عربی زبان میں (یہ حال ہے کہ یہ قرآن ہے، اس کی زبان عربی ہے

اور صحیح علوم کے ساتھ بڑھتا جائے گا۔ ارشاد ہے) علم والی قوم کے واسطے (یعنی اہل علم و دانش اس سے فائدہ حاصل کریں گے۔ یہ صرف علمی کلام ہی نہیں ہے بلکہ فائدہ رساں اور نقصانات سے بچانیوالا ہے۔ جیسے فرمایا)

(۳) بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ (یہ قرآن نیک کاموں پر) خوشخبری دینے والا اور برائیوں پر) ڈرانے والا ہے (خطرات سے دُور رہنے کی تعلیم دیتا ہے اور خوبیوں کے حاصل کرنے پر زور دیتا ہے، مگر باوجود ان عظیم خصُوصیتوں کے) اُن میں سے اکثروں نے (اس سے) مُنہ پھیر لیا، پس وہ نہیں سُنتے (کیوں نہیں سُنتے محض ضد و شرارت کے باعث۔ ارشاد ہے کہ)

(۴) وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○ بولے، ہمارے دل پردوں میں ہیں اس چیز سے (یعنی قرآن) سے، جس کی طرف تو ہم کو دعوت دیتا ہے (مطلب یہ کہ جدھر ہمیں بُلایا جا رہا ہے، ہم اثر نہیں لیتے) اور ہمارے کانوں میں بوجھ (یعنی بہرا پن) ہے۔ ایسی باتیں ہمارے کانوں کو ناگوار گذرتی ہیں) اور (اسی پر بس نہیں بلکہ) ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ ہے (ہم اس تعلیم سے سخت متنفر اور بیزار ہیں اور سراسر مخالف ہیں۔ تو نے جو ہمارا بگاڑنا ہے بگاڑ لے اور زور لگا دیکھ اور ہم بھی جو کچھ ہم سے ہوسکے گا، اس مشن کی تباہی کے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھینگے اور اسے مٹا کر دم لینگے) پس (جو تو نے کرنا ہے) عمل کرلے تحقیق ہم بھی (کام کرنیوالے ہیں)

(۵) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ (اے رسولؐ!) کہہ دے، سوائے اس کے نہیں کہ میں تمہاری طرح ایک آدمی ہوں۔ تمہاری طرح کھاتا پیتا، سوتا جاگتا، بیمار اور تندرست ہوتا ہوں تمہاری ہی طرح مجھے بھی موت آئے گی میں تم پر اپنی برتری نہیں دکھاتا۔ خدا کا پیغام پہنچانے میں میرا کوئی ذاتی مفاد پوشیدہ نہیں ہے، بلکہ میں تمہیں ایک معبود حقیقی کی طرف بلا رہا ہوں اور خود بھی اُسی کا پجاری ہوں۔ نافرمانی کی حالت میں مجھے بھی عذاب عظیم کا یقین ہے۔ پھر اپنے جیسے انسان کو نہ دیکھو، اس تعلیم پر نظر کرو، جو تمہیں اور مجھے سب غلاموں کو صراطِ مستقیم دکھا رہی ہے، وہ یہ کہ) میری طرف (خدائے قدوس کی جانب سے) وحی کی گئی ہے یہ کہ (ہمارا) تمہارا معبود جو ہے، وہ ایک (رب العلمین) ہے (پس جب ایک ہی معبود ہے، تو ہمیں تمہیں کیا کرنا چاہیے، یہ کہ) پس سیدھے ہو کر اس (وحدہٗ لاشریک لہٗ) کی طرف چلو (انسانی فطرت ہے کہ اس سے لغزشیں بھی ہونگی پھر ایسے موقعوں پر کسی اور کو اپنا مددگار، حاجت روا اور بخشندہ قطعاً نہ جاننا) اور (اگر تمہیں بخشش مانگنا ہے، تو) اسی سے بخشش مانگو، پس مشرکین کے لیے افسوس ہے۔

(۶) الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ (یہ مشرک کون ہیں؟) لوگ جو زکوٰۃ نہیں دیتے (کمزوروں، محتاجوں، مستحقوں کو محروم رکھ کر گناہ کے کاموں پر دلیر ہوتے ہیں۔ یہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ انھیں خدا کے حضور پیش ہونے کا خوف نہیں ہے اور اپنے مزعوم شفعاء کے گھمنڈ

پر خدا کے انصاف سے بے نیاز ہو چکے ہیں، یہی معنی ہیں انصاف کی ناقدردانی کے، جیسا کہ فرمایا) اور وہ لوگ آخرت کے وہی ناقدردان ہیں (مالک یوم الدین کے دربار میں شفعا، کفارہ سفارش وغیرہ کا ماننے والا بڑا بھاری ناقدردان اور بہت بڑا مجرم ہے۔ کفار میں دونوں طرح کے مجرم آجاتے ہیں۔ اعتقادی اور عملی یعنی دہریہ اور مشرک دہریہ بھی ناقدردان اور سفارش اور شفاعت پر اعتقاد رکھنے والا بھی ناقدردان۔ دونوں ایک ہی رسی میں لٹکانے کے لائق ہیں۔ غرض خدائے علیم اُن کے ساتھ مناسب سلوک کرتا ہے اور وہ بڑے بڑے لمبے عذاب و تکالیف میں رہ کر عرصہ دراز کے بعد کہیں جا کر خلاصی پاتے ہیں۔ اس کے بعد جہاں موزون دیکھا جاتا ہے، رکھے جاتے ہیں، مگر مومنین کا معاملہ اس سے جدا ہے۔ ان کے انعاموں کی حد و حساب ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ فرمایا)

(۷) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے (خدا کو اور اُس کے احکام کو) مانا اور (اس خدا کے حکم کے مطابق جس طرح اس نے فرمایا) صلاحیت والے کام کئے (توحید پر مضبوطی سے قائم رہے، آخرت پر ایمان رکھا، محتاجوں کی مدد وغیرہ کی، نیکی کی تبلیغ کی، بُرائی سے منع کرتے رہے) اُن کے واسطے ایسا اجر ہے، جو کبھی موقوف ہی نہ ہو (مومنین و مصلحین نے احکام خداوندی کی پیروی کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا، تو مہربان خدا نے اُن کے کاموں سے بڑھ چڑھ کر انعامات عنایت فرمائے۔ اب پھر اہل شرک کو اپنی صفت وغیرہ دکھا کر نادم کیا جاتا ہے کہ ایسے خدا کے ساتھ کسی کو شریک یا مددگار بناتے ہو اور اس اللہ تعالیٰ کامل مطلق کے منکر اور ناقدردان ہو، جس کے کاموں سے اس کا واحد ہونا ثابت ہے۔ ارشاد ہے کہ اے رسولؐ! ان لوگوں سے)

(۸) قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ کہہ، کیا تم کفر کرتے ہو اُس (خالق حقیقی) کے ساتھ جس نے اس زمین کو دو دن میں بنایا اور (پھر ایسے پیدا کرنے والے کے کاموں کا پشکریہ کرتے ہو کہ) مقرر کرتے ہو واسطے اس (اکیلے واحد) کے ہمسر اس خدا نے اس زمین کو ترتیب وار دو یوم میں بنایا۔ یوم کام کے معین وقت کو کہتے ہیں، جن کو ضد و شرارت یا جہالت وغیرہ سے اسے ناقدردانو! تم اس واحد ذات کا ہمسر گردانتے ہو، ان کا تو اس وقت نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ وہ تو بڑا لمبا زمانہ بعد بتدریج پیدا کئے گئے۔ پھر ایسے لوگوں کو ایسے خدا کا شریک بناتے شرم آنا چاہیے۔ عاجزوں کو وہ منصب دے رہے ہو، جو اُن کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا، وہ تو ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ بنانا تو الگ رہا، اگر اُن کی خوراک سے مکھی کوئی چیز لے، تو وہ سارے مل کر بھی اس سے واپس نہیں کر سکتے۔ کوئی شخص اپنی موت و حیات اور اُٹھنے کی قدرت بھی از خود نہیں رکھتا۔ طالب ہو یا مطلوب، دونوں بودے اور سخت کمزور ہیں۔ یاد رکھو خدا کے کاموں میں کسی کو ذرہ بھر دخل نہیں ہے۔ اُس کے انتظام میں غلطی کو راہ ہی نہیں ہے وہی تمام موجودات کی مناسب رُبوبیت کر رہا ہے۔ اُسکے اندازے صحیح ہیں۔ ہر سائل کے لائق سامان پیدا کیا ہوا ہے جیسا کہ فرمایا) یہی ہے تمام جہانوں کا رب

(۹) وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا
فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ۝ اور اس (زمین) میں اس کے اوپر پہاڑ ڈالے اور
اس میں برکت رکھی اور خوراکوں کا (اس میں) اندازہ لگایا (ہوائیں، پانی، نہریں، دریا، سبزیاں، برف اور
بھی بے حساب چیزیں مناسب طور پر ترتیب دیں۔ یہ کام بھی دو یوم یعنی دو دوران میں درست فرمایا۔ دو دن
میں زمین کو ترتیب دیا، دو دن میں نئی زندگی کے سامان پیدا کیے، تو یہ سب کام) چار دن میں یہ سارے
سامان، سب ضرورت مندوں اور سائلوں کے لیے یکساں (پیدا کیے گئے ہیں، سب کی ضرورتیں ان سے
پوری ہو رہی ہیں۔ پھر ایسے مہربان کی ناقدردانی کتنا بڑا جرم ہے۔ ابھی اور مہربانیاں دیکھو۔ سماء جو زمین سے
الگ ہوا تھا، ابھی ملا جلا تھا، اس کی تاثیرات کو ہماری طرف پھیرنا تھا، یعنی زمین آسمان کا نر و مادہ والا
تعلق پیدا کرنا تھا کچھ آسمان سے زمین کی طرف اتارنا اور کچھ زمین سے آسمان کی طرف چڑھانا تھا اس لیے
ان کو تکمیل کے درجہ تک پہنچانا منظور تھا۔ فرمایا:)

(۱۰) ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا
أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝ پھر (زمین کا انتظام کرنے کے بعد خداوند کریم) آسمان
کی طرف متوجہ ہوا (سما جنس کے طور پر آیا ہے۔ اور اس وقت آسمان کس حال میں تھا۔ خود ہی فرمایا)
اور وہ (اس وقت) دھواں تھا پس کہا اس (سماء) کو اور واسطے اس زمین کے کہ تم دونوں (ارض وسماء)
آؤ (حرکت میں)، خوشی سے یا ناخوشی سے۔ بولے (بزبان حال، دونوں (ارض وسماء کہ) آتے ہیں ہم
دونوں خوشی سے (غرض گڑبڑ ہٹادی اور سات قسم کے اپھروں کو عالی شان طریق پر مناسبت دی اور
کاموں کی تقسیم و ترتیب فرمادی۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ)

(۱۱) فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحٰى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَ
زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ ۖ پس مقرر کر دیا سات آسمان (سات اپھر مناسب جگہ)
دو دنوں میں (دو زمانوں یا دو دوران میں) اور ہر آسمان (اپھر) میں وحی کر دی اس کے کام کی (جو
اس کے مناسب سپرد کیا گیا تھا اور جو خدمت اس اپھر سے لینا تھی)، اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں
(یعنی ستاروں) سے زینت دی۔

(۱۲) وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ اور محافظت کی (کوئی نقص و فتور

کمی و کجی نہیں رکھی اور غلطی وغیرہ کا امکان رہ بھی کس طرح سکتا تھا کیوں کہ) یہ اندازہ لگانا ہے غالب علم والے (خدائے قدوس) کا (لوگو! ایسے طاقت وعلم والے اور صحیح اندازے لگانے والے خدا کی مخالفت کر کے کیوں کر بچ سکتے ہو۔ یاد رکھو، اس کی گرفت سے کوئی بھی چھڑانے والا نہیں ہے بس اُس کی مہربانیوں اور نعمتوں سے جائز فائدے اٹھا کر اس کا شکریہ ادا کرو۔ اس کے کاموں میں کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور جنت کے حق دار ہو، جو ایسے آرام کی جگہ ہے کہ جس سے کبھی بھی نکالے نہ جاؤ گے بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ انعامات ہمیشہ ہمیشہ پاتے رہو گے۔ غور کرو، ایسے دائمی فوائد کو چھوڑ کر رسوائی اور لمبے عرصے کے عذاب کو لینے والا کس دانائی کا مالک ہے؟

(۱۳) فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ؕ

پھر اگر (یہ اپنی بہتری کے دشمن) مُنہ موڑیں (تو اے رسول تو) پھر کہہ (دے ان ظالم لوگوں کو کہ) میں نے ڈرا دیا تم کو اس بلا سے، جیسی بلا (کفر و شرک، ظلم و جور اور غرور و استبداد کے باعث) عاد و ثمود پہ آئی تھی (حق کی مخالفت ضرور رنگ لاتی ہے۔ ان ظالموں کا یہ انجام کب ہوا، جب ان پر اتمام حجت کی گئی، جیسا کہ ارشاد ہے:)

(۱۴) اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

جب اُن کے پاس رسول آتے تھے آگے ان کے سے اور پیچھے ان کے سے (اور پیغام دیتے تھے) یہ کہ مت عبادت کرو (سوائے معبود حقیقی کے کسی کی، مگر اللہ (کامل مطلق) کی (ان ظالموں کی گمراہی دیکھو) بولے، اگر چاہتا ہمارا پروردگار (البتہ (پیغام دے کر) فرشتے اتارتا (نہ کہ ہمارے جیسے آدمیوں کو یہ اہم ذمہ داری کا کام سپرد کرتا) بس ہم اس (توحید) سے جس کے ساتھ تم (بزعم خود) بھیجے گئے ہو کافر ہیں (معلوم ہوتا ہے کہ عاد ثمود آج کل کے اشد کافروں سے سُلجھے ہوئے کافر تھے، کیوں کہ تعلیم کو اصل شے جانتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی نظریں لانے والے فرشتے ہوتے، ان کے اپنے جیسے انسان نہ ہوتے۔ مگر اُن کے ہم مشرب لوگوں کا نظریہ ملا ہوا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ خالی تعلیم کیا حیثیت رکھتی ہے، جب تک لانے والوں کو ہی اصل چیز نہ بنایا جائے بس اس مرکزی نقطہ پہ آکر وہ وہ طبع آزمائیاں کی جاتی ہیں، جو عاد ثمود کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں۔)

(۱۵) فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا

قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا
بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ پس جو (قوم) عاد تھی بس انھوں نے اس زمین میں ناحق تکبر کیا (چاہیے تو تھا کہ انصاف کے ساتھ حق بات کی پیروی کرتے اور دوسروں کو بھی نیکی کی اچھے طریق پر تبلیغ کرتے مگر اُنھوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ بجائے نیک تعلیم پھیلانے کے سرکشی اور ظلم و جور سے کام لیا۔ اپنی جتھہ بندی پر اُن کو بڑا گھمنڈ تھا، یہاں تک کہ خود اپنے خالق کے سامنے بھی اُنھوں نے سرکشی اور تکبر کا شیوہ اختیار کیا) اور بولے ہم سے قوت میں کون زیادہ مضبوط ہے؟ کیا انھوں نے نہیں دیکھا، وہ اللہ جس نے ان کو (اپنی قدرتِ کاملہ سے) پیدا کیا وہ (احسن الخالقین خدا) اُن سے زیادہ قوت والا ہے (ایک آن کے اندر تباہ کرکے امکان عدم محض میں لے جاسکتا ہے۔ یا رسوا کرکے اپنے حضور میں کھڑا کرکے عذاب میں گرفتار کرسکتا ہے) اور ہماری (خدا کی) آیات کا (دانستہ) انکار کرتے تھے۔

(۱۶) فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝

پس ہم نے اُن پر تیز چلنے والی (اور بہت ہی سرد) ہوا نا مبارک دنوں میں بھیجی (یہ نحوست اُن کے اپنے اعمال کی وجہ سے تھی، ورنہ انھیں دنوں میں بہت سے لوگوں پر ان کی خوبیوں اور حسنات صالحات والے کاموں کے افضال الٰہی کی بارش ہوتی ہوگی حقیقت میں یہ ایام بالیال اُن کی بدیوں کی وجہ سے وبالِ جان ہوگئے تھے۔ ایک دن میں کوئی مجرم پھانسی پاتا ہے۔ اسی روز کوئی نیک شخص مہربانیوں سے نوازا جاتا ہے۔ ایک ہی وقت میں تکلیف زدہ بیمار کراہ رہا ہے اور تندرست آدمی اطمینان میں بیٹھا اپنے فرائض منصبی ادا کر رہا ہے بغرض آرام و رنج ملنے کی وجہ سے لوگوں پر برکت و نحوست کا اطلاق ہوتا ہے نہ کہ وہ ساعتیں فی نفسہ اچھی یا بُری ہوتی ہیں۔ عاد پر یہ وقت بسبب ان کے مظالم و سرکشی کے آیا اور اس میں غلبۂ حق اور آخرت کی گرفت کا ثبوت تھا۔ جیسا کہ فرمایا) تاکہ چکھا دیں ہم ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب (یہ مزہ یہاں چکھیں اور اس کے بعد آخرت کا عذاب) اور البتہ آخرت کا عذاب بہت ہی رسوا اور ذلیل کرنے والا ہے (اس نتیجہ سے عقبیٰ کے مصائب اور رسوائی کا اندازہ لگالو، ایسے لوگ دنیا میں کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم اکیلے اللہ کو پوجیں اور اپنے آبا و اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے۔ لاؤ ہم بھی دیکھیں گے۔ اگر بالفرض وہ آ بھی گیا، تو ایسے نازک موقعہ پر کیا ہمارے معبود ہمیں اکیلے خدا سے بچا نہ لیں گے۔ فرمایا ہرگز نہیں) اور (جب وہ وقت آجاتا ہے تو) اُن کی کسی طرح کی کسی کی طرف سے بھی، مدد نہیں کی جاتی (اور چینا چلانا بے کار محض ہو جاتا ہے اور جو کچھ بسبب اپنی شرارتوں کے اُن پر عذاب

وارد ہوتا ہے، ناچار جھیلنا پڑتا ہے۔ کوئی ذرہ بھر کسی کی تکلیف کو ہٹا نہیں سکتا۔ اُن کی آہ و فریاد کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی اور اُن کے مناسب حال برتاؤ کیا جاتا ہے۔ عاد کے بعد عذاب ثمود کی مثال دی جاتی ہے)

(۱۷) وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اور وہ جو ثمود (کی قوم کے لوگ) تھے پس ہم (خدا) نے اُن کو ہدایت دی تھی (اس صراطِ مستقیم سے انھوں نے نفرت کی اور اس روشنی پر ضد و شرارت کے اندھیرے کو ترجیح دی، نیکی کو ٹھکرا دیا اور بُرائی کا تہیہ کیا یعنی) پس محبت کی انھوں نے (بینائی کے مقابلہ میں) اندھے پن (تاریکی) سے اوپر راہ (نجات والی) کے پس (نتیجہ کیا نکلا یہ کہ) ان کو رسوا کرنے والے عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا (یہ گرفت اُن پر بے وجہ نہیں ہوئی، بلکہ اُن کی کرتوتوں کا نتیجہ تھا، جیسا کہ فرمایا) بسبب اس کے تھا کہ وہ (ایسے ہی کام اور ایسی لائق افعال کرتے تھے (وہ ان کاموں کی وجہ سے اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے۔ یاد رکھو، بدی کا انجام بد ہے۔ فلاح و بہبود کے حق دار مومن، صالح اور خدا سے ڈرنے والے ہی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا)

(۱۸) وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ اور نجات دی ہم نے اُن لوگوں کو جو ایمان دار تھے اور وہ پرہیزگار تھے۔

دوسرا رکوع | (۱۹) وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ اور جس روز ہانکے جاتے تھے اللہ کے دشمن آگ کی طرف (یعنی عاد و ثمود جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ حشر کے معنی اکٹھا کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ ہانکا جانا بھی ہے، ورنہ ایک شخص کا اکٹھا کرنا بے معنی سی بات ہو جائے گا۔ جو کہتا ہے: یَوْمَ حَشْرِ تَنِیْ۔ غرض حشر بمعنی ہانکنا بھی آیا ہے) پس وہ روکے جاتے تھے (کہ ٹھیرو تم اپنے کاموں کی خود ہی زندہ شہادت ہو۔ دیکھو تمھارے اعضا زبانِ حال سے تمھارے خلاف تمھارے جرائم کا ثبوت دے رہے ہیں۔ غرض)

(۲۰) حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ یہاں تک کہ جب جب بھی آگ کی طرف (مجرمین) آئے (تب تب) گواہی دی ان پر اُن کے کانوں نے اور آنکھوں اُن کی نے (بھی شہادت دی) اور جسموں اُن کے نے (بھی اُن کے خلاف شہادت دی) اس کام کی جو وہ کرتے تھے (غرض جب یہ نقشہ اور اپنے خلاف

اپنے اعضاء کو شہادت دیتے دیکھا، تو حیران رہ گئے اور سخت گھبرائے۔ کان، آنکھ کو تو نظر انداز کر دیا صرف حظ اٹھانے والے جلود سے پوچھا کہ تم تو ہمارے ہمراہ مزہ میں شریک رہے تھے اور لطف اٹھاتے تھے، پھر ہمارے خلاف کیوں شہادت دیتے ہو؟) اور بولے اپنے جلود (یعنی اعضاء) سے کہ تم نے ہم پر کیوں (ہمارے خلاف) شہادت دی (یہاں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انسان جسم اور شاہ رگ سے الگ چیز ہے۔ اسی انسان کے قریب خدا ہوتا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ شاہ رگ سے اقرب ہونے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ ان ظاہری اعضاء سے انسان الگ ہے، وہی انسان اثرات وغیرہ لیتا ہے اور جزا و سزا کو محسوس کرتا ہے۔ غرض خدا اس انسان کے قریب تر ہوتا اور پورا پورا حال جانتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو وسائط سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ غلط ہے جب وہ انسان کے اعضاء سے اور شاہ رگ سے بھی نزدیک ہے۔ تو اسے وسائط کی کیا ضرورت ہے؟ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک تو یہ کہ خدا انسان کے جسم سے بھی انسان کے قریب ہوتا ہے، دوسری بات یہ کہ انسان ان اجسام سے الگ چیز ہے، یہ اجسام قابل تبدیل اور دوسری حالتوں میں چلے جانے والے اور ذرات کی شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اصل انسان موجود رہتا ہے اور تکلیف و عذاب کو محسوس کرتا ہے۔ غرض ان خدا کے دشمنوں نے جب اپنی اپنی جلود سے سوال کیا کہ ہماری مخالفت کیوں کی؟ تب یہ جواب پایا جیسا کہ فرمایا، وہ اُن کے جسم ان انسانوں سے)

(۲۱) وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ بولے، ہمیں اللہ (کامل مطلق) نے بلایا ہے (اللہ وہ ہے) جس نے ہر شے کو بلایا ہے اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو پہلی مرتبہ (اور اب بھی خلق جدید میں لایا۔ ابھی کئی حالتیں تبدیل ہوں گی اور نئی نئی جلود ملیں گی، اگر اصل انسان ضائع نہیں کیا جائے گا، نہ اس خدا سے گم ہو جائے گا، بلکہ محکوم بن کر ہمیشہ رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے) اور اسی (خدا) کی طرف تم رجوع کرتے ہو (وہی خدا ہے، جو اعضاء وغیرہ کو تعلق دیتا رہتا ہے اور ان چیزوں کو انسان کے لیے بمنزلہ پوشش وغیرہ بناتا ہے۔ مگر لوگ اس حقیقی صانع کو فراموش کر دیتے ہیں۔ ایک ایک ذرہ اس کی تسبیحیں اور حمد کرتا ہے اور اس کی مالکیت و خالقیت پر گواہی دے رہا ہے۔ ہر شے پر اس کی پوری پوری حکومت ہے، تو پھر انسان ہی اس سے کہاں چھپ سکتا ہے اس کے کان آنکھ، جسم وغیرہ ہر وقت ہمراہ تھے، یہی بطور شاہد پیش ہوئے۔ ان سے تو انسان بچ نہیں سکتا تھا، تو خدا سے کہاں چلا جائے گا، جو انسان کی ان چیزوں سے بھی نزدیک تر ہوتا ہے اور قائم بالذات ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ:)

(۲۲) وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ○ اور تم (اے انسانو!) چھپ نہیں سکتے تھے اس بات سے کہ تم پہ کان تمھارے اور نہ آنکھیں تمھاری اور نہ چمڑے تمھارے (یہ تو ہمراہ تھے، پھر تم ان سے کس طرح خلاصی پاتے؟ یہ تو ان عارضی چیزوں کا حال ہے، مگر تمھاری دلیری اور بے باکی کی بھی حد ہوگئی کہ اُس خدا ہی کو اپنے بہت سے اعمال سے بے خبر جانا، جو ان اعضاء سے بھی تمھارے قریب تر ہے اور ہر ایک شے کا خالق و مالک اور علیم کامل ہے) تم نے یہی گمان کیا کہ اللہ نہیں جانتا بہت سی باتیں اس سے جو تم کرتے ہو (اس کو واسطوں سے خبر پہنچتی ہے، اس لیے ہمارے کاموں سے وہ لاعلم رہتا ہے. تمھارا یہ گمان قطعاً غلط ہے. خدا انسان کی سب چیزوں سے نزدیک ہے. خدا کو بے خبر کہنے والے انسان ایسا کہہ کر اپنے دلوں کو دھوکا دیتے ہیں اور خوب دھوکا دیتے ہیں)

(۲۳) وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ○ اور یہی تمھارا گمان تھا، جو تم نے ظن کیا تھا ساتھ اپنی ربوبیت کرنے والے کے (کہ وہ ہمارے اعمال سے بے خبر ہے، بس اسی چیز نے) تم کو ہلاک کیا، پس ہو گئے تم گھاٹے والے (یہاں جسموں کی تقریر ختم ہوگئی، کیوں کہ یہ گفت گو انھیں کی تھی. اب وہ لوگ جہنم رسید کیے گئے. اس کے بعد اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:)

(۲۴) فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ ○ پس اگر صبر کریں (اور اپنی مدت علاج کو پورا کریں) تو آگ تو اُن کے لیے (بسبب اُن کے ظلم اور جور و شرک وغیرہ کے) رہنے کی جگہ ہے ہی (اس سے قبل از وقت کس طرح نکل سکتے ہیں؟ غرض اس مدت معین کو جس طرح بھی ہو، پوری کریں) اور اگر وہ (دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں (کہ وہاں جاکر اعمالِ صالح کریں گے، تو یہ باطل ہے) پس وہ نہیں ہیں لوٹائے جانے والوں سے (اگر بفرضِ محال واپس کیے جائیں، تو پھر یہی کام کریں گے، جو پہلے کرتے تھے، کیوں کہ حالت بدل کر لائے جائیں گے، یعنی پہلی ہی حالت میں واپس کیے جائیں گے اور پھر یہ حق کی مخالفت ہی کریں گے اور سچی تعلیم کا انکار کر دیں گے اور صداقت سے منہ پھیر دیں گے، اس لیے ان کا دنیا میں لوٹانا باطل ہے. اُن کے ہم خیال لوگ پھر ایک دوسرے کو بُرائی پر آمادہ کریں گے ہم نے اُن کو دنیا کی زندگی میں اختیار دے کر یہ سکھایا تھا کہ جذبات پر قابو رکھ کر خدا کے فرماں بردار رہنا، شیطنت سے بچنا اور

اس کو زیر کرنا پھر بہادرانہ ایمان تمہارا قابلِ قبول اور لائق تعریف ہے، مگر مشرکین اور جبار لوگ جذبات کا شکار رہو گئے اور برائیوں کے غلام بن گئے اور شیطانوں کی تقلید میں گرفتار ہو گئے، جیسا کہ فرمایا:

(۲۵) وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ○ اور ہم نے مقرر کر دیئے ان شریروں کے اور ظالموں کے واسطے ہم نشین (یعنی ان کے ہم شرب) پس زینت دی واسطے اُن کے (ان کے خیالات اور کاموں وغیرہ کو) جو اُن کے آگے ہے (اس سے بے ڈر اور بے خوف رہے تھے) اور جو وہ پیچھے کرتے آئے تھے (اس سے بھی وہ بے نیاز تھے کہ غم نہ کرو، یہ سب کچھ ٹھیک اور درست ہے۔ غرض اُن کے سارے کاموں کی تعریف ہو رہی تھی جب بات یہ ہے، تو ایسی حالت میں نتیجہ کیا ہونا چاہیے؟ ارشاد ہوتا ہے) اور ان پر بھی ثابت ہو گیا وعدہ عذاب کا داخل کیے گئے پہلی (مجرم) قوموں میں جو اُن سے پہلے گذر چکی تھیں جنوں (یعنی کاہنوں، پیروں، سجادہ نشینوں) سے اور انس (کم زور مریدوں، حاشیہ نشینوں، بزدل مقلدوں وغیرہ) سے (کیوں کہ انہیں کی طرح) یہ بھی گھاٹے والے ہو گئے (یہی لوگ ہیں، جنہوں نے کفار سے کہلوایا تھا کہ مومنوں کا وعظ نہ سنا کرو اور ایسے لوگ برے ہم نشین ہوا کرتے ہیں، جو اوروں کو بھی یہی ترغیب دیا کرتے ہیں کہ اچھی بات نہ آپ سنو، نہ اوروں کو سننے دیا کرو۔ تاکہ کوئی اثر پذیر نہ ہو جائے، جیسا کہ فرمایا:)

رکوع سوم (۲۶) وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ○ اور کہا انھوں نے جو کافر ہوئے (دوسروں کو بھی) نہ سنو اس قرآن (مجید) کو اور (جب یہ لوگ کہیں سناتے ہوں، تو تم یہ کرو کہ) اس میں شور مچاؤ (اوروں کو بھی سننے سے مایوس کرو) تاکہ تم (اس کتابِ الٰہی کی نصائح پر) غالب آؤ (اکیلے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کیسے متنفر ہیں، اگر غور سے مواعظ حسنہ سنتے اور ان پر عمل کرتے، تو بہت اچھے رہتے، مگر وہ نہ خود توحید کی بات سنتے ہیں، نہ دوسروں کو سننے دیتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۲۷) فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ پس لازم ہے کہ ہم (خدا) ایسے کافروں کو سخت عذاب حوف، زلزلہ وغیرہ کا مزہ چکھائیں (جو عالی شان تعلیم کے سننے سے بیزار ہیں)، اور البتہ ہم بدلہ

دیتے ہیں اُن لوگوں کو کہ کافر ہوئے اور اُن کے بُرے عملوں کی، جو وہ کرتے تھے سزا دیں گے۔

(۲۸) ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعۡدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمۡ فِيۡهَا دَارُ الۡخُلۡدِ ؕ جَزَآءًۢ

بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ۝ یہ جو ہے (بہت بُرے کاموں کا) بدلہ ہے۔ خدا کے دشمنوں کا اُن کے واسطے آگ ہے (اُن کے لیے) اس جہنم میں ہمیشگی کا گھر ہے (بڑی لمبی میعاد ہے اور واضح دلائل نہ ماننے والوں کا نتیجہ یہی نکلتا آیا ہے۔ جیسا ارشاد ہے کہ) جزا یہ جو ہے بسبب اس کے ہے کہ ہماری آیات کا (جان بُوجھ کر) انکار کرتے تھے (کلام ربانی کو سننا بھی گوارا نہ کرتے اور اگر کبھی سُننے پر مجبور ہو جاتے، تو شور مچاتے۔ یہ ہے جان بُوجھ کر انکار کرنا کہ دوسرے لوگ اس کلام کو سُن کر مائل بحق نہ ہو جائیں۔ نہ خود سُنو، نہ اوروں کو سُننے دو۔ کتنی بڑی ضد اور سرکشی ہے جب ان لوگوں کو جہنم میں ڈالا گیا، تو آنکھیں کُھل گئیں اور پھر وہ بہکانے والے یاد آئے جن کی باتوں کو بغیر کسی معقول وجہ کے حق کی مخالفت میں آنکھیں بند کر کے قبول کیا کرتے تھے۔ اب وہ مکار پیر اور اُن کی ہوا باندھنے والے بے وقوف مریدوں پر غصہ آیا اور دانت کچکچانے لگے کہ اگر سامنے ہوں، تو اُن کو چبا جائیں۔ اب بے وقت غصہ کرنا فضول ہے۔ پہلے ہی عقل و فکر سے کام لیتے۔ ارشاد ہے:)

(۲۹) وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَيۡنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ

نَجۡعَلۡهُمَا تَحۡتَ اَقۡدَامِنَا لِيَكُوۡنَا مِنَ الۡاَسۡفَلِيۡنَ ۝ اور بولے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا، اے ہمارے ربوبیت کرنے والے ہمیں وہ لوگ دکھا جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا جنوں (پیروں، کاہنوں) سے اور ان کا پروپیگنڈا کرنے والے مریدوں وغیرہ) انس سے (اگر ہمیں مل جائیں، تو ہم جو اُن کے ہاتھوں برباد ہو کر اس نتیجہ تک پہنچے ہیں، ان سے یہ سلوک کریں کہ) ہم ان دونوں (گروہوں، پیروں اور مریدوں) کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل ڈالیں تاکہ وہ سب سے گرے ہوئے بن جائیں (جو دنیا میں بڑے بزرگ اور اونچے بنے پھرتے تھے۔ اندھی تقلید کر کے یہاں تک تمہاری نوبت پہنچی ہے۔ اپنے خدا سے علم کی زیادتی کی دعا کرنا چاہیے تھا اور جب کوئی چیز سمجھ میں نہ آتی، تو اہلِ عقل و علم سے دریافت کرنا تھا پھر ترجیح دے کر سب سے بہتر بات کو قبول کرنا تھا۔ پھر اگر اس سے کوئی اچھی بات مل جاتی، تو اسے پسند کرنا تھا ضرورت پر تو پیغمبر بھی پوچھ سکتا ہے۔ ہاں تقلید صریح شرک ہے۔ آنکھیں بند کر کے کسی شخص کی بات کو اعتقاداً بے غلط ماننا شرک فی التوحید ہے۔ حق پرست مشکلات میں خدا سے ہی مدد مانگتے ہیں اور اسے ہی اپنا حاجت روا جانتے ہیں۔ وہ حیّ و قیوم دیکھتا سُنتا ہے۔ موحد انسان انسانوں کو

دست گیر و حاجت روا نہیں مانتا۔ اس کا ملجا و ماوا ایک ذات واحد ہی ہوتی ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے۔ اس ذات کے سوا کون ہے جو ہمیں تسکین و تسلی دے سکے؟ مگر ہاں ایسے عقیدہ کو استقلال ہونا چاہیے۔ خالی زبانی جمع خرچ بے کار چیز ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

(۳۰) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

تحقیق وہ لوگ جنھوں نے کہا، ہماری ربوبیت کرنے والا اللہ (کامل مطلق) ہے۔ پھر اس (عقیدے) پر قائم رہے (اس پر آپ بھی عمل درآمد کرتے رہے اور دوسروں کو بھی ایسی نیک تعلیم دیتے رہے اور بہتر سے بہتر کام کرتے اور کراتے رہے۔ تو پھر اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ یہ کہ) ان (ایسے مستقل مزاج نیکو کار مومنین باللہ) پر فرشتے اترتے ہیں (یہ کارکنان قدرت ان کے اطمینان قلوب کا سبب بنتے ہیں، کہتے ہوئے) یہ کہ نہ خوف کرو اور نہ غم کھاؤ اور خوش خبری پاؤ اس جنت کی جس کا تمھیں وعدہ ملتا ہے (یہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں یا شریک وغیرہ نہیں ہیں (خدمت گار محض ہیں جس کام کا حکم ہوتا ہے، بلا چون و چرا کر گذرتے ہیں۔ یہ مجبور ہیں، ان میں انکار کی طاقت ہی نہیں ہے۔ تم نیکی کرنے کی پختہ نیت کرتے ہو، یہ عمل کرنے کے محرک بن جاتے ہیں تمھارے خادم ہیں، نیک خیال کو تحریک دینے والے ہیں۔ وہ بحکم خدا تمھیں یہ بھی کہتے ہیں کہ)

(۳۱) نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ ہم تمھارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں (تمھاری بھلائی میں فطرتاً مصروف ہیں، کیوں کہ نیکوں کی بہتری میں قدرتی طور پر سب چیزیں لگی ہوئی ہیں۔ اسی طرح پر گمراہوں پر شیطان اترتے ہیں اور اُن کے کاموں کے مطابق ان کو وحی کرتے ہیں۔ غرض یہ ان لوگوں کی زندگیٔ دنیا اور آخرت کے ساتھی ہم نشین وغیرہ ہیں۔ جیسے فرشتوں کا یہ بھی کہنا کہ) اور آخرت میں (بھی ہم تمھارے دوست اور خیر خواہ ہیں) اور تمھارے واسطے اس (جنت) میں (جس کا تمھیں وعدہ اور خوش خبری ملتی ہے، وہ چیزیں ہیں) جو کچھ جی چاہیں تمھارے (نیک خیال سے جن جن اشیاء کی رغبت ہوگی، ملتا ہے اور ایسی خواہشیں بھی خدا تم ہی پیدا کرتا رہتا ہے۔ فرمایا) اور واسطے تمھارے اس (جنت) میں ہے جو تم (نئی نئی چیزیں دیکھ کر) چاہو گے (وہ بھی ملتی رہتی ہیں۔ غرض بے حساب مہربانیاں اور عنایات ہوتی رہتی ہیں۔ کمزور انسان کیا اندازہ لگا سکتا ہے اس کی آنکھوں سے ابھی چھپی ہوئی ہیں۔ ہاں مرنے کے بعد ہی بفضل ایزدی ان کو پالیتا ہے پس

مومن باللہ ہو اور صالح ہونا شرط ہے، پھر ان تمام کرم فرمائیوں کا اپنے آپ کو مستحق پائے گا۔

(۳۲) نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ؕ یہ مہمانی ہے بخشنے والے رحیم کی طرف سے (غرض جہنمی جہنم میں پیروں کو پیروں تلے کچلنے کے لیے مانگتے ہیں۔ مومن خدا کو اپنا کارساز جانتے ہیں اور اس زبردست عقیدے پر ثابت قدمی سے صلاحیت والے اعمال کرتے رہتے ہیں، ان پر تسکین، تسلی اور جنت کی بشارت کے لیے ملائکہ اترتے ہیں اور دنیا و آخرت میں دوستی کا دم بھرتے ہیں اور اُن کے دلوں کے ثابت رہنے کا سبب بنتے ہیں۔)

رکوع چہارم | اب آگے اُن ثابت قدم نیکوں کا ذکر ہے، جو صرف مومن باللہ ہیں اور صلاحیت والے کام کرتے ہیں۔ اس رکوع میں ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی ہے۔ غرض سب کو خدا سے نیکی کی توفیق مانگنا اور اس کو حاجت روا حقیقی جاننا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے:)

(۳۳) وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ○ اور اس سے اچھا بات میں کون ہے جو شخص اللہ کی طرف بلائے (یہ کہتا ہو کہ اللہ بے مثل کو اپنا معبود جانو، سوائے خدا کے کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے) اور اچھے (اچھے) کام کرے (خلق کی خیر خواہی میں لگا رہے۔ دوسروں کو بھی صلاحیت والے کاموں کی ترغیب دلائے، اصلاحی باتوں میں مدد دے، جھگڑوں میں صلح کرائے، خیر و برکت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے اور دوسروں کو بھی نیکی پہ آمادہ کرنے کی پوری کوشش کرے اور اپنی اجارہ داری قائم نہ کرے، نہ لوگوں کو یہ کہے کہ میں فلاں کا مقلد ہوں تم میرے مقلد بنو۔ ہاں سب کو اللہ والے بننے کی موحدانہ تعلیم دے۔ اوروں کو بھی یہی گر پھیلانے کا سبق دے) اور (یہ) کہے کہ بلاشبہ میں مسلمین سے ہوں (نام مسلم، کام اچھے، بلائے خدا کی طرف۔ ایسے شخص کا ساتھ دینا اور مدد کرنا اچھا ہے اور اگر خود ایسے بنو، تو اور بھی بہتر ہے۔ اگر تم میں ابھی کمی ہے، تو ایسے اولوالعزم مومن کے ساتھی بن کر صلاحیت اور نیکی پھیلاؤ اور اجر عظیم کے مستحق بنو۔ نبی بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے ہمراہ ہو کر خوبیاں پھیلاؤ، اس کی اس نیک کام میں مدد کرو، خدا تم سب کی مدد کرے گا اور دنیوی و اخروی انعام و اکرام سے مالا مال کرے گا، مگر ایسے کام میں سرکشوں کی طرف سے مشکلات کا ضرور سامنا ہوتا ہے اور تکالیف پہنچتی ہیں۔ اس لیے بر وقت تعلیم فرمائی کہ)

(۳۴) وَلَا تَسۡتَوِى الۡحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ فَاِذَا

الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ اور نہیں برابر ہے نیکی اور بدی. بدی کے بدلے میں اگرچہ اتنی ہی کی اجازت ہے، مگر اس بدلہ میں ضمیر کو وہ راحت نہیں پہنچتی. جو معاف کرنے سے ملتی ہے اور اگر بدی کے مقابلہ میں معافی کے بجائے نیکی کی جائے، تو یہ نور علیٰ نور ہے. عفو میں بڑی لذت ہے، مگر بدی کے بدلے نیکی کرنا بہت بڑا بہادرانہ کام ہے؛ جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آتا. اس کی نصیحت پیغمبر کو فرمائی کہ) تو دفع کر اس (بدی) کو اس خصلت کے ساتھ جو بہت نیک ہے (جس کو ایسی تعلیم ملے وہ کسی شخص کو دھوکے سے قتل نہیں کرایا کرتا. جیسے کہ کعب بن اشرف کے واقعہ میں بیان کیا جاتا ہے! انبیاءؑ کو حوصلے اور استقلال کا نمونہ ہونا چاہیے. یہ روایت دشمنان اسلام کی پھیلائی ہوتی ہے. جو قطعاً بے بنیاد ہے. دانا دشمنوں نے یہ فسانہ گھڑا، نادان دوستوں نے بسر و چشم قبول کر لیا. یہ ہے ان اُمّت کہلانے والوں کے دلوں میں حاملِ قرآن کی عزت! بہت بڑا مجرم وہ شخص ہے، جو نبی کو دھوکے باز اور مکار کہے. ایسے خلق عظیم والے پر بہتان بھی عظیم ہی تراشا گیا ہے ایسی باتیں بنانے والے اور ان کو ماننے والے ایک ہی آگ کا ایندھن ہیں.

اب بتایا کہ برائی کا بدلہ نیکی کی صورت میں دینے کا نتیجہ کیا نکلے گا!) پس جب تو وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت تھی، تو (تیرے اس حسن سلوک سے) گویا وہ تمہارا پُرجوش دوست بن جائے گا (وہ بتدریج متاثر ہوتا چلا جائے گا کچھ تو اس معافی وغیرہ کے سلوک اور کچھ تیری نیک عادت سے. یقینی چیز ہے کہ ایسے برتاؤ سے دشمن بھی اثر پذیر ہوتا ہے. مگر یہ کام کسی کمزور سے بعید ہے. صاحب حوصلہ کو یہ منصب میسر ہے اور صدر جہ کے صالح اور بُردبار کو یہ چیز حاصل ہے، جیسا کہ فرمایا:)

(۳۵) وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝

اور یہ (عفو وغیرہ کی) عادت نہیں سکھائی جاتی، مگر جو لوگ صبر کریں (ان کو عنایت کی جاتی ہے. صابر اور بھی صبر میں ترقی کریں. صاحبِ ہمّت اور ایثار کرنے والے نیکوکار اور بُردبار کو یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے) اور نہیں ملتی یہ (عادت) مگر بڑے حوصلے والے کو (جو حوصلہ و ہمّت؛ صبر و عزم میں بہت ہی بڑھا ہوا ہو. ہاں مگر شیطان یعنی جذبات وغیرہ انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں نفس کے دھوکا سے ہوشیار رہنا چاہیے. انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے. یہ بھول جانے والا ہے. اس لیے اس کو بھول چوک کے وقت کے لیے سبق سکھایا. جیسے فرمایا کہ

(۳۶) وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

اور اگر تجھے (اے نبی! مخاطب اوّل) شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچے (تو اس کا علاج یہ ہے کہ خدا سے مدد مانگیو، نہ کہ کوئی اور علاج وغیرہ کیجیو) پس تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو (کیوں کہ اور کوئی بھی پناہ دینے اور مدد کرنے کے قابل نہیں ہے اور یاد رکھیو کہ) تحقیق وہی (خدا ہی) ہے اصل سُننے والا (اور) اصل جاننے والا (شیطان وسوسہ تو ڈال دیتا ہے، مگر جو نیک اور متقی ہیں، ان پر غلبہ حاصل نہیں کرسکتا۔ ہاں اپنے دوستوں یعنی کفار، مشرک ظالموں پر ضرور غالب آجاتا ہے۔ کیوں کہ وہ تو اس کے لیے تیار ہی ہوتے ہیں اور ان کے سب کام ہی منشاءِ خداوندی کے خلاف ہوتے ہیں۔ شیطان مومنین باللہ کو صرف بھلاوا تو دے سکتا ہے، مگر ان پر مسلّط نہیں ہو سکتا پس مومن کو چاہیے کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ اللہ تعالیٰ اپنی طرف رجوع کرنے والوں کو عین موقعہ پر بچا لیا کرتا ہے۔ ایک جگہ قرآن مجید پڑھتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا حکم فرمایا تاکہ شیطانی وسوسہ رفع ہوجائے جب بات یہ ہے تو کیا عام حالتوں میں ہی خدا کی پناہ سے مستغنی ہو جانا چاہیے؟ ہرگز نہیں شیطانی وسوسہ سے ہر وقت خدا سے مدد مانگنا ضروری ہے اور ہر لحظہ خدا کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ اس تعلیم پر غور کرو، کتنی وضاحت کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ رسول اور تمام بندے، سب کے سب بارگاہِ الٰہی کی حفاظت کے محتاج ہیں۔ رسولؐ ہی کی زبان سے لوگوں کو یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ میں بھی بھول سکتا ہوں اور غلطی پر مجھے بھی معافی مانگنے کی اشد ضرورت ہے۔ گناہ کی حالت میں مجھے بھی یوم عظیم کا خوف ہے۔ میں بھی لوگوں کی طرح لغزش کھا جاتا ہوں میں معصوم مطلق اور بے غلط نہیں ہوں۔ مجھے بھی نیک کاموں کی ضرورت ہے۔ جُرم کرنے کی حالت میں میں بھی مجرم قرار دے کر جواب دہی کے لیے پیش ہوسکتا ہوں شرک کرنے کی حالت میں جہنم تک میں ملامت کرکے دھکیلا جا سکتا ہوں مجھ پہ اگر کوئی تکلیف یا بُرائی آتی ہے، وہ میرے نفس کے ہی سبب سے آتی ہے، وہ میری بھول کا نتیجہ ہوتا ہے اور جو بھلائی پہنچتی ہے، تو میرے مہربان خدا کا فضل ہوتا ہے۔ اب بتایا جائے کہ ایسی تعلیم دینے والی کتاب کو مانتے ہوئے کس کا منہ ہے کہ کسی اور کو خدا کی صف میں بٹھائے؟)

(۳۷) وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

اور اس (خدا) کی نشانیوں میں سے (ایک نشانی) رات اور دن ہے (کیا یہ رات اور دن تمہارے مزعومہ شرکا میں سے کسی نے پیدا کیے ہیں یا خدائے واحد نے اپنی مہربانی سے تمہارے آرام اور معاش کے لیے بنائے ہیں؟ غور و فکر سے کام لو اور سوچو کہ ان کے پیدا کرنے میں خدا کے سوا کسی کو ذرہ بھر بھی

دخل ہے ؟ پھر یہ کتنی بدبختی ہے کہ آرام دینے والے کو فراموش کر کے آرام پلنے والوں کو معبود بنایا جا رہا ہے ؟ یاد رکھو، یہ کام اُس خدا کا ہے، جس کو تم فراموش کر چکے ہو، جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے لیے ایسا عمدہ دسترخوان بچھایا اور جو تمہاری فرماں برداری کے انعام میں ہمیشہ کی زندگی اور دائمی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ اس کی مخلوق کی موجودگی اس کے خالق ہونے کا زندہ ثبوت ہے اور اس نے دن رات بنائے) اور سورج اور چاند (کو پیدا کیا، اُن کے پیدا کرنے میں بھی تمہارے ہی فائدے منظور تھے۔ لاتعداد کُرے پیدا کیے، ایک دوسرے سے وابستہ کر کے ان میں باہمی تعلق پیدا کیا۔ چاند اور سورج تمہاری خدمت میں لگا دیے، مگر تمہاری مثال ایسی ہی ہے، جیسے کہ کسی نے کسی کو سواری کے لیے گھوڑا عنایت فرمایا۔ وہ شخص بجائے مُعطی کے گھوڑے کا شکر گذار بنا اور اسی کی پرستش کرنے لگ گیا۔ مظاہرِ قدرت کی پرستش کا بھی یہی معاملہ ہے۔ کائنات کی تمام چیزیں ہماری خدمت کے لیے بنائی گئی ہیں انسان کا فرض ہے کہ وہ اُن چیزوں کے مالک حقیقی کا شکر گذار ہو، جیسا کہ فرمایا: اے انسانو!) تم نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو (کہ یہ چیزیں تمہاری خدمت گار ہیں۔ ان کی پرستش کسی طرح بھی روا نہیں) بلکہ سجدہ کرو اُس اللہ کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اگر تم ہو (خالص اور خاص) اس (خالقِ حقیقی) کی عبادت کرنے والے (بہت سے شموس و اقمار ہیں، اس لیے هُنّ ضمیر جمع لائی گئی ہے اور هُمَا ضمیر تثنیہ نہیں لائی گئی۔ الغرض موحد سوائے خدائے قدوس کے کبھی کسی کی عبادت نہیں کرے گا۔ کسی کے آگے ذلیل ہونا پسند نہ کرے گا۔ اس کا سر خالقِ حقیقی کے سوا کسی کے آگے نہ جھکے گا۔ ایسے روشن دلائل کے ہوتے ہوئے بھی یہ ظالم لوگ غرور و عناد سے کام لیں، تو پھر جان لو کہ خدا تعالےٰ کی ذات ایسے لوگوں کی سرکشی سے بے نیاز ہے۔ وہ سرکشی کر کے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے)

(۳۸) فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۝ پھر یہ لوگ اگر تکبر کریں (اور حق کے سامنے نہ جھکیں، تو خدا کو بھی ان کی پروا نہیں، اُن کے اعمال اُن کے سامنے آجائیں گے) پس وہ لوگ جو تیرے رب کے پاس ہیں تسبیحیں کرتے ہیں اُس (خدا) کے لیے دن اور رات اور وہ (ایسے نیک شغل سے) تھکتے (یعنی اُداس اور ملول ہوتے ہی) نہیں ہیں (ان کو اس میں وہ مزہ اور اطمینان ملتا ہے، جس کو وہی محسوس کرتے ہیں)۔ غرض ایک دلیل اللہ تعالےٰ کے رب ہونے کی آگئی۔ اب دوسری دلیل یہ پیش فرمائی کہ)

(۳۹) وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ

اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اور اس (خدا) کی نشانیوں میں سے (ایک یہ) ہے یہ کہ تو (اے نبیؐ) دیکھتا ہے زمین کو دبی ہوئی (یعنی خشک) ہوتی ہے۔ پھر جب اُتارتے ہیں ہم (خدا اپنی حکیمانہ ترکیب سے) اوپر اس (زمین) کے پانی (پھر وہ) ہلتی اور پھولتی ہے (اس میں آثارِ زندگی پیدا ہوتے ہیں اور پھر کیا کچھ رنگارنگی ظہور میں آتی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت اور دلیل ہے کہ) بالتحقیق جس نے اس (زمین) کو زندہ کیا، البتہ (وہی) خدا مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے (یعنی لوگوں کو اُن کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا، اُن کے اعمال کی پرسش کرے گا) بالتحقیق وہ ہر شئے کے اوپر قادر ہے (شئے یعنی چاہی ہوئی چیز پر قادر، نہ کہ محال اور نامناسب بات پر، کیوں کہ ایسا کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے اور وہ غیر حکیمانہ کاموں سے پاک ہے۔ لوگ اس کے پُرحکمت کاموں میں خود کجی پیدا کرتے یا مانتے ہیں اور کجی کے آثار اپنی ذات سے لیتے ہیں، ورنہ اس خداؐ کے تمام کام بے غلط منظم مربوط اور صحیح ہیں۔ ناہنجار اور اہواء پرست لوگ اپنے بُرے مقصد کی وجہ سے دو اور دو کو پانچ بنانے کی بے سود کوشش کر کے اپنے ساتھ دوسروں کو بھی جہنم کے لیے تیار کرتے ہیں۔

(۴۰) اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ

تحقیق وہ لوگ جو ہماری (خدا کی) آیات میں کجی کرتے ہیں۔ وہ ہم (خدا) سے چھپے ہوئے نہیں ہیں (وہ خود جہنمی بنتے ہیں) کیا پھر جو کوئی (جہنم کی) آگ میں ڈالا جائے۔ وہ بہتر ہے یا وہ (شخص) جو قیامت کے دن امن (وسلامتی) سے آئے (ان دونوں حالتوں کا اندازہ لگا لو کہ کون سی بہتر ہے۔ آگ کا عذاب یا دائمی امن وسلامتی؟ اب تم اپنے لیے جو راستہ چاہو، اختیار کر لو۔ انسان کو کچھ اختیار بھی ملا ہوا ہے، جبھی تو یہ کہا گیا ہے کہ دونوں راستوں میں جو راہ چاہے، اختیار کر لے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:) کر لو۔ جو کچھ تم چاہتے ہو (اس کا تمھیں اختیار ہے، مگر یہ بھی یاد رکھنا کہ نیک و بد کاموں کا نتیجہ الگ الگ ہے اور تحقیق وہ (خدا) جو کام تم کرتے ہو، اس کے دیکھنے والا ہے (اگر بُرے اعمال اختیار کرو گے، تو عذاب کے مستحق ٹھیرو گے۔ نیک اعمال سرانجام دو گے، تو ان کا بدلہ بھی نیک ہی پاؤ گے پس بہتر یہی ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت سے منہ نہ موڑو۔ کیوں کہ:)

(۴۱) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ

تحقیق وہ لوگ جو اس ذکر (قرآن) کے ساتھ کفر کرتے ہیں (جو قانونِ قدرت کا مؤید ہے) جب (کھلے دلائل لے کر) ان کے پاس آگیا (تو یہ انکار کسی معمولی چیز کا انکار نہ سمجھا جائے۔ انھیں اس کفر و انکار کی سخت سزا دی جائے گی) اور تحقیق یہ (قرآن) البتہ عزت والی کتاب ہے (ایسی کتاب کہ)

(۴۲) لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ نہیں آتا باطل اس (کتاب) کے آگے سے نہ اس (کتاب) کے پیچھے سے (یعنی ہر لحاظ سے محفوظ ہے) کیوں کہ یہ کتاب، حکمت والے تعریف کیے گئے (خدا) کی طرف سے اتاری گئی ہے (ایسی کتاب ہر ترقی کی مؤید، ہمیشہ یکساں، ممتاز، محفوظ، اکمل، بے غلط سوائے قرآن کے اور کوئی بھی نہیں۔ اس میں نئے نئے انکشافات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اور ہر زمانہ میں نوعِ انسان کی علمی اور معاشرتی ترقی کا ساتھ دیتی ہے۔ یہ مفصل و مشرح ہے۔ ہر سچی بات کی اس میں تائید ملے گی۔ ہر برائی سے اجتناب کرنے کا سبق دیتی ہے۔ پھر اگر ایسی عالی شان تعلیم کا انکار کیا جاتا ہے اور اس کے لانے والے کا مذاق اڑایا جاتا ہے، تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اہلِ کفر و شرک کی یہ پرانی سنت ہے کہ جب بھی حق آیا، یہ لوگ مقابلے پر آمادہ ہو گئے، اگرچہ بعد میں تباہ ہی ہوئے۔ مگر راستی کی طرف راغب نہ ہوئے۔ ان کی عادت نہ بدلی، تو خدائی سنت بھی نہیں بدلی، وہ ہمیشہ رسوائی کے ساتھ جہنم میں داخل کیے گئے پس اے رسولؐ ان کے سوالوں اور غیر معقول اعتراضوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمھارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، بلکہ خود ہی تباہی کے گھاٹ اتارے جائیں گے۔ بس!)

(۴۳) مَّا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ۝ نہیں کہا جاتا تجھے، مگر وہی جو تحقیق تجھ سے پہلے رسولوں کو کہا گیا تھا (نوحؑ، موسٰیؑ، ابراہیمؑ اور مسیحؑ سب کو ستاتے رہے اور ان سے انوکھی چیزوں کا مطالبہ کرتے رہے۔ یہ اجو یہ پرست ہمیشہ الٹے راستہ پر ہی گامزن رہے اور نتیجہ وہی ہوا، جو ان کے اعمال و عقائد کے مطابق تھا۔ خدا نے ان کو مہلت بھی دی کہ وہ صراطِ مستقیم پر آجائیں، مگر طغیان و تکبر کا جنون ان کے سر پر سوار تھا۔ انہوں نے جہنم ہی کی راہ اختیار کی) تحقیق تیرا (اور سب کا) رب بخشش کرنے والا ہے اور (ظالموں اور متکبروں کے لیے) دردناک عذاب دینے والا (بھی) ہے (اب غور کرو، تو تمھیں کون سا پہلو اختیار کرنا چاہیے؟ عذاب و تکلیف کا یا ہمیشگی کے آرام و اطمینان کا؟ یاد رکھو تمھاری یہ کٹ حجتیاں اور بے سود باتیں اور جہالت کے سوال تمھارے لیے وبال ہو رہے ہیں۔ یہ کہاں

کی عقل مندی ہے کہ عرب ہوکر قرآن کا عجمی زبان میں معجزانہ رنگ میں نزول چاہتے ہو؟ پھر اگر یہ قرآن تم پر کسی غیر عربی زبان میں نازل کیا جاتا، تو کیا تم یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہوتے کہ یہ خوب معاملہ ہے کہ ہم تو عرب اور قرآن مجید غیر عربی زبان میں۔ پھر تم ہی یہ مطالبہ کرتے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہونا چاہیے۔ یاد رکھو، تم اوّل مخاطب ہو، تمھاری زبان میں یہ کتاب اتاری گئی ہے۔ تم لوگوں کو بتاؤ، وہ آگے دوسروں کو پہنچائیں۔ اصل کتاب کی حفاظت کے ہم ذمّہ دار ہیں۔ یہ قیامتِ کبریٰ تک محفوظ رہے گی۔ یہ کتاب ہمیشہ کے لیے سارے کرۂ ارض کے واسطے بھیجی گئی ہے۔ یہ تورات کی طرح وقتی نہیں ہے، جس کے متعلق لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اصل تورات گم ہوگئی ہے اور موجودہ توراۃ عزیر نبی نے لکھی ہے۔ وہ اس قول میں حق بجانب نہیں، کیوں کہ تورات ہمیشہ کے لیے نہ تھی، وقتی اور ہنگامی چیز تھی۔ اس کی حفاظت کی ذمّہ داری بھی خدا نے نہیں لی ہوئی تھی، کیوں کہ اس کے بعد ایک کتاب تمام نوعِ انسان کے واسطے نازل ہونے والی تھی جس میں سب آسمانی کتابوں کا نچوڑ لاکر اس کو ان پر مہیمن کرکے اپنی حفاظت میں لانا تھا، اسی لیے تورات اور دوسری کتابیں انسانی ہاتھوں کی دست بُرد سے نہ بچ سکیں، جس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ خود تورات میں موسٰی کی عمر، موت اور قبر وغیرہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یہ قرآن ہی ہے، جس کا ایک نقطہ بھی غیر وحی نہیں ہے۔ لوگو! ایسی تعلیم کی قدر کرو۔ یہ اصل سرچشمہ موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ پھر کیوں لایعنی باتیں کرکے عذابِ الیم کے مرتکب ہو رہے ہو۔ اس کتاب کو خود پڑھو، اوروں کو سناؤ، فوائد حاصل کرو۔ یہ کیا شرارت ہے کہ غیر زبان میں نزول کا (مطالبہ کرو)

(۴۴) وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ

اور اگر کر دیتے ہم اس (کتاب) کو قرآن عجمی (تو) البتہ کہتے (یہ عرب والے لوگ) کیوں نہ اس (کتابِ عجمی) کی آیات مفصّل آئیں (یہ کیا معمہ ہے کہ کتاب تو) عجمی اور (مخاطب اوّل) عربی (کیا پھر اس کی تفسیر عربی میں نہ لانا پڑتی۔ پس ایسے بے ہودہ مطالبے سے باز آؤ، جس میں سراسر جہالت کا مظاہرہ ہے۔ تم لوگ اس کتاب کا بغور مطالعہ کرو۔ اس میں تفصیل و تشریح موجود ہے) کہ دے کہ یہ (قرآن مجید) ایمان داروں کے واسطے سیدھا راستہ اور شفاء (یعنی سینے کی بیماریوں کفر، شرک، جہالت، ضد و عناد، بغض و کینہ، حسد و غرور، تقلید غیر اللہ اور ہوا پرستی وغیرہ کو دُور کرکے نور ایمان، امن و

سلامتی، الفت ورافت، محبت ورحمت، نیکی وخوبی اور نورِ قلب عطا کرنے والی کتاب) ہے اور وہ لوگ جو (اس کتاب کو) نہیں مانتے، اُن کے کانوں میں گرانی ہے (وہ سُن ہی نہیں سکتے اور نہ سننا چاہتے ہیں) اور یہ (قرآن) ان (ظالموں) پر (موجب) نابینائی (معمہ، پہیلی اور گورکھ دھندا) ہے۔ یہ لوگ (ایسے ہیں، جیسے کہ) ان کو (گویا) پکارا جاتا ہے (دُور جگہ سے) آواز سی پہنچتی ہے، مگر سمجھ نہیں سکتے جب توجہ ہی نہیں ہے، تو کس طرح سُنیں؟)

رکوع ششم ایسے لوگوں کی اس دیرینہ شرارت کے ثبوت میں تورات کا حوالہ دیا کہ اس میں اپنی بُری خصلت کی وجہ سے اختلاف کرنے سے نہ چُوکے اور اس کو بھی اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلانے کی کوشش کی اور اس میں اپنی اہوا کو داخل کر دیا۔ تورات میں اختلاف کی وجہ پہلی بات یہ ہوئی کہ انہوں نے سزائی احکام کو دائمی بنا لیا۔ اگرچہ وہ سزائی احکام بھی وحی تھے، مگر ان کی سرکشی اور بغاوت کے سبب ان پر بوجھ ڈالا گیا تھا۔ مثلاً سبت وغیرہ، جس کو وہ باوجود اپنی خواہش کے نباہ نہ سکے۔ منشاءِ ایزدی تو یہ تھا کہ جتنی بھی اصلاح ہو سکے، کی جائے اور آئندہ ان کو ترقی کا موقعہ دیا جائے۔ آہستہ آہستہ غور و فکر کر کے ان رسوم سے خود ہی متنفر ہو جائیں، مگر ان ظالموں نے سزائی احکام کو بنائے اختلاف بنا کر رکھ دیا۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ تورات میں انبیاء کی احادیث کو داخل کیا گیا۔ تیسری وجہ یہ کہ تورات کئی دفعہ تباہ ہوئی۔ لڑائیوں میں فاتحین اس کو بھی مالِ غنیمت کے طور پر کئی بار ہمراہ لے گئے، یہاں تک کہ اصل تورات مٹ گئی اور مسخ ہو گئی۔ پھر عزیرؑ نے اپنے یادداشت کی بنا پر تورات لکھی اور عزیرؑ کو یہود خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اگرچہ اب بعض لوگ اس عقیدے سے انکار کرتے ہیں، مگر قرآن کے نزول کے وقت کسی نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور اس نوعیت کی اور بھی کئی باتیں توراۃ میں اختلاف کی ہوئیں۔ یہ اختلاف نفسِ توراۃ میں ہوئے اور اس کی اصلیت میں فرق آگیا تھا۔ یہی وجہ نزولِ قرآن کا سبب ہوئی۔ قرآن ایسی کتاب ہے کہ اس میں تورات کی طرح سزائی احکام کی گنجائش ہی نہیں ہے، کیوں کہ اس کے بعد تا قیامتِ کبریٰ کوئی کتاب آنے والی نہیں ہے، مگر ظالم ایسی بے اختلاف کتاب کے بھی مخالف ہو گئے، یہ کہتے ہوئے کہ یہ قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق کا تو دعویٰ کرتا ہے، مگر ہے ان کا ناسخ۔ تورات کے حرام کو حلال کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے ہم (یہود) اس کو خدا کی کتاب اور اس کے لانے والے کو رسول نہیں جانتے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ تورات کا نام ہی نام باقی رہ گیا تھا۔ اصلیت روایات واختلافات کے پردے میں گم ہو چکی تھی۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۴۵) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝

اور البتہ تحقیق عطا کی ہم نے موسٰے کو کتاب پس اس (کتاب) کے اندر اختلاف کیا گیا (بہت کچھ افراط و تفریط اس میں کی گئی، مگر ان سے درگذر کیا گیا، اس لیے کہ جتنی بھی ہو سکے، وہ اپنی اصلاح کریں اور فائدہ اٹھائیں، مگر یہ لوگ فائدے سے کوسوں دُور رہے اور کھُلی مخالفت پر اُتر آئے) اور اگر ایک کلمہ (ایک بات، ایک حکم) تیرے رب کی طرف سے نہ ہوتا، جو پہلے مقرر ہو چکا ہے (تو) البتہ ان کے درمیان فیصلہ (قطعی) کیا جاتا (وہ کلمہ یعنی سنّتِ الٰہی یہ ہے کہ جب تک قوم نادان اور ابتدائی حالت میں ہو، تو جتنا بھی فائدہ اٹھائے، اٹھالے۔ ان پر سزائی احکام بھی ڈالے جا سکتے ہیں، ان کی شرارت کی وجہ سے ان پر حلال چیزیں حرام بھی کی جا سکتی ہیں۔ ان کی رسوم میں زور سے دخل بھی نہیں دیا جا سکتا۔ وغیرہ وغیرہ، مگر یہ وقتی چیزیں ہیں، ان کو مداومت حاصل نہیں ہوتی۔ جب دنیا ایک گھر کی مانند ہو جائے، تو یہ وقتی اور سزائی احکام کام نہیں آتے، کیوں کہ سنت اللہ قابلِ تبدیل نہیں ہے۔ ہاں ایسے احکام بطور سزا ابتدائی حالات میں دیے گئے تھے، ان کو ہمیشگی حاصل نہیں ہے حقیقت کبھی بدل نہیں سکی، حقانیت کے قاعدے کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔ اگر خدا کے مقررہ قوانین ٹوٹ جائیں، تو پھر شرک بھی صحیح ہو سکتا ہے اور تمام محالات ممکن ہو سکتے ہیں) اور تحقیق وہ لوگ البتہ اس (توراۃ) کی طرف سے قلق میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں (یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ توراۃ قبل قرآن واجب الاتباع تھی جس شخص کا ارادہ نیک ہو اور نیت بخیر ہو، وہ تو قصّوں سے بھی ہدایت اور نصیحت اخذ کر لیتا ہے۔ لیکن بدنیت آدمی قرآن جیسی کتاب سے بھی شرک ہی نکالے گا۔ غرض توراۃ وغیرہ میں بھی ہدایت تھی۔ مشرکین کا یہ کہنا کہ اہلِ کتاب سے ہم تعلیم نہ پا سکے، کیوں کہ انھوں نے بخل کے باعث ہم پر اپنی کتابوں کی تبلیغ و اشاعت نہیں کی اور اگر ہمیں بھی کوئی کتاب ملتی، تو ہم کسی سے پیچھے نہ رہتے۔ پس معلوم ہوا کہ قبل قرآن، توراۃ واجب الاتباع اور اپنے اندر ہدایت رکھتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ناقص ہو گئی ہوئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم اس میں موجود تھے، جب ہی تو فرمایا کہ یہ رعایت طلب یہود آپؐ کو کس طرح حکم بناتے ہیں، حالاں کہ اُن کے پاس توراۃ ہے اور اس میں اللہ تعالےٰ کا حکم موجود ہے۔ توراۃ میں نور و ہدایت تھی، مگر شرارت پسند لوگوں کو نیکیوں سے کیا غرض؟ وہ تو جب بھی کچھ کہیں گے، حق کے خلاف ہی کہیں گے۔ خدا نے قرآن کو برکت والی کتاب بنا کر بھیجا، تاکہ مشرکین کی یہ حجت پوری ہو جائے، کہ ہمیں کتاب ملتی، تو ہم ہدایت طلبی میں کسی سے پیچھے نہ رہتے۔ اہل کتاب چاہتے، تو قرآن مجید پر ایمان لا کر اور اس کے حکموں پر چل کر دوہرا اجر پاتے۔ قرآن حکیم تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے، اس کے عالم گیر نظام میں داخل ہونے والے فوز و فلاح حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب ہر عیب سے پاک ہے۔

اس میں تمام اعتراضوں کے تسلّی بخش جواب دیے گئے ہیں۔ یہ خدا کی حفاظت میں ہے۔ اس میں باطل کو مطلق راہ نہیں۔ یہ سرتاسر حق ہے۔ اس کی دعوت اسلام کی دعوت ہے، جو زمین و آسمان کا دین ہے۔ اس کی رُو سے محض یہود و نصاریٰ جنّت کے اجارہ دار نہیں بن سکتے، بلکہ تمام مومنین باللہ جنّت کے مستحق ہیں۔ اس لیے جب قرآن جیسی وسیع المشرب کتاب مل جائے، تو اسے قبول کرنا چاہیے جب تک اس کا علم نہ ہو، دوسری کتابوں پر ہی عمل کیا جا سکتا ہے، مگر نیت کا نیک ہونا ضروری ہے۔ دانا وہی ہے، جو بہتر سے بہتر فائدے حاصل کرے اور اگر وہ فوائد والی کتاب اسے نہیں ملی، تو صاف دلی سے نیک اور صلاحیت والے کام کرتا جائے، اسے اُن اعمال کی نیک جزا ضرور ملے گی لیکن قرآن کی موجودگی میں اتنے بڑے فضلِ الٰہی سے الگ رہنا شومیٔ قسمت ہے)

(۴۶) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ جو صلاحیت والا کام کرے، پس اس کے اپنے لیے ہے (دوسرے کسی کو اس میں سے حصّہ نہیں ملے گا) اور جو بُرے کام (خدا کی نافرمانی وغیرہ) کرے، تو (اس کا وبال) اس کی جان پر ہے (غرض قرآن نے شفاعت، کفّارہ، خدا کے محبوب اور بیٹے وغیرہ ہونے کی سخت تردید کردی اور فرمادیا کہ جو کوئی جیسے عمل کرے گا، اُسے اُن کے مطابق ہی سزا و جزا ملے گی۔ ایک کی سزا یا جزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی، کیوں کہ یہ ظلم ہے) اور تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (ظلام اس لیے آیا کہ خدا کا ذرہ بھر ظلم کرنا بھی بہت بڑا ظلم ہے۔ اس کی ذات بے عیب ہے۔ وہ کسی پر قطعاً ظلم روا نہیں رکھتا۔ غرض نیک و بد ہر ایک کو اس کے حضور پہنچنا ہے اور اپنے اعمال کا ثمرہ لینا ہے)

(۴۷) اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۗ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۗ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۚ○ اُسی (رب) کی طرف ہی موڑا جاتا ہے قیامت کا علم (اُس گھڑی کا علم اور کسی کی طرف نہیں موڑا جاتا اور نہ یہ لائق اور شایان ہی ہے کہ علیم کل کے بغیر یہ علم دوسرے کو حاصل ہو۔ انڈے کا بچّہ پہلے درخت کو دیکھتا ہے پھر بتدریج سورج، چاند، زمین و آسمان وغیرہ کو دیکھتا ہے۔ غرض محدود علم و نظر والوں کی استعداد ہی اتنی ہے اور لامحدود نظر والے سے ان کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ وہ خدا بذاتِ خود ہر چیز

دیکھتا ہے۔ہم آنکھ کے نقشہ کو دیکھتے ہیں نہ کہ چیز کو۔چیز پر روشنی پڑتی ہے، تو ہم پہ نقشہ واضح ہوتا ہے، اس لیے کوئی چیز اندھیرے میں ہو، تو ہمیں نظر نہیں آتی۔غرض صفت اپنے موصوف کو چھوڑ کر الگ نہیں ہوتی۔خدا عرش پر ہو اور ہمیں اپنے علم سے دیکھے، یہ عقیدہ باطل اور اغلاط ہے۔خدا نے سب موجودات کو گھیرا ہُوا ہے۔وہ ہر ایک مخلوق کے اندرون و بیرون کو بذاتِ خود پورا پورا دیکھتا ہے۔جیسا کہ فرمایا) اور نہیں نکلتے کوئی پھل اپنے علاقوں سے اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی مادہ اور نہیں جَنتی، مگر اس (خدا) کے علم کے ساتھ (ان سارے امور کو اللہ تعالیٰ کے سوا کون جان سکتا ہے؟ غور و فکر کا مقام ہے کہ ایسے بے نظیر و بے مثال خدائے قدوس کے ساتھ کسی اَور کو شریک بنانا کتنا مفسدانہ عقیدہ ہے، جو محض جہالت، عناد اور ضد و شرارت پر مبنی ہے۔ایسے عقیدے والے لوگ مر کر دوسرے عالم میں جاکر بڑے بڑے مصائب کا شکار ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو سخت لاچاری اور بے کسی کی حالت میں بے یار و مددگار پاتے ہیں۔جیسے فرمایا کہ) اور جس دن (خداوند کریم ان ظالموں اور مشرکوں کو اپنی حاضری میں فرداً فرداً) پکارتا ہے (اور پھر فرماتا ہے:) کہاں ہیں میرے شریک (جو تم نے بنائے ہوئے ہیں، تو وہ) بولے، ہم تجھ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں کوئی بھی (اس بات کا عینی) گواہ نہیں ہے (اصلیت اس عقیدہ کی کوئی نہیں۔نہ کوئی برہان قطعی ہی ہمارے پاس ہے۔ہم تو صرف تقلیداً اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ شریک و شفیع وغیرہ ہیں اور آڑے وقت پر کام آئیں گے، مگر آج انصاف کے دن ہم پہ یہ بات واضح ہوگئی کہ سوائے اپنے نیک کاموں کے کوئی چیز یا کوئی ہستی کسی کو ذرہ بھر فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔غرض جب شرکاء وغیرہ کا ثبوت بہم نہ پہنچا سکے، تو پھر ایسا ہُوا کہ)

(۴۸) وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ۝ اور جن کو وہ پہلے سے (دنیا میں تقلیداً) پکارا کرتے تھے، وہ اُن سے گم ہوگئے اور ایسی بے چارگی کی حالت میں انھوں نے) گمان کیا کہ اب ان کے لیے کوئی بھی جگہ بچاؤ کی نہیں ہے (اب اللہ تعالیٰ سے پالا پڑا ہے، وہی کافی شفیع اور مددگار ہے، جس طرح چاہے، ہماری کفر و شرک اور ظلم و جور وغیرہ کی بیماریوں کو دُور کرے، خواہ آگ سے صاف کرے یا چیر پھاڑ سے درست کرے۔غرض تکالیف والے عذاب سے ہمیں ٹھیک کیا جائے گا۔انسان پر دنیا میں کئی رنگ آتے ہیں۔پریشانی میں خیر کا طالب ہوتا ہے اور پھر خیر بعد خیر کی اُمنگ رکھتا ہے، مگر جب اپنے گناہوں کے سبب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو سخت مایوس ہو جاتا ہے اور خدا تک کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر خدا موجود ہوتا، تو کیا میری اس مصیبت کو

کو میرے کہنے سے ہٹا نہ دیتا؟ لیکن جب اُسے اس تنگی اور بلا سے نجات دی جاتی ہے، تو بجائے خدائے مشکل کُشا کا شکر ادا کرنے اور حمد بجا لانے کے اس خلاصی کو اپنی ہوشیاری اور عقل مندی سے منسوب کرتا ہے اور خدا کے سامنے اپنی حاضری، جواب دہی اور سزا وجزا کا یکسر انکار کر دیتا ہے۔ پھر اس عقیدہ پر بھی قرار نہیں ہے۔ فوراً نظریہ بدل دیتا ہے کہ آخرت میں مجھے راحت ہی راحت ہے، کوئی رنج و تکلیف مجھے نہیں ہوگی۔ جو لوگ دنیا میں ایسے متلون عقائد کے مالک ہوتے ہیں، وہ عاقبت میں بھی اُلٹ پھیر کرتے ہیں، مگر بے سود، چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے:)

(۴۹) لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ۝ انسان خیر مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر شر پہنچ جائے، تو ناامید ہو جاتا اور آس توڑ بیٹھتا ہے۔

(۵۰) وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ۝ اور اگر ہم (خدا) اس (انسان) کو سختی کے بعد جو لگی تھی، اسے اپنی طرف سے رحمت (کا مزہ) چکھا دیں (تو اس رحمت کو اپنی کوشش و ہمت کا نتیجہ بتاتا ہے) البتہ کہتا ہے یہ میرے واسطے ہے اور (اسی غرور میں سب کچھ فراموش کر دیتا ہے اور فرعونیت پر اُتر آتا ہے اور بڑے غرور و تکبر سے کہتا ہے کہ) میں نہیں گمان کرتا کہ قیامت برپا ہونے والی ہے) اور اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی جاؤں (تو کوئی پروا نہیں ہے) تحقیق میرے لیے اس (خدا تعالیٰ) کے پاس بھی بہتری ہی ہوگی (اور میں اس لائق ہوں کہ وہاں مجھ سے اچھا ہی سلوک ہو، مگر یہ اس کی خام خیالی ہے، وہ خود فریبی میں مبتلا ہے۔ اسے اس کے اعمال کا پورا پورا محاسبہ دینا ہوگا)، پس البتہ ضرور خبردار کرتے رہتے ہیں ہم (خدا)، اُن لوگوں کو جو کافر ہوئے (کس چیز سے خبردار کرتے ہیں؟) ساتھ اس کے جو وہ عمل کرتے تھے (ہم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ہم سینے کے رازوں تک سے کما حقہٗ واقف ہیں

اور ہر چیز اور کام کے عین مطابق بدلہ دیتے رہتے ہیں۔ کوئی بھی مجرم ہم سے بچ کر نہیں جا سکتا اور البتہ چکھلانے ہیں ہم (خدا تعالیٰ) ان (نافرمانوں) کو سخت عذاب سے۔

(۵۱) وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى ٱلْإِنسَٰنِ أَعْرَضَ وَنَـَٔا بِجَانِبِهِۦ وَإِذَا مَسَّهُ ٱلشَّرُّ فَذُو دُعَآءٍ عَرِيضٍ ○ اور جب ہم انسان پر (اس کی بڑی بڑی غلطیوں کو بھی نظر انداز کر کے خود حکیمانہ رنگ میں محض) انعام ہی کرتے ہیں (تو اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ نکلے گا کہ وہ سخت بے باک ہو جائے گا اور ہم سے اور ہمارے فرمان سے) تو منہ موڑتا جاتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے (اگر ہم مصیبت اور خوشی دونوں کو لازم و ملزوم رکھتے ہیں جیساکہ ارشاد ہے) اور جب اس کو (اپنے کیے کے مطابق) تکلیف پہنچتی ہے۔ تو پھر لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔

(۵۲) قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُم بِهِۦ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِى شِقَاقٍۭ بَعِيدٍ ○ (فرمایا اے رسول! ان لوگوں کو) کہہ دے، کیا دیکھا تم نے (کہ) اگر (یہ قرآن مجید بدلائل اپنا خدا کی طرف سے نزول ہونا ثابت کر دے اور ہو وحی) اللہ (کامل مطلق ہی) کی طرف سے (تو) پھر (تو) تم اس (تعلیم خداوندی) کے کافر بن گئے (ایسی صورت میں) اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے، جو (حق سے عمداً گریز کر کے) پرلے درجے کی دشمنی میں پڑ گیا ہے۔

(۵۳) سَنُرِيهِمْ ءَايَٰتِنَا فِى ٱلْـَٔافَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُۥ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ○ ابھی ہم دکھائیں گے ان (اشرار) کو نشانیاں اطراف (عالم) میں اور ان کی جانوں کے اندر بھی (یہ ایسے صریح واقعات ہوں گے کہ قرآن مجید کی پیش گوئیاں مشاہدہ میں آجائیں گی) یہاں تک کہ ان کے واسطے یہ بات کھل جائے گی کہ تحقیق یہ (کتاب سچ مچ خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور بلاشبہ) حق ہے (خداوند کریم ہر چیز کی گواہی بہم پہنچاتا ہے، تو کیا قرآن مجید کے متعلق ہی ثبوت بہم نہ پہنچائے گا؟ یقیناً پوری پوری صداقت قرآن مجید کی واقعات سے ثابت ہوئی اور خوب اعلیٰ طریق پر اس کی سچائی کی مہر دلوں پر ثبت کی گئی) کیا تیرا رب (اس قرآن کو حق ثابت کرنے پر قادر اور) کافی نہیں ہے (بے شک وہ) ہر ایک شے پر (موجود ہے) گواہی دینے والا ہے (وہی سب پر محیط ہے مگر اکثر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ایسے واضح اور پختہ دلائل کو دیکھتے ہوئے بھی راہ حق پر نہیں آتے)

(۵۴) اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ
شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝ دیکھو یہ لوگ تحقیق اپنے ربوبیت کرنے والے کی ملاقات سے شک میں ہیں
(حالاں کہ شک کی ایسے برہان کے سامنے گنجائش ہی نہیں ہے۔ ان کا شک تو ایسا ہے
جیسے کوئی انسان سورج کا انکار کر دے۔ لیکن یہ انکار ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ وہ
خدا کی خدائی سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے؟) آگاہ رہو کہ تحقیق وہ (اللہ کامل مطلق) ہر
ایک شے کو گھیرے ہوئے ہے۔

سُورۃ شوریٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ سورۃ بھی حٰمٓ ہے۔ حٰمٓ سات سورتوں کے پہلے آیا ہے۔ یہ تمام سورتیں وحی کی خوبی اور توحید کے بیان پر مشتمل ہیں۔ یوں تو سارا قرآن مجید ہی توحید سے بھرپور ہے۔ مگر ان سات سورتوں میں بیانِ توحید کثرت سے آیا ہے۔ یہ حروف جن کو مقطعات کہا جاتا ہے۔ بطور بیج کے ہوتے ہیں جن کو رب العلمین خود اپنی مہربانی سے ہمیں درخت کی شکل میں دکھاتا ہے۔ انسانی طاقت سے یہ چیز باہر ہے کہ ان حروف کی حقیقی تفسیر بتائے۔ یہ خدائے ذوالجلال کی بے پایاں عنایت ہے کہ وہ حروف تک کا خلاصہ اور واضح بیان کر کے ہمارے لیے آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ دیکھو یہی صورت کہ اس میں حٰمٓ، عٓسٓقٓ کو پیش کر کے خود ہی ان کی عالی شان تفسیر بیان فرمائی جیسا کہ فرمایا:)

(۱) حٰمٓ (۲) عٓسٓقٓ (۳) کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ اسی طرح وحی کرتا ہے (اللہ تعالیٰ) تیری طرف اور ان لوگوں کی طرف (بھی کرتا رہا ہے) جو تجھ سے پہلے تھے (خدا تعالیٰ تمام رسولوں پر انھیں تین طریقوں سے یعنی وحی، یوحی، مرسل الرسول اور من وراء الحجاب کلام کرتا آیا ہے۔ اُس کے ارادوں کو کون ٹال سکتا ہے؟ وہ بے غلط، کامل مطلق اور دانائے حقیقی ہے، جیسا کہ فرمایا:) اللہ تعالیٰ کامل مطلق، اصل (عزت اور) غلبے والا ہے (اُسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے اور) اصل حکیم ہے (اُسے کسی کے مشورے کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے کاموں میں کسی اور کو ذرہ بھر اُس کے ساتھ شرکت نہیں ہے)

(۴) لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

واسطے اسی (خدا تعالیٰ) کے ہے، جو سماوات میں ہے اور جو زمین میں ہے (سب پر اُس کا بلا شرکتِ غیرے پورا پورا قبضہ اور تصرف ہے، جو چاہتا ہے، کرتا ہے، اس کے ارادوں کو قطعاً کوئی روک ٹوک نہیں ہے) اور وُہی (اللہ تعالیٰ کامل مطلق ہی) بہت ہی ارفع بہت ہی عظمت (وشان) والا ہے۔ (یہ اس کی رحمت ہی ہے، جو تمھیں اتنے بڑے جُرم یعنی شرک کرنے میں ڈھیل مل رہی ہے۔ ورنہ

تمہارے کاموں اور کلام وعقیدہ کا تو یہ نتیجہ ہونا چاہیے کہ نظام عالم درہم برہم ہو جائے اور سب چیزیں تباہی کے گھاٹ اُتاری جائیں، جیساکہ فرمایا :)

(۵) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ جائیں (ان کا نظم وتعلق ٹوٹ جائے،

جیسا سورۂ مریم میں فرمایا کہ ان ظالموں کے اس عقیدہ سے کہ خدا تعالےٰ کا بیٹا ہے، یہ لائق ہے کہ سماوات پھٹ جائیں۔ زمین شق ہو جائے، پہاڑ اُڑ جائیں۔ انسان تو کیا، اس ظلم کے سبب اگر گرفت ہو، تو تمام حیوانات تک مٹا ڈالے جائیں بغرض جب اس ظلمِ عظیم یعنی شرک کے نتیجے میں یہ تمام داپے تک لپیٹ میں آسکتے ہیں۔ تو کیا اس موقعہ پر انبیاء آڑے آسکتے ہیں؟ جب یہ کام نہیں آسکتے، تو کیا لوگوں کے مزعومہ ابدال اور غوث وقطب بے چارے کس شمار میں ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ خدائے رحیم ہی پناہ دے رہا ہے۔ دنیا تو اپنے کاموں کے سبب تباہ ہو جانے کے لائق ہے۔ کیا ایسے مہربان رحمان سے پہلو تہی کرنا زیبا ہو سکتا ہے؟ جس نے تمہارے لیے بچاؤ کی دعائیں مانگنے کو کارکنانِ قدرت بنائے۔ جیساکہ فرمایا:) اور ملائکہ (کارکنانِ قدرت) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیحیں کر رہے ہیں اور اُن کے لیے جو زمین میں ہیں بخشش مانگتے ہیں۔ یہ جو عذاب دنیا میں آیا کرتے ہیں، تو یہ لوگوں کے شرک وظلم کے سبب آتے ہیں۔ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے جلالِ الٰہی سے آسمان اوپر سے پھٹ جائے، تو بعید نہیں ہے، مگر رحمت کا تقاضا ہے کہ موقعہ دیا جاتا ہے)، خبردار تحقیق اللہ تعالےٰ (کامل مطلق) ہی بخشنے والا مہربان ہے (لیکن بخشش اور مُہلت کی بھی ایک حد ہے۔ جب لوگ شرک وبدعملی میں حد سے نکل جاتے ہیں۔ تو خدا کی گرفت حرکت میں آجاتی ہے۔ جیساکہ فرمایا :)

(۶) وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ اور یہ لوگ جنھوں نے سوائے اس (خدا) کے (دوسروں کو اپنا) دوست بنایا ہوا ہے، اللہ تعالےٰ ان کا نگران ہے (ان کی نیتوں، ارادوں اور کاموں سے اچھی طرح واقف ہے۔ اُن کا معاملہ اسی کے حوالے ہے۔ رسول اُن کے اعمال کا ذمہ دار نگران یا وکیل نہیں ہے۔ جیساکہ ارشاد ہے :) اور تو اُن پر کوئی وکیل نہیں ہے (تیری سپردگی میں

ان کا کوئی حصّہ نہیں دیا گیا ہے۔ مَیں ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز پر وکیل ہوں میرے کام و کلام میں کوئی مداخلت نہیں ہو سکتی۔ رسول کا فرض صرف یہی ہے کہ وہ ان لوگوں تک خدا کا پیغام، ڈراوا اور بشارت پہنچا دے)

(۷) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ اور اسی طرح ہم نے وحی کیا طرف تیری قرآن عربی، تاکہ تو ڈراوے بستیوں کی ماں (یعنی مکّہ) والوں کو اور جو اس کے ارد گرد رہتے ہیں (عربی میں اس لیے اُتارا کہ تُو اے رسولؐ عرب ہے اور تیرے اَتباع بھی عرب۔ تُو اُن پر شاہد ہے اور یہ دیگر لوگوں پر شاہد ہیں۔ یہ عربی زبان ہمیشہ زندہ رہے گی اور خدا کی مہربانی سے کبھی بھی مٹنے والی نہیں ہے۔ اس کے خلاف لاطینی، عبرانی، سریانی اور سنسکرت وغیرہ وغیرہ تمام زبانیں مُردہ ہوگئیں۔ یہ خوبی عربی زبان ہی کو حاصل ہے کہ اس آسمانی کتاب قرآن مجید کا متن بغیر ایک حرف کی تبدیلی کے جوں کا توں ہے اور رہے گا۔ اس کا متن ہمیشہ قائم رہے گا۔ خدا کا وعدہ ہے کہ وہ اس کو زندہ رکھے گا۔ دیکھو یہ وعدۂ الٰہی کس طرح پورا ہو رہا ہے بڑے بڑے دشمنانِ قرآن اسلام کو اس دعوٰی کی صحت و صداقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ سوائے قرآن کے کوئی کتاب اپنی اصلی حالت میں زمین پر موجود نہیں ہے۔ غرض اس نے تمام انبیاء و رسل کی کتابوں کو اپنے اندر لے کر محفوظ کر لیا، تو جب تمام رسولوں کی تعلیم قرآن میں آگئی، تو قرآن ساری دنیا کے لیے کیوں نہ ہو اور اس کے لانے والا ساری زمین والوں کے لیے رسول کیوں نہ ہو؟ یہی وجہ ہے، محمدؐ رسول اللہ خاتم النّبیین اور قرآن خاتم الکتب ہے۔ اب نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب) اور تو (لوگوں کو حضورِ الٰہی میں) جمع ہونے کے دن سے ڈرا۔ نہیں ہے شک بیچ اس کے (یوم الجمع میں خدا لوگوں کو دنیا سے لے جا کر قیامت میں جمع کرتا ہے۔ وہاں لوگوں کو اُن کے اعمال کے مطابق دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے)، ایک فریق جنت میں ہوتا ہے اور ایک فریق جہنم میں (ہر شخص مرتے کے ساتھ ہی جس لائق ہوتا ہے، وہاں بھیجا جاتا ہے۔ قیامت کبریٰ پر ہی سب کا فیصلہ ملتوی نہیں کیا جاتا۔ خدا تعالٰے سریع الحساب ہے۔ وہ ہر روز اپنے حکم سُناتا رہتا ہے۔ جب پیدا ہونا اور مرنا ایک ہی وقت میں نہیں ہے، تو حساب کیوں سب لوگوں کے مرنے پر موقوف ہو؟ غرض لوگ بہشتؐ دوزخ

میں لگاتار جارہے ہیں)

(۸) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، تو اُن کو (جو آخرت میں پہنچ چکے ہیں) البتہ کردیتا ایک (ہی) اُمت (سب کو جنتی کردیتا یا جہنمی، مگر اس کے ہاں کوئی ناانصافی نہیں ہے۔ ہر شخص کو اپنے عملوں کے مطابق جگہ ملتی ہے) ولیکن داخل کرتا ہے (خداوند کریم) جس کو چاہتا ہے (اپنے قوانین کے مطابق نہ کہ جبر و رعایت کے باعث) اپنی رحمت میں اور ظالموں کا (یہ حال ہے کہ) نہیں ہے واسطے ان کے کوئی (بجز میرے سوائے کیوں کہ میں ہی جہنم میں سے صاف کرکے نکالتا ہوں ورنہ ایک ہی حالت میں ہمیشہ پڑے کراہتے رہیں۔ غرض میں ہی اصلی سرپرست اور مددگار ہوں۔ میرے بغیر ان کا نہ کوئی اور) دوست اور مددگار (ہے)

(۹) اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ وَهُوَ يُحْیِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ کیا انھوں نے پکڑے ہیں اس (مہربان ورحیم خدا) کے سوائے (دوسرے کارساز اور) دوست (ان کا یہ عقیدہ غلط اور نقصان دہ ہے۔ سُن رکھیں کہ) پس اللہ (کامل مطلق) جو ہے، وہی دوست (اور اصلی کارساز) ہے اور وہی (اللہ) زندہ کرتا ہے مُردوں کو (اور دوسرے عالم میں لے جاتا ہے۔ اس کا یہ فعل بے فائدہ اور عبث نہیں ہے، بلکہ حکمتِ الٰہی کے عین مطابق ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ مناسب سلوک کرتا ہے اور اپنی قدرت دکھاتا ہے۔ کیوں کہ) وہ (اللہ کامل مطلق) ہر چیز پر قادر ہے۔

رکوع دوم (اس کی طاقت اور صحیح اندازے تمام موجودات میں بے غلط نظر آرہے ہیں۔ اُس کے کاموں میں لغزش کو ذرہ بھر راہ نہیں ہے۔ وہ جو کرتا ہے، بالکل صحیح اور بے غلط کرنا ہے۔ پس تمام انسانوں کو چاہیے کہ اپنے اختلافات کو اس خدا کی روشن اور عالی شان تعلیم کے سامنے لائیں۔ جو فیصلہ اس میں ہو، اس کو بسروچشم تسلیم کریں، کیوں کہ اُس کے سوا کسی اور کا ایسا حکم نہیں ہے کہ جس کو عقیدۃً ہمیشہ کے لیے دائمی اور بے غلط اصول بنایا جائے۔ جیسا فرمایا)

(۱۰) وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ اور جس چیز میں تمہارا (اے لوگو مع رسول

کے کوئی) اختلاف ہو جائے، تو اس کا فیصلہ اللہ (کامل مطلق) کی طرف ہے (اس کا حکم موجود ہوتے ہوئے دوسرے تمام حکموں کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور وہ ہرگز قابلِ قبول نہ ہوں گے پھر کون ہے کہ ایسے فیصلہ دینے والے کے حکم کے سامنے دم مارے؟ بس صحیح فیصلہ دینے والا ایک عالم الغیب والشہادۃ خدا ہی ہے، جو کبھی غلط فیصلہ نہیں دیتا پھر رسول بحکم خدا کہتے ہیں کہ یہ اللہ ہے جو ہے میری (اور تمام موجودات کی) ربوبیت کرنے والا ہے (صرف) اسی پر میرا توکل (و بھروسہ) ہے اور اسی (اکیلے خدا) کی طرف میں (رسول بھی) رجوع کرنے والا ہوں (خدا کے سامنے رسول کی تو یہ حیثیت ہے کہ خدا تعالیٰ ان کا فیصلہ توڑ سکتا ہے۔ وہ کسی حلال کو حرام کر دیں، تو خدا اُسے غلط قرار دے کر ان کی قسم تک تڑوا دیتا ہے۔ رسول اور دوسرے مومنوں کے اختلاف میں بھی دونوں فریق کو خدائی فیصلہ کا محکوم ٹھہرایا گیا ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ رسول ستر دفعہ بھی کسی کے واسطے مغفرت طلب کریں، تو خدا رد کر سکتا ہے۔ رسول کی غلطیوں پر خدا کی طرف سے تنبیہ بھی آئی ہے۔ پھر وہ احکم الحاکمین کیسے ہوئے؟ احکم الحاکمین ایک اور صرف ایک خدا ہی ہے ہم سب مخلوق ہیں۔ ایک دوسرے کی مثل ہیں۔ خدا لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہے حقیقی فیصلہ دینے والا بھی ایک ہی ہونا چاہیے اور وہ خدا ہے۔ پس ہمیں چاہیے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت کریں اور بھروسے کے قابل صرف ایک ذات واحد ہی کو مانیں اور جانیں اور بڑی بات یہ ہے کہ خالق اور اس کی مخلوق میں بیّن فرق رکھیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ جس طرح نصاریٰ نے ابنِ مریم کو الٰہ یا ابن اللہ کہا، اس طرح مسلمانوں نے بھی رسول کریم کو خدا کا درجہ دے دیا، یعنی اصل مطاع، احکم الحاکمین، حَکَم مطلق، منتہائے سوال اور قاضی علیٰ کتاب اللہ وغیرہ کے خطابات حضور کو دیے، مگر ان کے اس عقیدے کی تردید بھی انھیں کتابوں میں موجود ہے، جن کو یہ لوگ نعوذ باللہ کتاب اللہ میں داخل جانتے اور مانتے ہیں۔ ان میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ میرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے، میں خدا کے کلام کو منسوخ کرنے کا قطعاً مجاز نہیں ہوں، مگر افسوس کہ ان واضح دلائل کے باوجود اکثر "مسلمان" اپنے مشرکانہ عقائد سے توبہ نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے خلاف قرآن مجید سے بھی شرک ثابت کرنے کی بے سود کوشش کرتے ہیں۔ اور طرح طرح کی فریب کاری اور مکر و تلبیس سے کلام الٰہی کو اپنا ہم نوا بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ سُن رکھو کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ قوانینِ الٰہی ہیں تو کسی کا حکم نہیں چل سکتا اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے۔ ہاں اس کے ضمن میں بین الافرادی اختلافات کا اور انتظامی امور کو طے کرنے کے لیے فیصلہ کے لیے حاکمِ اعلیٰ اور ماتحت حکام کو مجاز ٹھہرایا ہے، کیوں کہ اگر یہ عدالتیں مقرر نہ کی جائیں، تو انتظامی حالت تباہ ہو کر بدنظمی کا دور

ہو جائے گا۔ ایک نبی کے ہوتے ہوئے طالوت کو فوجی اور سول افسر مقرر کیا گیا۔ غرض اِس مد میں علم و جسم یعنی فوجی قابلیت اور تنظیم کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ ایسا قابل انسان مدافعانہ جنگ کر سکے۔ ہمارے رسولِ کریمؐ بھی مدافعانہ قتال اور مقدمات کرتے تھے۔ اسی لیے اطیعوا الرسول کو اولوالامر کے ضمن میں رکھا ہے۔ پھر اگر اولوالامر کے فیصلے سے اختلاف ہو، تو رسولؐ یا اس کے جانشین سے اپیل کیا جا سکتا ہے، جو اپنی مجلس شوریٰ کی مدد سے اس کا فیصلہ کریں گے۔ یہ فیصلہ کثرتِ رائے سے ہوگا۔ جسے رسول بھی تسلیم کرنے والوں میں ہوگا۔ خواہ حسبِ ضرورت دوبارہ سہ بارہ حالات و واقعات مقدمہ کو دیکھے، مگر آخری فیصلہ وہی ہوگا۔ جو کثرتِ رائے سے طے پا گیا۔ غرض اس شوریٰ سے پاس شدہ فیصلہ کا حکم رسولؐ یا ان کے بعد اولوالامر ہی سنائے گا۔ اس لیے اس سے یہ چیز اطاعتِ رسولؐ بن گئی۔ کیوں کہ حکم تو حاکمِ اعلیٰ یا پریذیڈنٹ ہی سناتا ہے۔ پس اصحابِ مقدمہ کو اپنا زورِ بیان فیصلے کے بعد ختم کرکے اس حکم کو انتظام قائم رکھنے کے لیے مان لینا چاہیے، خواہ اس میں بشریت کے لحاظ یا کسی اور وجہ سے غلطی بھی ہو، مگر اسے تسلیم کر لینا ضروری ہے۔ ورنہ پھر مقدمہ کو شیطان کی آنت بنا کر کہاں لے جاؤ گے۔ ہاں اگر حقیقت کے خلاف فیصلہ ہوا ہے، تو یہ ضروری نہیں کہ اعتقاداً بھی اس پر ایمان لایا جائے۔ یہ تو جبر ہے کہ خلاف واقعہ کو بھی عقیدۃً صحیح مانا جائے۔ ایسا حکم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور کا نہیں ہے، جس کو بے غلط اور اعتقادی طور پر صحیح تسلیم کیا جائے۔ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ چیف جج اور شوریٰ کے فیصلہ پر عمل کرنا لازمی ہوگا۔ خواہ کسی فریق کو نقصان بھی پہنچے، مگر تسلیم میں چارہ نہیں ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ خدائی اور انسانی یعنی وحی اور غیر وحی میں فرق کرنے سے ہی انسان شرک جیسی بلا سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اگر یہ نہ کیا گیا، تو اللہ اور اس کی مخلوق کی تمیز اٹھ جائے گی۔

(۱۱) فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (اللہ کون ہے؟) پیدا کرنے والا ازسرِنو سرے سے) آسمانوں اور زمین کا (اور ان میں باہمدست تعلق بنایا اور پُرحکمت ترتیبیں دیں، کچھ آسمان سے اترتا ہے زمین لیتی ہے، کچھ زمین سے اوپر چڑھتا ہے اس سے نہایت حکیمانہ نتائج ظہور میں آتے رہتے ہیں اور اشیاء ارتقاء پاکر آگے بڑھتی ہیں۔ خود انسان بھی اسی اصولِ ارتقاء کا ایک زندہ ثبوت ہے، جیسا کہ ارشاد ہے، اے مسلمانو! تمہارے واسطے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے (جو ترقیٔ نسل کا بہترین ذریعہ ہے)، اور چارپاؤں میں بھی

ان کے جوڑے بنائے (اور توالد و تناسل کا سلسلہ جاری کیا) تم کو اس قاعدے سے پھیلاتا رہتا ہے (تم سب ایک دوسرے کی مثل ہو، سب مخلوق ہو، ایک ہی صانع کی صنعت ہو، مگر وہ خدا کیسا ہے؟) اس (خدا) کی مثل کوئی شے نہیں ہے اور وہی (خدا تعالیٰ ہی) ہے اصل سننے والا اصل دیکھنے والا (اس کا سننا جاننا وغیرہ ہماری طرح حواس وغیرہ سے نہیں ہے، بلکہ وہ سب چیزوں کی کُنہ کو پیدا کرنے کی بنا پر کما حقہٗ جانتا دیکھتا ہے۔ اس کی سماعت و بصارت وغیرہ الگ طرح کی ہے۔ وہ ایک ایک ذرہ کی تمام اندرونی و بیرونی حالت کا پورا عالم و شاہد ہے)

(۱۲) لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ آسمانوں اور زمین کی چابیاں اُسی (خدائے واحد ہی کے) قبضے میں ہیں (جو چاہتا اور جیسا چاہتا ہے، حکیمانہ رنگ میں کرتا رہتا ہے۔ روزی وغیرہ کی کمی و بیشی پر مخلوق میں سے کسی کو ذرہ بھر اختیار نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے سامنے تمام مخلوق فقیر ہے۔ غنی اور حمید وُہی ہے اور قادرِ مطلق کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا) جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے (یہ کام اُس کا اندھا دھند نہیں ہے بلکہ عین مناسب و موزون ہے اور کیوں نہ موزون ہو) تحقیق وہ (خدا) ہر چیز کا (پورا پورا) عالم ہے (بے جا اور غیر مناسب امور کو اس کے حکیمانہ افعال میں راہ ہی نہیں ملتی۔ غرض اُس رحیم خدا نے انسانوں کے آرام کے لیے تمام اشیاء کو بنا کر اس کے کام میں لگا دیا۔ پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ دوسرے عالم میں اُس کے لیے وہ کچھ پیدا کیا ہے جس کا ہم اس دنیا میں رہ کر صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔)

(۱۳) شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ اس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس پر قائم رہنے کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے رسولؐ) ہم نے تیری طرف وحی کی ہے اور جس کی ہم نے ابراہیمؑ اور موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو وصیت کی تھی کہ دین کو قائم رکھنا (یعنی توحید کو قائم کرو اس میں فرق نہ پڑے۔ ارشاد ہے) اور

(اس دین میں) فرقہ فرقہ نہ بننا (ایک دوسرے کو کافر کہنے سے فرقہ بندی کی بنیاد پڑتی ہے۔ جب اصول میں مشترک ہو، تو سب مسلم ہو اور اگر طریق عبادت کو اصل قرار دو گے، تو ضرور تم ایک دوسرے پر فتوے بازی کی سنگ باری کرو گے۔ حق اصل چیز ہے۔ اگر اس میں تمھارا اختلاف نہیں ہے، تو فروع کو اصل جان کر اختلاف پیدا کرنا سراسر جہالت اور سرکشی ہے۔ تفرقہ ڈالنا مشرکین کا کام ہے اور مشرک وہ ہیں، جنھوں نے اپنے دین کو فرقہ فرقہ کر دیا۔ جیسے یہود کہتے ہیں نصاریٰ کچھ نہیں۔ نصاریٰ کہتے ہیں یہود کچھ نہیں، حالاں کہ کتاب پڑھتے ہیں۔ اس میں ایسے خیالات کی تردید ہے۔ پس ان کو مشرک کہا گیا ہے۔ خدا کے ماننے میں سب انبیاء و رسل، حکماء و صلحاء شامل ہیں۔ عبادت کسی بھی طریقے سے کی جائے، اگر خالصتہً خدا کے لیے کی جائے، تو سب قبول ہے۔ خدا کو تو اپنی عبادت کرانا پسند ہے، کوئی کسی طرح کرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ توحید پر جو بھی ہے، وہ فلاح پائے گا۔ مشرکین نے قرآن مجید کی یہ روا داری اور وسیع المشربی دیکھی کہ یہ تو اصل چیز توحید ہی کو قرار دیتا ہے اور ہمارے رسم و رواج اور دوسرے قوانین کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا، تو مخالفت پر اتر آئے۔ فرمایا:) مشرکین پر یہ بات بڑی بھاری گزرتی ہے جس کی طرف تو (اے رسولؐ یا کوئی مبلغِ قرآن) ان کو بلا رہا ہے (کہ یہ عجیب کتاب ہے، جو سب کو ایک کرنے آئی ہے۔ نہ یہودیت اور نہ نصرانیت کو اہمیت دیتی ہے، نہ طرز عبادت میں فرق روا رکھتی ہے۔ ہم تو ایسی مساوات کی تعلیم دینے والی کتاب سے باز آئے۔ اس نے تو ہمارے تمام بھروسے، کفارے، شفاعتیں وغیرہ باطل قرار دے دیں اور صرف توحید ہی توحید کا سبق دیتی ہے: تو ہم یا ہمارے ہم مشرب کس طرح اسے قبول کریں؟ فرمایا: کوئی کچھ کہے، اس سے کیا ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے (اور یہ کھینچنا اللہ تعالےٰ کا جبری طور پر نہیں ہے۔ اپنے قانون کے مطابق کھینچتا ہے۔ فرمایا:) اور رجوع کرنے والے کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے (بات صاف تھی کہ سادہ دین ہے، جس کی تمام انبیاء کو وصیت کی تھی، وہی اس رسولؐ پر وحی کیا گیا ہے۔ پہلے انبیاء کے متعلق اوحینا نہ فرمایا۔ ورنہ ان کی تمام وحی مع سزائی احکام کے آجاتی، بلکہ اوحینا کے بجائے وصّی بہ فرمایا، تاکہ وقتی احکام اور سزائی باتیں الگ ہو جائیں۔ پھر تو سزائی احکام بھی دائمی قانون بن جاتے اور یہ منظور نہ تھا کہ سزا کو ہمیشگی حاصل ہو۔ یہ حکمت ہے اوحینا نہ لانے کی۔ پھر مِنَ الدِّیْنِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے کہ دین سے تمھارے لیے وہی شریعت بنائی، جس کی تاکید پہلے انبیاء کو کی تھی۔ پس قرآن مجید میں سزائی حکم ایک بھی نہیں ہے اور پہلی کتب سے اس معنیٰ سے قطعاً کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔ جہالت کا زمانہ گذر گیا۔ قرآن کا زمانہ معقول کا ہے۔ اب سزائی احکام وغیرہ کی گنجائش بھی نہیں رہی۔ مشرکین پر یہ تعلیم شاق گذری اور انھیں اس میں اپنے مزعومہ بزرگوں اور معبودوں کی توہین

نظر آتی کہ اکیلے خدا کی طرف بلایا جاتا ہے۔ بس یہیں سے تفرقہ کی بنیاد پڑتی آئی ہے اور وہ جان بوجھ کر حق کی مخالفت کے درپے ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۱۴) وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ○

اور نہیں فرقہ فرقہ بنے یہ لوگ، مگر اس کے بعد کہ علم آگیا (کیوں تفرقہ پڑا؟) آپس کی بغاوت سے (کہ میرا ہادی خدا کا بیٹا ہے، بلکہ خدا ہی ہے۔ میرا رسول خدا کا منظورِ نظر ہے، بلکہ معشوق ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض کہ مذہب کے اجارہ داروں کے بنائے ہوئے اکھاڑوں میں اللہ تعالےٰ کے بندے بٹ گئے اور اچھا خاصا دنگل بن گیا۔ یہ باطل عقاید، یہ مفسدانہ اعمال بہ ظاہر اس امر کے متقضی ہیں کہ ان پر فوراً خدا کا عذاب نازل ہو۔ مگر مشیتِ الٰہی میں چوں کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ اس لیے اس مقررہ وقت تک انھیں ڈھیل دی جارہی ہے۔ جب وہ وقت آجائے تو دنیا کی کوئی طاقت انھیں عذابِ الٰہی کی ہلاکتوں سے بچا نہیں سکے گی۔ جیسا فرمایا کہ) اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقررہ تک بات نہ ٹھیر چکی ہوتی (تو) البتہ ان میں فیصلہ کردیا جاتا (لیکن جب قانونِ خداوندی کے مطابق وہ وقت آجاتا ہے، تو پھر بلاشبہ ان لوگوں کو عذابِ جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی ایک سُنّت ہے، جو ہمیشہ جاری رہے گی۔ جیسے فرمایا!) اور تحقیق وہ لوگ جو کتابوں کے وارث کیے گئے، ان (تفرقہ ڈالنے والوں) کے بعد البتہ اس سے بہت بڑے قلق ڈالنے والے شک میں پڑ گئے۔ ان لوگوں نے احبار و رہبان کی پرستش اختیار کرلی جنھوں نے انھیں صریح گمراہی کی طرف پھیر دیا۔ مگر اے رسولؐ! تو اپنے فرائض منصبی میں غفلت نہ کریو)

(۱۵) فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۭ پس تو ان کو اسی (قرآن) کی طرف بلا (تو اور سب لوگ

قانونِ الٰہی کے محکوم ہو، تم میں سے کوئی بھی اصل مطاع اور منتہائے سوال نہیں ہے) اور جس طرح
حکم دیا جاتا ہے (اسی حکم پر) قائم رہنا اور ان (گمراہ لوگوں) کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا اور کہنا
جو بھی اللہ تعالیٰ نے کتاب سے اتارا میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے تمہارے درمیان عدل
کرنے کا حکم دیا گیا ہے (میں اپنی شخصیت منوانے نہیں آیا۔ بلکہ تمہاری طرح مخلوق اور محکوم ہوں
ہم سب کا احکم الحاکمین ایک اور صرف ایک ربّ العٰلمین ہی ہے) اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) ہی ہماری
ربوبیت کرنے والا اور تمہاری ربوبیت کرنے والا ہے کوئی اس کی فرماں برداری کرے، اس کے
حکموں پر چلے یا سرکشی کرے، اور نافرمان بنے، اپنے اپنے کیے کے مطابق بدلہ پائے گا۔ کوئی ایک
کسی دوسرے کے بوجھ کو نہ اٹھائے گا۔ ہر شخص اپنے ہی عمل کا ثمرہ پائے گا۔ یہاں تک کہ نہ بیٹا باپ
کے کام آئے گا، نہ باپ بیٹے کے۔ پس سن رکھو کہ) ہمارے لیے ہمارے (ہی) اعمال ہیں اور تمہارے
لیے تمہارے (ہی) اعمال ہیں۔ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے (ہم عقائد
کی تفریق کی وجہ سے ایک دوسرے پر زیادتی نہ کریں۔ دین کا تعلق دل سے ہے اور اچھا برا بدلہ خدا
دینے والا ہے ہاں ایک دوسرے کو احسن طریق پر وعظ و نصیحت کرنی چاہیے۔ اگر کسی کی سمجھ میں
بات آجائے۔ تو اُسے ماننے یا انکار کر دینے کا اختیار ہے۔ اگر سرکشی سے منہ پھیر لے۔ تو اس کا
معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ یاد رکھو کہ سب کو خدا کے حضور پہنچنا ہے۔ وہاں سب اچھے بُرے اعمال کا
مناسب بدلہ ملے گا۔ جیسا کہ فرمایا) اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) ہم کو اکٹھا کر رہا ہے اور اُسی کی طرف (ہم سب
کا اپنے اپنے وقت یعنی موت کے ساتھ ہی جواب دہی کے لیے) پھر جانا ہے۔

(۱۶) وَالَّذِيْنَ يُحَاۤجُّوْنَ فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ
دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝

اور جو لوگ خدا میں جھگڑا کرتے ہیں۔ بعد اس کے کہ واسطے اس (خدا تعالیٰ) کے (ہر طرح) قبولیت
کی گئی ہے (یہ کارخانۂ قدرت اور اس کی منظم ترتیب خدا کی ہستی کی گواہ ہے۔ پھر اس صورت
میں مخالفینِ حق کے انکار کی کیا وقعت رہ جاتی ہے؟ فرمایا) ان کی حجت (ان نہاد نوں کے
سامنے) گر جانے والی ہے۔ ان کی ربوبیت کرنے والے کے نزدیک اور اوپر ان کے (پروردگار
کا) غضب ہے اور واسطے اُن کے سخت عذاب ہے۔

(۱۷) اَللّٰهُ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ
السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝ اللہ تعالیٰ وہ (کامل مطلق) ذات ہے۔ جس نے یہ کتاب (قرآن مجید) حق کے

ساتھ اتاری اور میزان (بھی اتاری ہے) حق وہ ہے جو قدرتی دلائل سے ثابت ہو. کوئی شخص ضد و عناد سے حق کا انکار کر دے، تو یہ دوسری بات ہے. ورنہ حق سب کے ذہن میں موجود ہے میزان سے مراد صحیفۂ فطرت ہے. اس کا عطف کتاب پر ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم کو جانچنے کے لیے صحیفۂ فطرت ترازو ہے۔ ان زبردست شواہد کی موجودگی میں قبولِ حق سے منہ پھیرنا سخت غرور و تکبر اور ناانصافی ہے. جس کا انجام اچھا نہیں ہے۔

تو کیا نتیجہ ہزاروں، لاکھوں یا کروڑوں صدیوں کے بعد نکلے گا؟ ہرگز نہیں. بلکہ مرنے کے ساتھ ہی بدلہ ملنا شروع ہو جاتا ہے اور یہ کسی کو بھی خبر نہیں کہ کب مرے گا. ہاں موت کا انکار کسی سے بھی نہ بن آیا۔ خدا تعالیٰ کے منکر تک موجود ہیں، مگر موت کا منکر کوئی نہیں. عمریں ضرور کم و بیش ہیں، مگر کوئی نہیں جانتا کہ کس وقت کوچ ہوگا اور کس جگہ موت آئے گی۔ وہ وقت قریب ہے یا دور۔ مومن لرزتے ہیں کہ خدا جانے، کیا کچھ نتیجہ نکلے، مگر کفار اسے جلدی طلب کرتے ہیں۔ مگر خدا کے سوا کون جانتا ہے کہ کب کسے بلاوا آتا ہے؟ فرمایا، اے نبیؐ! اور تجھے کیا خبر، شاید وہ گھڑی قریب ہو (پھر ان منکرینِ حق کا کیا انجام ہوگا؟)

(۱۸) يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۗ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔ وہ وقت تو ظالموں کے حق میں بڑا ہی تکلیف دہ اور رسوا کرنے والا ہے. پھر یہ لوگ کیوں سرکشی کر کے اس وقت کے لیے بے تاب ہیں۔ وہ موقعہ تو ضرور آئے گا، مگر ان کے کہنے سے کیسے لایا جائے؟ جب جس کو بلایا جاتا ہے، اس کی حاضری ہو جاتی ہے۔ اپنے اپنے وقت پر سبھی کو وہاں پہنچنا ہے اور اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہے۔ یہ ظالم لوگ کیوں اس قدر بے خوف، بے باک اور گستاخ ہو رہے ہیں۔ کیوں اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتے؟ ان کے خلاف مومنوں کا یہ حال ہے کہ وہ قیامت کی گھڑی سے ہر وقت ڈرتے لرزتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا اور وہ لوگ جو ایمان دار ہیں، اس (حاضری) سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ (وقت ضرور آنا ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں وہ گھڑی) حق ہے. خبردار (سن رکھو کہ) تحقیق وہ لوگ جو قیامت (یعنی حاضری) میں جھگڑتے ہیں، البتہ پرلے درجے کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں (وہ خدا برحق جو انسان کو کتمِ عدم سے عالمِ وجود میں لایا ہے اور جس سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

کیا وہ انسانوں کے کاموں کے مطابق آخرت میں بدلا نہ دے گا اور نیک و بد کو یکساں کر دے گا یا دونوں کو معدوم کر دے گا ؟ ہرگز نہیں۔ کیوں کہ اس نے کوئی شے بھی عبث نہیں بنائی۔ ہر چیز نتیجہ خیز اور ثمر آور ہے۔ کیا اتنے منازل طے کرا کے انسانی درجہ تک لاکر پھر وہ خدا اس انسان کو معدوم کر دیتا ہے ؟ ہرگز نہیں، بلکہ آئندہ بھی ارتقاء دیتا رہتا ہے۔ پس انسان کو ایسے مہربان اور علیم و حکیم خدا کا شکر گذار بننا اور اس کی نافرمانی سے بچنا چاہیے، فرمایا :)

(۱۹) اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۝

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس کو (جتنی) چاہتا ہے، روزی دیتا ہے اور وُہی (خدا) ہے اصل غالب (بڑی طاقتوں والا اور) اصل عزیز (بڑی عزتوں والا دنیا اور آخرت کی عزت و رزق سب اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ عقل مند وُہی ہے، جو چند روزہ زندگی کے سرو سامان سے بڑھ کر آخرت کی دائمی زندگی کی فکر کرے۔ جو لوگ دنیا ہی کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں، اُنھیں آخرت میں ذلت و رُسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا :)

(۲۰) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ۝

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے، ہم (اللہ) اُس شخص کو اُس کی کھیتی میں ترقی دیتے ہیں (کیوں کہ وہ خدا کی مرضی کو مقدم رکھتا ہے اور اس کے مقابلہ میں سب خواہشوں کو ہیچ کر دیتا ہے، اس لیے اس کی عاقبت کی کھیتی پھولتی پھلتی اور بڑھتی رہتی ہے۔ اور جب وہاں جاتا ہے تو اپنے اعمال کے مقابلہ میں کہیں زیادہ انعام پاتا رہتا ہے اور ممکن ہے کہ ایسے شخص کو دنیا بھی ملے، مگر آخرت تو ضرور ہی بہت اچھی پاتا ہے) اور جو شخص (صرف) دنیا ہی کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے اور آخرت کا منکر ہے، (تو) ہم (خدا) اسے اس میں (یعنی دنیا میں) سے (کچھ) اُسے دے دیتے ہیں (نہ سارا، نہ بالکل تھوڑا، بلکہ کچھ اُسے دیا جاتا ہے۔ اور چوں کہ وہ خدا کے سامنے حاضر ہونے کا قائل نہیں، اس لیے آخرت میں اس کے لیے سزا کے سوا کوئی انعام نہیں۔ اسی لیے فرمایا) اور اس (نافرمان) کے لیے آخرت میں (خیر سے) کچھ حصہ نہیں ہے۔

(۲۱) اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ کیا ان (نافرمانوں) کے واسطے ایسے شریک ہیں، جنھوں نے ان (ظالموں) کے واسطے

دین سے شریعت بنائی ہے جس کا اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) نے حکم نہیں دیا ہے (یہ لوگ اپنے مزعومہ شرکاء سے پوچھ کر بتائیں کہ کیا وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ یہ کام ہم اپنی مرضی سے تم لوگوں سے کراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم سے نہیں۔ اگر وہ ایسا کہیں، تو بتاؤ پھر شرک کی اور کون سی تعریف ہے؟ یہی تو شرک ہے۔ جو ظلم عظیم ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت کسی اور کی اطاعت اگر حکم الہٰی کے موافق ہو، تو مانی جا سکتی ہے، لیکن پھر بھی یہ اطاعت خدا تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوگی، مگر اس کا کیا علاج کہ اپنے کو موحد کہنے والے بھی اس شرک کی بلائیں پھنسے ہوئے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ احبار و رہبان کے بجائے نبیؐ کی پرستش کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ بھی ویسا ہی شرک ہے۔)
اور اگر نہ ہوتی ایک بات فیصلے کی (کہ عاقبت میں پوری سزا مجرمین کو ملے گی، تو) البتہ (دنیا ہی میں) ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، مگر خدا کو یہ منظور ہے کہ انھیں مہلت عطا کی جائے) اور تحقیق جو ظالم ہیں، اُن کے واسطے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے (ظالم وہ ہیں، جو خدائی اوصاف سے بندوں کو متصف جانتے ہیں اور اپنے سیاہ و سفید کا مالک اپنے جیسے عاجزوں کو گردانتے ہیں۔ یہی ظلم عظیم ہے۔

(۲۲) تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ تو ظالموں کو دیکھتا ہے کہ اپنے اعمال (کی پاداش کے خوف) کی وجہ سے کانپ رہے ہیں اور وہ (عذاب) اُن پر واقع ہے (یعنی، بہ ظاہر تو وہ حق کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن دل ہی میں اپنے کیے پر نادم ہوتے اور اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہیں، لیکن مجبوراً اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں۔ یہ چیز اندر ہی اندر اُن کے دلوں کو گھُن کی طرح کھاتی رہتی ہے، اُن میں بزدلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے انجام سے خائف رہتے ہیں۔ بلاشبہ ایسے لوگ جہنم کے عذاب دردناک کے مستحق ہیں) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور (مشکلات کے باوجود حکم خداوندی پر قائم رہے اور جنھوں نے (صلاحیت والے کام کیے، وہ جنتوں کی پھلواڑیوں میں ہیں (اس حال میں کہ) جو کچھ وہ چاہتے ہیں، ان کے واسطے ان کی ربوبیت کرنے والے کی طرف سے مہیا ہے۔ یہی بہت بڑا فضل (خداوندی) ہے۔ (یہ جنات میں پہنچے ہوئے لوگوں کا ذکر تھا، اب ان مومنین کے متعلق فرمایا، جو ابھی دنیا میں موجود ہیں۔)

(۲۳) ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی وَمَنْ یَّقْتَرِفْ
حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ○ یہی وہ (فضلِ الٰہی)
ہے جس کی اللہ (کاملِ مطلق) اپنے (اُن) بندوں کو خوش خبری دیتا ہے۔ جو ایمان لائے اور (جنھوں نے اس ایمان کے نتیجے میں) صلاحیت والے اعمال کیے۔

دین کی تبلیغ و ہدایت خود نوعِ انسان کے فائدے کے لیے ہے۔ اس سے نہ تو خدا ہی کو اپنا کچھ سنوارنا مقصود ہے اور نہ پیغمبرؐ ہی کو اپنی کوئی غرض پوری کرنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اے پیغمبرؐ!) کہہ دے کہ میں اس (تبلیغِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا (میری مزدوری صرف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف جُھک جاؤ) اور قرابت میں محبت کیا کرو (قربیٰ مصدر ہے، نہ کہ یہ معنیٰ کہ میں اُجرت تو نہیں لیتا، مگر میرے رشتہ داروں کی ہر طرح خاطر مدارات کیا کرو۔ بعض لوگوں نے یہ بے ہُودہ معنیٰ بھی کیے ہیں، جو قطعاً غلط ہیں۔ غرض فرمایا، میری خواہش صرف یہ ہے کہ ایک فائدہ بخش تعلیم پر صدقِ دل سے عمل کر کے اپنی حالت سنوارو اور انسانی برادری میں مودّت اور آپس کے معاملات میں دیانت کو کسی حال میں بھی ہاتھ سے نہ جانے دو۔ یہ باتیں صرف زبانی جمع خرچ نہ ہوں۔ بلکہ ان پر مناسب عمل اور نیکی کر کے دکھاؤ) اور جو شخص (اس حکم پر چل کر خدا کا فرماں بردار اور حقوق العباد کو سامنے رکھتے ہوئے) کوئی نیکی (خدا کی عبادت اور قرابت والوں سے سلوک و محبت) کرے، تو ہم (خدائے کریم) اُس کے لیے اس (نیکی) میں اور بھی ترقی کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا قدردان ہے (اپنے فرماں بردار کو وہ کچھ دیتا ہے، جو اس کے گمان میں بھی نہیں، لیکن اس بے غرض، مدلل اور سیدھی سادی تعلیم کے باوجود ظالموں کی روش یہ ہے کہ وہ تکذیبِ حق پر آمادہ ہو جاتے ہیں)

(۲۴) اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ
عَلٰی قَلْبِكَ وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (رسولؐ) نے اللہ پر جھوٹ باندھا

ہے (وہ غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ بھلا اس میں افترا کی کون سی بات ہے اور پھر افترا سے مفتری کو کیا فائدہ؟ یہ تعلیم تو ہر دانا کے ماننے کے لائق اور خوبیوں سے لبریز ہوئی ہے اور ہر دعویٰ کے ساتھ زبردست دلائل اور معقول ثبوت موجود ہیں۔ یاد رکھو، اگر محمدؐ رسول اللہ صلعم خدا پر افترا کرتے تو تباہ کرکے عذاب الیم میں گرفتار کیے جاتے۔ ایسی بے غلط اور اکمل کتاب کا لانے والا آخری نبی یقیناً یقیناً صادق رسول اور سچا نبیؐ ہے۔ اور اپنے خداؐ سے جو کچھ اُسے وحی ہوتا ہے، بے کم و کاست لوگوں کو پہنچا دیتا ہے۔ پھر رسولؐ کو مخاطب فرمایا کہ تو ہمارے فضل و عنایت کی حمد و ستائش کر کہ تجھے ہم نے فضل کبیر عطا کیا ہے) پس اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، تو تیرے دل پر مُہر کر دیتا (مگر اُس نے اپنے کرم سے ایسا نہیں کیا، بلکہ تجھے بہت کچھ نوازا ہے، تجھے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کی) اور (اس طرح) اللہؔ (کاملِ مطلق) باطل کو مٹا رہا ہے (اور شرک وغیرہ کو دفع کرتا ہے) اور (بدلائل) حق کو اپنی باتوں سے حق ثابت کرتا ہے (تمھارا کوئی کام پوشیدہ کرو یا ظاہر اس سے چھپ نہیں سکتا ہے، کیوں کہ) تحقیق وہ (خداؐ) سینے کی باتوں کا جاننے والا (اور دلوں کی حالت تک کا پورا پورا رازدان) ہے

(۲۵) وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ اور وہی (اللہ تعالیٰ کامل مطلق) ہے، جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے (مگر شرط یہ ہے کہ یہ توبہ ریاکاری اور فریب پر مبنی نہ ہو۔ توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے پچھلے گناہوں پر اظہارِ ندامت کرے اور آئندہ کے لیے تقویٰ کی زندگی بسر کرے) اور (وہ سچی توبہ قبول کرنے والا خداؐ) معاف (اور درگذر) کرتا ہے ان (تائبین) کی بدیوں سے اور (خدا) جانتا ہے، جو کچھ تم (اے لوگو! اچھے یا بُرے) کام کرتے ہو (معافی کے حق دار کون ہیں؟ فرمایا:)

(۲۶) وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَالْكٰفِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ اور قبول کرتا ہے (دعائیں) اُن لوگوں کی، جو ایمان والے ہیں اور صلاحیت والے کام کرتے ہیں (یعنی ایمان کا عملی ثبوت بھی دیتے ہیں) اور (خداؐ) اپنے فضل سے اُن (مومنین و صالحین) کو اور بڑھاتا ہے اور جو کافر ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

(۲۷) وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ

يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ۝ اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق فراخ کردے، تو البتہ یہ (لوگ) زمین میں حد سے نکل جاتے (یعنی فساد برپا کرتے ہیں پس اس شر و فساد پر قابو پانے کے لیے حکمت الٰہی نے رزق کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔) لیکن وہ اُتارتا ہے اندازے سے جو چاہتا ہے۔ (اگر اس پر بھی یہ لوگ بغاوت اور ظلم و تعدی کی راہ اختیار کریں، تو گرفت کا ہاتھ دور نہیں ہوتا، کیوں کہ) تحقیق وہ (خدا) اپنے بندوں (کے حالات) سے خبردار (اور) دیکھنے والا (پورا پورا واقف) ہے (اس لیے کسی کی کوئی بات ظاہر ہو یا پوشیدہ اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ لوگوں کو اس لیے بھی عذاب میں پھنسا دیتا ہے کہ اور زیادہ بغاوت میں نہ بڑھیں اور اور سخت تر عذاب کے مستحق نہ بنیں۔ درحقیقت یہ بھی خدا کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی ہے۔)

(۲۸) وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۝ اور وُہی تو ہے، جو لوگوں کے نا اُمید ہو جانے کے بعد بارش کو اُتارتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے (بے آب و گیاہ زمین میں از سرِ نو زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ کھیت لہلہا اُٹھتے ہیں۔ انسان، جانور اور پرندے سب کے سب اس کی رحمتوں سے شاداب ہو جاتے ہیں۔ پھر بتاؤ یہ کس کی عنایت ہے؟ رب العلمین کے سوا کون ہے، جو اپنی نعمتیں نازل کرسکے۔ پھر جب اللہ کے سوا کسی کی بھی یہ مجال نہیں کہ وہ ایسے معجزے دکھا سکے، تو کیا یہ ہمارا فرض نہیں ہے کہ اس کی حمد و ستائش کا حق ادا کریں) اور وہی (رب العلمین) ہے اصل ولی (دوست مربی اور) اصل تعریفوں کے لائق۔

(۲۹) وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ۝ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش اُس (خدا تعالے) کی نشانیوں میں سے ہے، اور جو چلنے پھرنے والے ان میں ہیں (دو پاؤں، چار پاؤں اور زیادہ پاؤں یا پیٹ کے بل چلنے والے ہیں، سب کو یعنی ہر دابہ کو پانی سے پیدا کیا ہے، اُن میں بتدریج ارتقاء ہوتا رہتا ہے اور ادنےٰ کو اعلےٰ سے ملا دینا اس کے آگے کون سی بڑی بات ہے؟ جیسا کہ فرمایا) اور وہ (خدا) ان (دابہ) کو (ارتقاء دے کر) اکٹھا کرنے پر جب (بھی) چاہے، قدرت رکھتا ہے (مریخ، مشتری اور دوسرے

ٹکڑوں میں پسنے والے اگر کسی وقت آپس میں مل جائیں، تو اُس خالقِ حقیقی کے آگے کیا مُشکل ہے؟ اہلِ جہنم کو صاف اور درست کر کے اہل جنت سے ملا دینا، یہ اُس کاملِ مطلق پر آسان تر ہے۔ مریض کو صحت عطا کرنا عین حکمت و رحمت ہے۔ ایسا کرنا رحیم خدا کی قدرت سے بعید نہیں۔ ورنہ بتایا جائے کہ وہ مجرم عذاب و تکالیف سے درست و تندرست کیے کے بعد کس جگہ رکھے جائیں گے؟ اگر ایسا نہیں ہے، تو مجرمین کے لیے ابقٰہ، ہاویہ اور جہنم وغیرہ الفاظ کیا معنی اور خوبی اپنے اندر رکھتے ہیں؟ کیوں کہ خدا کو اپنے بندوں کے خلاف کینہ اور تعصب تو ہے نہیں، وہ اگر انھیں تکلیف اور دُکھ میں ڈالتا ہے، تو صرف علاج کے لیے۔ پس جب علاج کا مقصد پورا ہو جائے، تو اس کے بعد سزا کا سلسلہ جاری نہیں رہنا چاہیے۔

(۳۰) وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍؕ اور جو مصیبت تمھیں پہنچتی ہے پس بسبب اس کے ہے کہ تمھارے ہاتھوں نے کمایا (ان کی بے احتیاطیوں، بدتدبیروں اور غلط کاریوں سے مصیبت آجاتی ہے، مگر عنایاتِ الٰہی دیکھو) اور وہ بہت سے (گناہ) معاف کر دیتا ہے۔

(۳۱) وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۖۚ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ‏ اور تم زمین میں (خدا کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہیں ہے تمھارے واسطے اللہ (کاملِ مطلق) کے سوائے کوئی سرپرست اور نہ مددگار (اس کے اختیار و تصرف اور لطف و احسان کی دلیل یہ ہے کہ)

(۳۲) وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الۡجَوَارِ فِى الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِؕ‏ اور اس (خدا) کی نشانیوں میں سے (ایک نشانی) کشتیاں ہیں سمندر میں پہاڑوں کی مانند (اور ہوا پر متصرف حقیقی سوائے خدا تعالیٰ کے کون ہے، تو پھر)

(۳۳) اِنۡ يَّشَاۡ يُسۡكِنِ الرِّيۡحَ فَيَظۡلَلۡنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّـكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍۙ‏ اگر (وہی متصرفِ حقیقی خداوند کریم)

چاہے، تو ہوا کو تھام رکھے۔ پس وہ اس (سمندر) کی پیٹھ پر کھڑی رہ جائیں (کشتیاں، جہاز وغیرہ سب رکھے ہوئے رہ جائیں گے۔ کیوں کہ جب اسباب ہی کام نہ دیں، تو یہ چیزیں حرکت میں کیوں کر آئیں؟ اگر خدا کی توفیق شامل حال نہ ہو، تو تمھاری تمام صنعتیں پڑی رہ جائیں۔ یہ اسی کا فضل وکرم ہے کہ تمھاری نگرانی ہو رہی ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ تکلیف پر صبر اور نجات پر شکر کرے۔ جیسا کہ فرمایا) تحقیق بیچ اس کے البتہ نشانیاں ہیں ہر صابر شکرگزار (یعنی قدر دان) کے واسطے (پروردگار تمھارے ہی کاموں سے ہمیں دلائل دے رہا ہے۔ تم ضرور ترقیاں کرو۔ بڑھو، پھلو پھولو، مگر متصرف حقیقی سے بے نیاز نہ ہو جانا اور اس کی مہربانیوں سے متکبر و سرکش نہ ہو جانا۔ وہ اگرچہ اکثر درگذر سے کام لیتا ہے، مگر پیمانہ لبریز ہونے پر اس کی گرفت کون ہٹا سکتا ہے۔ فرمایا اور)

(۳۴) اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۙ یا (اگر اللہ تعالیٰ) ان کو (کشتیوں وغیرہ کو) ان کے کاموں (تمام صناعی اور کاریگری) سمیت ہلاک کر دے اور اکثر معاف کر دے (تو یہ سب کچھ اس کے قبضۂ اختیار میں ہے)

(۳۵) وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝ تاکہ وہ لوگ جو ہماری نشانیوں میں جھگڑا کرتے ہیں، جان لیں (کہ اصل حکومت ہمارے ہی پاس ہے اور) ان کے واسطے (خدا تعالیٰ سے) بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے (یہ مت سمجھو کہ تمھیں اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ ایک نہایت مختصر زندگی اور ایک نہایت قلیل متاع ہے جو تمھارے سپرد کی گئی ہے۔)

(۳۶) فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ پس جو چیز تمھیں دی گئی ہے۔ پس دنیا کی زندگی کا فائدہ (اٹھانے کے لیے دی گئی) ہے (اس کے اندر اصل شئے یہ ہے کہ خدا سے تعلق نہ ٹوٹے اور غفلت میں زندگی نہ گذر جائے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک عارضی چیز کی محبت میں دائمی شئے ہاتھ سے نکل جائے) اور جو اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) کے پاس ہے، وہ ایمان داروں کے واسطے بہتر اور قائم رہنے والی ہے اور (ایمان دار کون ہیں؟) وہ (جو) اپنی ربوبیت کرنے والے پر توکل کرتے ہیں (یہ چیز ہے ہمیشہ رہنے والی

اس کے سوا تمام چیزیں ناپائدار ہیں۔ کفار وغیرہ پر عذاب عقبیٰ بھی ہمیشہ نہیں رہتا اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والی چیز ہی ہے۔ البتہ خیر ہمیشہ رہنے والی (ابقٰی) ہے۔

(اب مومنین کے دوسرے صفات کا ذکر ہے:)

(۳۷) وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۞ اور وہ لوگ جو بڑے (بڑے) گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائیوں سے (بھی الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اگر چھوٹی چھوٹی لغزشیں مجبوراً ہو جائیں، نہ کہ ضد و شرارت اور تکبر سے، تو یہ اللہ کے ہاں قابلِ درگذر ہیں۔ ہاں دانستہ ان پر دلیر نہ ہو جائیں کہ یہ مومنین کا خاصہ نہیں ہے۔) اور جب کہ وہ (مومنین کسی کے دُکھ پہنچانے پر) غضب ناک ہوتے ہیں (تو انتقام وغیرہ نہیں لیتے، بلکہ بُردباری سے کام لے کر) معاف کر دیتے ہیں۔

(زنا اور غضب کا تعلق صاف ظاہر ہے۔ شہوت سے اپنے نفس کی لذت اندوزی ہے اور غضب سے دوسروں کو دُکھ دیا جاتا ہے، مگر مومنین کا ایثار یہ ہے کہ وہ دونوں کاموں سے باز رہتے ہیں۔ ان دونوں موقعوں پر عقل جیسی نعمت دُور ہو جاتی ہے اور ان چیزوں سے الگ رہنا عقل مندی اور خوشنودی خدا ہے۔ ایسے لوگ اور بھی خوبیاں حاصل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ آدھی بھوک رکھ کر دوسرے کی بھوک کا تدارک کرتے ہیں۔ یہی خوبیاں نجات کا ذریعہ ہیں جو مختلف طریقوں سے قرآن مجید بیان فرماتا ہے:)

(۳۸) وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞ اور وہ لوگ (مومن ہیں جو) اپنے ربّ کے واسطے قبول کرتے ہیں (یعنی اس کے احکام کی فرماں برداری کرتے ہیں) اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور کام ان (مومنین) کا آپس میں مشورہ کرنا ہے (تمام مہمات وغیرہ کام باہمی صلاح و مشورے سے طے کرتے ہیں) اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہُوا ہے، اس میں سے (حسبِ ضرورت و استطاعت) خرچ کرتے ہیں (گو یہ سب کچھ خدا کا ہی دیا ہُوا ہے، مگر اس کے باوجود خدا انھیں انفاقِ مال پر اجرِ عظیم عطا کرتا ہے۔

اِن آیات سے ثابت ہُوا کہ نماز، شوریٰ اور انفاقِ مال دینی کام ہیں۔ شوریٰ کے متعلق یہ جان لینا چاہیے کہ اس کے ذریعے جو فیصلے طے پا جائیں گے، ان کی حیثیت بھی دینی ہوگی۔ ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے، لیکن ان کا درجہ کسی طرح بھی وحی کے برابر نہیں ہو سکتا، کیوں کہ منا

موقعوں پر شوریٰ سے طے کیے ہوئے فیصلے دوسری دفعہ حسب ضرورت تبدیل بھی کیے جا سکتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شوریٰ کا ہر ممبر خوفِ خدا کو مدِّنظر رکھتے ہوئے بات معقول اور نیک نیتی سے کہے اور برائی سے اجتناب کرے۔ اکثر خود رسول علیہ السلام کو مومنین سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ بس جس شوریٰ میں صدقہ کا امر ہو، وہ خیر ہی خیر ہے۔ رسوماتِ بد کو ہٹا کر نیک کاموں کو رواج دینا بہترین چیز ہے۔ میاں بیوی میں صلح کرانا، صدقہ دینا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ امور شوریٰ کے اہم اجزا ہیں، جو ایسے کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے، اللہ تعالیٰ اسے قریب ہی بہت بڑا اجر دیتا ہے۔)

(۳۹) وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ اور وہ لوگ (یعنی مومن) کہ جب پہنچتی ہے ان کو (کسی ظالم کی طرف سے) بغاوت (ظلم و تعدّی) وہ بدلہ لیتے ہیں۔

(۴۰) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ اور بدلہ برائی کا برائی ہے مثل (اس) برائی کے (مثل اس کے نہ کہ عین اس کے، یعنی اگر کسی کی جورو کو کسی نے بے عزت کیا ہے، تو کیا وہ اس کی جورو کو بے عزت کرے۔ ہرگز نہیں۔ البتہ مناسب طور سے اس کا بدلہ لیا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی ایسی خوبی نہیں ہے، خوبی یہ ہے جو آگے بیان کی ہے، یعنی) پس جو معاف کرے اور (معاملے کی) اصلاح کرے، تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ (کاملِ مطلق) پر ہے (اور ظالم تو رحمت سے دور ہی رکھا جاتا ہے) تحقیق وہ (اللہ تعالیٰ جو عفو کرنے والوں کو اچھا اجر دیتا ہے، وہی خدا تعالیٰ) ظالموں کو دوست نہیں رکھتا (اور ان کے جور و تعدّی وغیرہ سے سخت بیزاری کا اظہار فرماتا ہے)

(۴۱) وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ○

اور البتہ جس پر ظلم ہو، اگر وہ اس کے بعد بدلہ لے، تو ایسے لوگوں پر (الزام کی) کوئی راہ نہیں ہے (یہاں ظلمہ اسی طرح آیا ہے، جیسے لونڈیوں کے بارے میں بعد اکراھھن لایا گیا ہے حالاں کہ وہ اکراہ ان کے مالکوں کی طرف سے ہوتا ہے، اسی طرح اس جگہ بعد ظلمہ آیا کہ جو اپنے ظلم کے بعد بدلہ لے۔ ہاں وہ ظالم اور مجرم جو فساد و بغاوت پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں، نہایت سخت سزاؤں کے مستحق ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:)

(۴۲) اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ سوائے اس کے نہیں کہ (گرفت عذاب کی) راہ ہے کہ (جو) لوگوں پر ظلم کرتے (اور بے گناہ انسانوں پہ ناحق الزام تراشتے اور ہر طرح ان کو ستانے اور ایذا دینے کی کوشش میں لگے رہتے) ہیں اور ناحق زمین میں بغاوت پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے (جو لوگ صبرو استقلال کے ساتھ مصیبتیں برداشت کرتے ہیں اور عفو و درگذر سے کام لیتے ہیں، تو یقیناً صبرو درگذر کی مہم ایک کٹھن مہم ہے)۔

(۴۳) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝
اور البتہ جس نے (ظلم و تعدی وغیرہ کا انتقام لینے کے بجائے) صبر کیا اور (نہ صرف صبر ہی کیا بلکہ) معاف (بھی) کر دیا (تو) یہ جو ہے ہمت والے کاموں سے ہے۔

رکوع پنجم (۴۴) وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ وَّلِیٍّ مِّنْۢ بَعْدِہٖ ؕ وَتَرَی الظّٰلِمِیْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ یَقُوْلُوْنَ ھَلْ اِلٰی مَرَدٍّ مِّنْ سَبِیْلٍ ۝ اور جس (قانون شکن) شخص کو اللہ (کامل مطلق اپنے قانون کے مطابق) گمراہ کر دے (اور مجرم قرار دے دے) پس اس کے بعد اُس کے لیے (خدا کے سوا) کوئی (بھی) ولی نہیں ہے (یہ چوتھے درجے کا مریض اب جہنم میں تکالیف و عذاب کے ساتھ درست کیا جاتا ہے) اور تو (اے مخاطب!، وحشت قلبی سے ظالموں کو دیکھتا ہے (کہ) جب انھوں نے (آخرت کا) عذاب دیکھا، تو بولے، کیا ہے کوئی راستہ (دنیا کی طرف واپس)، پھر جانے کا (دنیا موجود ہوتی ہے کہ اس کی طرف واپسی کی خواہش کرتے ہیں۔ نہ کہ تمام انسانوں کا حساب ایک ہی وقت میں ہوتا ہے، ہرگز نہیں۔ خدا نیک و بد اعمال کا بدلہ مرنے کے ساتھ ہی ہر ایک کو دیتا ہے، نہ کہ لاتعداد سالوں یا صدیوں تک بے کار محض رکھنے کے بعد۔ بس حساب بہت جلد لیا جاتا ہے۔ جو کچھ جس نے بویا ہوتا ہے، وہ کاٹ لیتا ہے۔)

(۴۵) وَتَرٰىھُمْ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا خٰشِعِیْنَ مِنَ الذُّلِّ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ

الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ
فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ○ اور تو (اے مخاطب! رویت قلبی سے) دیکھتا ہے ان (مذکورہ
ظالموں) کو (کہ) حاضر کیے جاتے ہیں اوپر اس (عذاب نار) کے (اس حال میں کہ ڈرتے
اور کانپتے) ذلت (اور رسوائی) سے دیکھتے ہوئے کنکھیوں سے (چھپی اور نیچی نظر سے۔
عَلَيْهَا میں ضمیر مؤنث۔ نار یعنی عذاب جہنم کے لیے آئی ہے۔ بے جان چیزوں پر مؤنث
مذکر دونوں ضمیریں لائی جاتی ہیں۔ غرض مومن باللہ ان لوگوں پر افسوس کرتے ہیں کہ ان
ظالموں نے مع اپنے متبعین کے ملیے عذاب کو دعوت دی۔ ارشاد ہے:) اور ایمان دار لوگوں
نے کہا کہ قیامت کے دن اصل خسارہ پانے والے یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جانوں
اور اپنے اہل (و عیال اور اپنے معتقدین) کو خسارے میں ڈالا (مومنین کے اس قول کی
خداوند کریم تائید فرماتے ہیں کہ) خبردار (سن رکھو) تحقیق جو ظالم ہیں، سیدھا کرنے والے
عذاب میں ہیں (یہ طرح طرح کے عذاب مریض کی شفایابی کی خاطر دیے جاتے ہیں۔ جب تک
کامل صحت نہ ہو جہنم سے اخراج ناممکن ہے۔ پس اس حکیم مطلق کا دوزخ میں مجرمین کو
ڈالنا مبنی برحکمت اور سراسر رحمت ہے۔ جب درست ہو جاتے ہیں، پھر ایک منٹ کے
لیے بھی شفاخانے میں رکھنا حکمت و دانائی کے خلاف ہے۔ اُن کا داخلہ تو اُن کے فائدہ
کے لیے ہوتا ہے، تو پھر ان کو قبل از وقت کیسے چھوڑا جائے۔ ارشاد ہے:)

(۴۶) وَمَا كَانَ لَهُم مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنصُرُونَهُم مِّن دُونِ
اللَّهِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن سَبِيلٍ ؕ اور خدا کے سوا اُن
کیلئے کوئی دوست نہیں ہیں، جو (کسی طرح بھی) ان کو مدد دیں (خدا تعالیٰ ہی اصل
مددگار ہے، جو جانتا ہے کہ کب یہ لوگ اس عذاب سے نجات پانے کے لائق ہوتے
رہتے ہیں۔ قبل از وقت رہائی نہ تو منت سماجت سے اور نہ مقابلہ سے ہو سکتی ہے۔
اپنی قید و بند کے ایام پورے کرکے ہی خلاصی ہوتی ہے۔ یہ درد و کرب بیمار کی بدپرہیزی
یعنی ضد و شرارت اور انکار حق کا بدلہ ہے۔ بس یاد رکھو) اور جس کو خدا تعالیٰ (کا قانون)
گمراہ (قرار دے اور لائق سزا) کر دے، پس اس (واجب سزا) کے واسطے کوئی راستہ
نہیں ہے (خدا سے مُنہ موڑنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے اور ایسے وقت پر کوئی کام نہیں آتا۔
ایک جگہ فرمایا کہ کوئی اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان نہیں دے سکتا۔ ہاں جس کے

سینے میں تڑپ والا دل ہو اور ایسے مریض کی خواہش بھی ہو تو پھر پیغامِ الٰہی اس کو فائدہ دے گا اور خدا تعالیٰ ایسے مریض کی دنیا ہی میں اصلاح کر دے گا۔ پس اے لوگو! دنیا کی زندگی ایک سنہرا موقع ہے۔ اس سے قبولِ حق کا پورا پورا فائدہ حاصل کرو، ورنہ پھر یہ موقع کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ فرمایا:)

(۴۷) اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَا لَکُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ۝ قبولیت کرو اپنے رب کے واسطے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس کے واسطے خدا نے ہٹنا (اور ٹلنا) نہیں رکھا ہے (نظارۂ عذاب کے بعد رجوع بے کار محض ہے۔ تم ضرور اپنے مالک سے رشتہ جوڑو۔ وہاں کوئی بھی اس کے سوائے کام نہ آئے گا۔ فرمایا:) تمہارے لیے اس دن کوئی بھی جائے پناہ نہیں ہوتی۔ (اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارا انکار کر دینا بھی بے کار ہے) اور منکر ہونا بھی تمہارے لیے ممکن نہیں۔ (تمام شواہد موجود ہوتے ہیں، ایسے وقت میں مکر جانا بالکل لاحاصل ہے۔ پس یہ لوگ اگر اپنی بہتری کے خواہاں ہیں، تو حق کو قبول کر کے فلاح پانے والوں میں سے ہوں)

(۴۸) فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ ۝ پس اگر (یہ اشرار و مفسدین) منہ پھیر لیں (اور بغض و عناد سے حق کے ساتھ نفرت کا اظہار کریں، تو کیا پروا ہے۔ جب ہمارے پاس آئیں گے۔ تو ہم خود ہی ان کو درست کر لیں گے۔ اے رسول کریمؐ، تمہارا فرض صرف یہ ہے کہ ان کو پیغامِ الٰہی پہنچا دو) پس ہم نے آپ کو ان پر نگہبان کر کے نہیں بھیجا نہیں اوپر آپ کے مگر (قرآن مجید کا) پہنچا دینا (اب انسان کی فطرت کی طرف اشارہ ہے کہ) اور تحقیق جب ہم (خدا تم) اپنی طرف سے انسان کو کوئی نعمت چکھاتے ہیں، تو (اس کے ساتھ پھولتا (اور اپنی لیاقت پر اتراتا) ہے (کہ میں اسی لائق تھا اور یہی میرے لیے ہونا چاہیئے تھا۔ خدا کی مہربانیوں کو یکسر بھول جاتا اور شکر کا لفظ تک زبان سے نہیں نکالتا اور پھر جب اس کی بدعملی کی پاداش میں راحت کے بعد گرفت وغیرہ ہو، تو پھر ناشکری پر آمادہ ہو جاتا ہے) اور اگر ان کو پہنچتی ہے کوئی تکلیف بسبب اس کے، جو ان کے ہاتھوں نے بھیجا ہوا ہے (یعنی ان کے اپنے ہی اعمال کے باعث، تو بجائے اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہونے کے اُلٹا روٹھ جاتا اور سرکشی

اختیار کر لیتا ہے) پس تحقیق انسان (اس وقت) ناشکرا بن جاتا ہے (ایسا کرنا تصرفاتِ الٰہی کے انکار کے مترادف ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان تکلیفوں کو اپنے کیے کی سزا سمجھتا، لیکن اس کے بالعکس عدل و انصاف کی ناقدردانی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو تصرفاتِ الٰہی ہر آن جاری و ساری ہیں اور اس کے تمام کام حکمت پر مبنی ہیں۔ جو مناسب دیکھتا ہے، کرتا ہے، کیوں کہ)

(۴۹) لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کے واسطے ہے (وہ بلا شرکتِ غیرے اپنے تمام کارخانے کو درست اور صحیح طور سے چلا رہا ہے اور جو کرتا ہے وہ بے غلط ہوتا ہے۔ وہ صاحب اختیار اور مالکِ کُل ہے) پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے (نہ کہ جو کچھ مخلوق چاہے) دیتا ہے (وہ حکیم مطلق) جس کو چاہتا ہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹے (بیٹیاں پہلے رکھیں، تاکہ مخلوق کی بے چارگی معلوم ہو، یہ اپنا مالکانہ اختیار دکھلا ہے، ورنہ اکثر تو بیٹے ہی چاہتے ہیں۔ انسان کا کوئی اختیار نہیں، صرف تصرفِ الٰہی ہے)

(۵۰) اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ یا ملا جلا کر دیتا ہے اُن کو بیٹے اور بیٹیاں (اکٹھے یا الگ الگ، جیسے مناسب جانتا ہے اپنی خود مختاری سے کرتا ہے) اور جس کو چاہتا ہے عقیم (بانجھ، بے اولاد) بنا دیتا ہے (کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ) تحقیق (بلا شبہ) وہ (خدا تعالیٰ) بڑا علم والا بڑی قدرت والا ہے (قادرِ مطلق جو مناسب جانتا ہے، کرتا ہے، اُس پر کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا اور صرف اولاد ہی پر کیا منحصر ہے، اُس کے کسی بھی معاملے میں انسان کو دخل حاصل نہیں ہے۔

اس موقعہ پر مسیحؑ کی ولادت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آیاتِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد تو بسا اوقات تزوّج کے باوجود پیدا نہیں ہوتی، مثلاً مرد کی عنانت کے باعث یا عورت کی تعقیم (بانجھ پن) کے باعث۔ پس جب زوجین کے باہمی اختلاط کے باوجود یہ ہو سکتا ہے کہ اولاد پیدا نہ ہو، تو یہ کیوں کر مان لیا جائے کہ سرے سے ایک فرد (عورت یا مرد) ہی موجود نہ ہو اور پھر بھی اولاد پیدا ہو سکے؟ مسیحؑ کی ولادت بے پدر پر اعتقاد رکھنے والوں کو اس حکیمانہ اشارہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے[1]

جس طرح اولاد کا ہونا یا نہ ہونا، بیٹیاں دینا یا بیٹے عطا کرنا، کاملۃً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں

---

[1] مزید بحث کے لیے دیکھو تفسیر بیان للناس سورۂ مریم۔

ہے، اسی طرح وحی کا معاملہ بھی کلیۃً اسی خدائے کامل مطلق کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس عزت و مرتبے کے لیے چُن لیتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اُس سے ہم کلام ہوتا ہے، جیساکہ ارشاد فرمایا)

(۵۱) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۝

اور کسی بشر کے لیے یہ لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے، مگر (تین طریقوں سے) وحی (کے ذریعے اپنا فرمان اس کے دل میں ڈال کر کہ یہ کلام جو دل میں آ رہا ہے، اللہ کامل مطلق ہی کی طرف سے ہے) یا پسِ پردہ (یقین آجاتا ہے کہ کسی طرف سے دل آواز سُن رہا ہے۔ اس کا تعلق بھی دل ہی سے ہے) یا کوئی رسول، فرشتہ بھیج دے۔ بس وہ اُس (خدا) کے حکم سے جو (خداوندکریم) چاہے، دل میں ڈال دے (یہ کامل تقسیم ہے، ان کے علاوہ چوتھی کوئی قسم وحی کی نہیں ہے یہ لوگوں کے اپنے مَن مانے ڈھکوسلے ہیں، جو کوئی اَور طریق وحی کا دل سے بناتے ہیں۔ مذکورہ تینوں طریق کا تعلق دل ہی سے ہے اور دل آواز پر متوجہ ہوتا ہے۔ پروردگار نے تینوں طریق کو کلام ہی کہا ہے خلاف کی زبان نہیں یعنی آواز نہیں ہے، مگر کلام آواز سے ہوتا ہے اور اس رسول کی زبان میں وہ کلام ہوتا ہے۔ رسول خبر دیتا ہے کہ خدا یوں کہتا ہے یا خود نبی کی زبان پر خدا جاری کر دیتا ہے اور یہ نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کوئی وحی بلاواسطہ نہیں ہوتی۔ مثلاً ہوا پہ آواز کی حرکات لگتی ہیں، تو آواز پیدا ہوتی ہے۔ کوئی آواز کا خیال رکھتا ہے یا ہوا کا یا شخص کا حقیقت تینوں طریق کی ایک ہی ہے، یعنی، دل وحی کو علم یقینی کے ساتھ لیتا ہے۔ ان حالات میں جذبات خارجی پر کارکنانِ قدرت کے پہرے بیٹھ جاتے ہیں اور جو کچھ خدا کی طرف سے ملنا ہوتا ہے، بلاشک وشبہ مل جاتا ہے۔ اِن تینوں طریق میں کلام ہوتا ہے، دیدار نہیں ہوتا، کیوں کہ لامحدود کا دیدار محدود کیسے کر سکتا ہے؟ ہاں اُس کے فرمان بالاسباب جاری وساری ہوتے ہیں۔ اس کے احکام عالی شان اور حکیمانہ ہوتے ہیں، کیوں کہ) تحقیق وہ (اللہ کامل مطلق سب سے) اعلیٰ (بلند مرتبہ اور) حکمت والا ہے۔

(۵۲) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ اور اسی طرح (انہیں

تین طریقوں سے ، ہم نے تیری طرف (زندگی کی) روح (کو) وحی کیا (اصل زندگی بخشی) تو (اس سے
پہلے) نہ تو کتاب کو جانتا تھا اور نہ ایمان کو (پس تیری طلب وتلاش دیکھ کر ہماری رحمت کا تقاضا
ہوا کہ ہم آپ کو نوازیں اور چن لیں) ولیکن ہم نے اس (قرآن) کو نور بنایا ہے (طالبانِ حق اور
متلاشیانِ صراطِ مستقیم کے لیے ، کیوں کہ) ہم راہ دکھلاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے
(اور اس لائق پاتے) ہیں اور البتہ تم (اے محمدؐ) سیدھی راہِ ہدایت (کی طرف لوگوں کی) راہ نمائی
کرتے ہو (یہ صراطِ مستقیم بھی ہماری ہی بنائی ہوئی ہے ، وہ)

(۵۳) صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ
اِلَى اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۠ راہ اللہ کی ہے سیدھی ، وہ (اللہ کامل) ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور
جو زمین میں ہے اسی (اللہ تعالیٰ) کے واسطے ہے (اور مالکِ حقیقی سے روگردانی نہ کرو ، ورنہ سخت
خسارہ پاؤ گے ۔ اس کی گرفت سے چھوٹ کر نکل جانا محالِ مطلق ہے ۔ تم کہیں بھی ہو ، اسی کے قبضہ
میں ہو ۔ جب وہ چاہتا ہے ، اپنے حضور بلا لیتا ہے اور کاموں کے مطابق بدلہ دیتا ہے ۔ پس ا
خبردار رہو جاؤ کہ سب کام اللہ تعالیٰ کی طرف پھر جاتے ہیں (اور ہر عامل کا عمل چھوٹا ہو یا بڑا ، سامنے
آجاتا ہے ۔ پس ایسے وقت کے لیے انسان کو ایسا کام کرنا چاہیے ، جس سے سرخ روئی ہو ، نہ کہ
طرح طرح کی تکالیف) ۔

سُورۃ الزخرف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلا رکوع (۱) حٰمٓ ۚ یہ بطور بیج کے ہے۔ آگے اس کا ثمر اور شجر کی شکل میں واضح کرنا سوائے رب العلمین کے اور کسی کی طاقت و قدرت سے باہر ہے۔ خود ہی باری تعالیٰ اس بیج کی تشریح و تفسیر کرتے ہیں۔ فرمایا:)

(۲) وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اس کتاب بیان کرنے والی کی قسم (کہ یہ کتاب بطور دلیل گواہ ہے کہ)

(۳) اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ تحقیق ہم نے اس قرآن کو عربی بنایا ہے۔ تاکہ تم سمجھو (اور فائدہ اٹھاؤ۔ قرآن صحیفۂ فطرت کے خلاف نہیں ہو سکتا، کیوں کہ دونوں کا مصنف ایک ہی ہے۔ ایک فعلی کتاب، یعنی صحیفۂ فطرت اور دوسری قولی، یعنی قرآن اور خدا کے کاموں اور اقوال میں اختلاف ناممکن ہے۔ قرآن مجید سب کے سمجھنے کے لیے ہے، کسی شخص سے مختص نہیں ہے۔ فرمایا:)

(۴) وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۚ اور بالتحقیق یہ (قرآنِ مجید) بڑی کتاب (یعنی فطرت) میں (موجود اور محفوظ) ہے، جو ہمارے ہاں بڑے مرتبے اور حکمت والی ہے (پھر ایسی صورت میں کہ اس کی قدر و فضیلت ہمارے نزدیک مسلم ہے، تو کیا ممکن ہے کہ ہم محض اس لیے کہ کچھ لوگ ضد و انکار کی راہ اختیار کرتے ہیں، اس کی تبلیغ و اشاعت سے ہاتھ روک لیں؟ اگر یہ لوگ حد سے نکل گئے ہیں، تو اس کی اشاعت اور بھی زیادہ ضروری ہے، کیوں کہ اس سے انھیں کا فائدہ ہوگا)۔

(۵) اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝

کیا ہم (اللہ تعالیٰ) ہٹالیں اس ذکر کو تم سے منہ موڑکر اس لیے کہ تم مسرف ہو (ہمارا طریق کار تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ ہی سے اُن کی ہدایت کے لیے اپنے رسول بھیجتے رہیں)۔

(۶) وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِن نَّبِيٍّ فِي الْأَوَّلِينَ ○ اور ہم نے کتنے نبی پہلے لوگوں میں بھیجے (مگر اس انعام الٰہی کے جواب میں ان لوگوں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ)

(۷) وَمَا يَأْتِيهِم مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ○ اور کوئی نبی اُن کے پاس نہیں آتا تھا، مگر اُس کے ساتھ وہ تمسخر کرتے تھے۔ (یہ اُن کی ہٹ دھرمی تھی، ورنہ نہ تعلیم میں کوئی نقص تھا، نہ انبیاء اُن سے اپنی تبلیغ کا اجر مانگتے تھے جب کوئی شرارت پسند جماعت اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے، تو قانونِ خداوندی حرکت میں آتا ہے اور انھیں اُن کے کیے کی سزا دیتا ہے۔ ان مغضوب اور مقہور انسانوں کی برباد بستیوں کے نشانات آج بھی لوگوں کے لیے عبرت کا نشان ہیں۔ واقعات بھی اس کی کھلی شہادت دیتے اور قرآن مجید بھی ان کی تصدیق کرتا ہے۔ کیوں کہ ظالم بموجب قانونِ خداوندی کبھی بھی فلاح نہیں پاتا)

(۸) فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُم بَطْشًا وَمَضَىٰ مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ○ پس جو اُن میں سے سخت زور والے تھے، ہم نے انھیں ہلاک کیا اور پہلوں کی مثالیں (قرآن اور واقعات میں بھی) گذر چکی ہیں (اگر یہ لوگ، یعنی، کفارِ عہدِ قرآن بھی ہٹ سے باز نہ آئے تو اُن کا بھی یہی انجام ہوگا۔ قدرت کی گرفت سے بچ کر وہ کہیں نہیں جا سکیں گے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ خود بھی خوب سمجھتے ہیں کہ کارخانۂ قدرت کا خالق و مالک وہ اللہ ہی ہے اور وہ اسی کی حکومت میں زندگی کا سانس لے رہے ہیں)۔

(۹) وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ○ اور اگر تو ان (کفار) سے (بھی) پوچھے کہ ان آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا (تو) البتہ کہیں گے (کہ) ان (آسمانوں اور زمین اور تمام موجودات) کو بڑے غلبے والے، بڑے علم والے (خداوندکریم) نے پیدا کیا ہے (ان اشیا کو تغیرات دینے والا پورا غالب ہونا چاہیے اور مناسب تربیت دینے والا بہت بڑا علیم وحکیم ہونا چاہیے۔ تمام کائنات کا عجز ظاہر ہے اور خدا کا سب پر غالب

ہونا صاف واضح ہے۔ اس پر کوئی غالب نہیں اور اس کا ہر چیز پر غلبہ ہے اور اس کے حکیمانہ اور علمی کاموں میں غلطی کو ذرّہ بھر راہ نہیں۔ پس اصل حکیم و علیم وہی ہے، جو اتنے بڑے کارخانہ کو بنا کر اپنے حکم و تصرف اور علم سے ٹھیک اور درست چلا رہا ہے۔ ایسے غالب اور علیم و حکیم کو دوسرے مددگاروں وغیرہ کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا کوئی شریک و مشیر نہیں۔ وہ اکیلا ہی کافی ہے۔ ایسی زبردست ہستی کے ساتھ شریک بنانے سے مشرکین کو شرم آنا چاہیے۔

(۱۰) الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ جس نے زمین کو تمھارے لیے جھولا بنایا اور اس (زمین) میں تمھارے واسطے راہیں بنائیں، تاکہ تم راہ پاؤ (بیس کروڑ مربع میل زمین کی سطح اور قریباً سوا ارب آبادی انسانوں کی، دوسرے انواع الگ۔ پھر اس دسترخوان کو ہر ایک کی ضرورت پورا کرنے میں مکمل بنایا اور آرام کے تمام سامان مہیا کیے۔ پھر زمین کی رفتار ایک سیکنڈ میں ½ ۱۷ میل کی ہوتے ہوئے بھی تمھیں چوٹ یا صدمہ نہیں پہنچتا۔ نہ سورج کی کشش ہی تمھیں اوپر سما میں کھینچ لے جاتی ہے۔ نہ پانی ہی تمھیں تکلیف دیتا ہے، بلکہ یہ تمام اشیا تمھارے ہی لیے مسخر کردی گئی ہیں کہ ان سے فوائد حاصل کرو اور اصل حق تعالیٰ کا شکر ادا کرو)

(۱۱) وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ اور (وہی تو ہے) جو آسمان سے پانی اندازے سے اُتارتا رہتا ہے۔ پھر ہم نے اس (پانی) سے مُردہ شہر کو زندہ کر دیا (اور تمھارے آرام و آسائش کے لیے انواع و اقسام کے سامان پیدا کرتے رہتے ہیں۔ پس چاہیے کہ تم ان نعمتوں کا جائز استعمال کرو، اور اپنی زندگی کو بہترین طور سے بسر کرو، دنیا کے نشے میں سرشار ہو کر آخرت کو فراموش نہ کرو کہ تمھیں ایک نہ ایک وقت خدائے بزرگ و برتر کے حضور پیش ہونا ہے۔ فرمایا،) اسی طرح تم (زمین سے) نکالے جاتے ہو (اور خدا کے آگے جواب دہی کے لیے پیش ہوتے رہتے ہو۔ تمام اشیا پر اُسی کا قبضہ ہے مالک کے بُلانے پر مملوک کو کیا عذر ہو سکتا ہے؟ وہ جب چاہتا ہے، اپنے حضور بُلا لیتا ہے۔ اُس نے خوانِ کرم پر تمھارے لیے طرح طرح کی نعمتوں کو چن دیا ہے۔ اگر تم اُس کا شکر نہ کرو گے، تو یہ کفرانِ نعمت ہے۔)

(۱۲) وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَ

الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ اور وہ خدا ہی تو ہے، جس نے ہر ایک مخلوق کے جوڑے بنائے (حیوانوں ہی میں نہیں، بلکہ درختوں، پودوں اور بے جان چیزوں کے بھی جوڑے بنائے۔ نفی اور اثبات، دفع اور جذب کے خصائص تمام عناصر میں موجود ہیں) اور تمھارے لیے کشتیاں اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو (تمھاری اپنی بے بضاعتی تو ایسی ہے کہ اپنا مال و اسباب خود اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں لے جا سکتے۔ یہ اُسی خدائے کارساز کی رحمت ہے کہ اس نے تمھیں بار برداری کے جانور دیئے اور وہ عقل عنایت کی جس سے کام لے کر تم کشتیاں اور جہاز تیار کرتے ہو، دُور دراز کے سفروں پر روانہ ہوتے ہو۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۱۳) لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝

تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر (امن و اطمینان سے) بیٹھ جاؤ (اور) پھر اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو، جب تم اس (چار پائے، کشتی یا جہاز پر) ٹھیک طرح بیٹھ جاؤ (یہ بھی یاد رکھو کہ کشتیاں ڈوب بھی سکتی ہیں اور سواریوں کے جانور گر بھی سکتے ہیں۔ پس تمھیں چاہیے کہ اس سے دعائیں کرتے رہو) اور تم کہا کرو پاک ہے (ہر عیب سے) وہ (اللہ کامل مطلق) جس نے (ہم پر اتنی مہربانیاں کیں کہ) اس (سواری) کو ہمارے کام میں لگا دیا ہے اور ہم اسے اپنے بس میں کرنے کے لائق نہ تھے۔

(۱۴) وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ اور (یہ بھی کہا کرو کہ) ہم اپنے رب کی طرف لوٹائے جانے والے ہیں (جہاں نیکوں کو نیک جزا ملے گی اور بدوں کو بُری سزا اور جہاں کوئی سفارش، کوئی شفاعت کام نہیں آتی۔

دوسرا رکوع | چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کی قدر کرتے۔ اسی کے لیے سربسجود ہوتے اور اُسی کو اپنا واحد مالک اور آقا یقین کرتے۔ مگر یہ کتنی بڑی بدبختی ہے کہ وہ اس پروردگار بے ہمتا کے ساتھ خود اُسی کی عاجز اور بے بس مخلوق کو شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

(۱۵) وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اور جا ٹھہرایا (ان ظالموں نے) اس (رحمان خدا) کے واسطے اس کے بندوں میں سے ایک حصہ بنایا، تحقیق (ایسے عقیدے والا) انسان صریح ناشکرگزار ہے۔ مخلوق آپس میں ایک دوسرے کی مثل ہوتی ہے نہ کہ خالق و مخلوق۔ بس یہی کھلا ہوا شرک اور ظالمانہ عقیدہ ہے۔ بندوں میں مساوات

ہونا چاہیے ۔بندوں کو بندگی کی حد سے بڑھانا سخت گناہ ہے ۔ یہ عقیدہ کہ ذو اصل مطاع یا بے غلط دو منتہائے سوال ہیں، مشرکانہ عقیدہ ہے ۔تحت الفطرت کو خواہ چھوٹی ہستی ہو یا بڑے سے بڑی ، وہ مخلوق ہی ہے اس کو کسی بھی صورت میں فوق الفطرت کا جزو قرار نہیں دیا جا سکتا ۔مثلاً سورج اور آنکھوں کو ترتیب دینے والی ایک اور طاقت ہے ، نہ کہ سورج یا آنکھیں ۔ یہ تو مخلوق ہیں ۔ان میں مناسبت رکھنے والا علیم کل حکیم مطلق خدا ہی تو ہے ۔بس خدائے واحد ہی کی عبادت کرو اور شرک سے اجتناب کرو)

(۱۶) اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ○ کیا (تمہارا یہ عقیدہ ایک بدترین عقیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے) پکڑا اُس چیز سے جس کو خود پیدا کیا ہے (واسطے اپنے) بیٹیاں اور چن لیا ہے (اس خدا نے) تم کو بیٹوں کے لیے (حالاں کہ خدا کی ذات بیٹے اور بیٹی دونو سے پاک ہے ۔مگر تمہارا یہ عقیدہ عجیب ہے کہ اپنے لیے تو بیٹیوں کو سخت ناپسند کرتے ہو اور خدا کی طرف اُن کو منسوب کرتے ہوئے ذرا نہیں جھجکتے ۔ فرمایا)

(۱۷) وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○ اور جب اُن میں کسی کو اُس چیز کی خبر دی جاتی ہے : جو وہ رحمٰن کے لیے بیان کرتا ہے (یعنی جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو) اس کا مُنہ کالا ہو جاتا ہے (اور پیچ و تاب کھاتا ہے کہ اب کوئی اس کا داماد بنے گا) اور وہ غم سے بھر جاتا ہے ۔

(۱۸) اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ○
کیا جو (مخلوق) زیوروں میں پرورش پائے اور جھگڑے میں ظاہر نہ ہو (یعنی مقابلہ نہ کر سکے ۔ ایسی مخلوق کو خدا کی بیٹیاں کہنا قادرِ مطلق کی شان میں سخت گستاخی ہے ۔یہ عقیدہ کھلے ہوئے ظلم کے برابر ہے اور اس کی بے ہودگی میں کوئی کلام نہیں)

(۱۹) وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔــلُوْنَ ○ اور مقرر کیا اُنھوں نے فرشتوں کو وہ جو رحمان کے بندے ہیں، عورتیں (فرشتے تو کارکنانِ قدرت ہیں ۔نہ نر ہیں نہ مادہ ۔صرف ایک مجبور مخلوق ہیں ، جو حکم ملتا ہے ، بلاچون و چرا گذرتے

میں۔ اُن کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ عورتیں ہیں، ایک بے بنیاد وہم ہے) کیا یہ (لوگ، ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے (قطعاً نہیں۔ وہ افتراپردازی سے کام لیتے ہیں) عن قریب ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور (ابھی) پُوچھے جائیں گے (اور بڑی سختی سے ان کے اس دعوے کی دلیل مانگی جائے گی، وہ کہیں بچ کر نہیں جا سکتے۔

اسی پر بس نہیں کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، بلکہ دعوتِ حق سے گریز کرنے کرنے کے لیے عجیب و غریب بہانے تلاش کرتے ہیں، مثلاً ایک حیلہ یہ کہ:)

(۲۰) وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُم ۗ مَّا لَهُم بِذَٰلِكَ

مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ اور وہ کہتے ہیں، اگر رحمن چاہتا، تو ہم اِن (دیوی دیوتاؤں) کی پُوجا نہ کرتے۔ ان کو اس کا کچھ (بھی) علم نہیں (یعنی ایسی دلیل نہیں، جو علم پر مبنی ہو، بلکہ محض ڈھکوسلہ ہے) یہ تو صرف اٹکلیں دوڑاتے ہیں (کوئی معقول سند ان کے پاس نہیں ہے اور ہو بھی کیسے)

(۲۱) أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ۝

کیا ہم نے ان کو اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب دی تھی، جس سے وہ سند پکڑتے ہوں (اور اس میں سے دلائل دیتے ہوں، ہرگز نہیں۔ کوئی علمی شہادت ان کے پاس نہیں ہے۔ ہاں آبا پرستی ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ غیر اللہ کی پوجا کے ثبوت میں ہزاروں سالوں کے مندر، مورتیاں اور ان کی پرستش پیش کریں گے کہ بتاؤ یہ لوگ بے وقوف تھے، جو ان کی پرستش کرتے تھے۔ اس کے سوا اور اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہو سکتی ہے؟)

(۲۲) بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم

مُّهْتَدُونَ ۝ بلکہ کہتے ہیں، تحقیق ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو (اسی) ایک راہ پر پایا ہے اور تحقیق ہم اُن (ہی) کے نقشِ قدم پر (چل کر) راہ پانے والے ہیں (یہ کفار کا دعویٰ ہے، نہ کہ مومنین کا۔ مشرکین ہی سلف کی سُنّت کے دلدادہ ہیں۔ مومن کا شیوہ تقلید نہیں، بلکہ تحقیق ہے۔ وہ اندھا دھند تقلید کر کے بلا سوچے سمجھے کسی بات پر نہیں گرے گا اور حکمِ خداوندی بھی یہی ہے۔ مومن سب کی سُنتا ہے، مگر احسن کی پیروی کرتا ہے)

(۲۳) وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا

قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ اور اسی طرح تجھ سے پہلے ہم نے نہیں بھیجے کسی بستی میں ڈرانے والے، مگر کہا اس (بستی) کے دولت مندوں نے (کہ) تحقیق پایا ہم نے اپنے (بزرگوں) آباؤ (اجداد) کو اوپر ایک راہ کے اور تحقیق ہم ان کے نشانوں پر اقتداء کرنے والے ہیں (ہر ایک پیغمبر کو ایسے ہی لوگوں سے واسطہ پڑا، جو غیر اللہ کی پرستش میں اپنے آباؤ اجداد کی روش کو بطور سند کے پیش کرتے ہیں۔

(۲۴) قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ (ہر ایک پیغمبر نے اپنے اپنے وقت کے لوگوں سے یہ) کہا۔ اگر چہ لایا ہوں میں تمہارے پاس اس سے بہت ہی بہتر (دین) جس پر تم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے (تو کیا پھر بھی آنکھیں بند کر کے اپنے باپ دادا ہی کی راہ پر چلو گے؟ وہ جواب میں) بولے، تحقیق جو کچھ تم (خدا کی طرف سے دے کر) بھیجے گئے ہو، ہم اس کو نہیں مانتے (ان کے اس انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ)

(۲۵) فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

پس ہم نے ان (اشرار و مفسدین) سے بدلہ لیا۔ پھر دیکھ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا (ہر نبی تعلیم حق ہی بیان کرتا رہا اور کفار آباء پرستی ہی کو پیش کرتے رہے۔ انبیاء نے انھیں واضح دلائل دکھلائے کہ موازنہ کرو کہ تمہاری آباء پرستی سے ہماری لائی ہوئی تعلیم بہتر ہے یا نہیں، اگر بہتر ثابت ہو، تو اسے قبول کر لو، اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور پھر اس تبلیغ پر تم سے کوئی اُجرت وغیرہ بھی نہیں طلب کی جاتی۔ ان کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ لوگ ان کی ذات کو تسلیم کریں، بلکہ اس کے بالعکس وہ محض تعلیم الٰہی کو تسلیم کرانے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ خود انبیاء کو بھی یہی حکم ہوتا ہے کہ وہ خدا کے مقررہ دستور پر عمل پیرا ہوں، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کی مثال سے واضح ہوتا ہے۔ جس تعلیم کو پیش کرتے ہیں۔ خود بھی اسی کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

دوسرا رکوع (۲۶) وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ (فرمایا) اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو (غیر اللہ کی

پرستش میں منہمک پایا، تو) کہا تحقیق میں بیزار ہوں اس سے جن کی تم (مشرکین) پوجا کرتے ہو۔

(۲۷) اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ○ مگر وہ جس (میرا تمہارا سب کا معبود ہے، اس کا میں عابد ہوں، کیونکہ اسی) نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پس تحقیق قریب ہے کہ وہ (رب العلمین) مجھے (نجات و فلاح اور بہبودی کا صحیح) راستہ دکھلائے گا (توحید کا یہ سبق خدا کے پیغمبروں نے ایک بنیادی اور مرکزی حیثیت سے اہل دنیا کو پہنچایا۔ توحید ایک اٹل اصول ہے، جو ازل سے ابد تک برابر قائم رہے گا۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۲۸) وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○
اور (اللہ تعالیٰ نے) اس (توحید) کو ہمیشہ رہنے والی بات (یعنی کلمہ) بنایا، اس (ابراہیمؑ) کی اولاد (اور دوسرے اہل توحید) میں تاکہ یہ (لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کریں (عرب میں فرقہ حنیف موجود تھا، دوسرے لوگ بھی ان کو دیکھ دیکھ کر مائل بحق ہوتے تھے۔ جب مالدار امراء کی تعداد میں اضافہ ہوگیا، تو یہ حنیف طبقہ کے لوگ کچھ دب گئے، ان کی تنظیم جاتی رہی اور امراء متکبرین کا غلبہ ہوگیا، تاہم زمانہ نزول قرآن میں ان لوگوں کی کچھ نہ کچھ جمعیت عرب میں موجود تھی، جس میں اللہ کا کلمہ ابھی باقی تھا۔ قریش اور یہود وغیرہ بھی ابراہیمؑ ہی کی اولاد کہلاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان پر کئی مہربانیاں فرمائیں؛ جیسا کہ فرمایا:)

(۲۹) بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ○ بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے آباء و (اجداد) کو فائدہ پہنچایا اور انھیں موقع دیا، یہاں تک کہ ان کے پاس حق (قرآن مجید) آگیا اور رسولؐ بیان کرنے والا (بھی آیا، جو اس تعلیم کو لے کر ان پر پڑھتا ہے۔ پھر ان پر ہماری اتنی مہربانیوں کا کیا اثر ہوا؟ انھوں نے احسان فراموشی اور ناشکر گذاری کی راہ اختیار کی، جیسا کہ ارشاد ہے:)

(۳۰) وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○
اور جب ان کے پاس حق (نتیجہ خیز تعلیم یعنی باطل کو بدلائل پاش پاش کرنے والا قرآن) آگیا (تو) بولے یہ (پُر از توحید تعلیم) تو دھوکا ہے اور تحقیق ہم اس (عالی شان تعلیم) کے

ساتھ کافر ہیں (لیکن کیا ان کے انکار کر دینے سے توحید مٹ جائے گی؟ ہرگز نہیں، بلکہ قیامت کبریٰ تک یہ تعلیم بغیر کسی انسانی دست برد کے موجود رہے گی۔ یہ رسول تم پر گواہ ہے اور تم سلسلہ بسلسلہ لوگوں پر گواہ بنتے چلے جاؤ گے۔ اس کتاب میں جبر نہیں، بلکہ صبر کی تعلیم دی گئی ہے۔ غور و فکر کرنے والے اس کتاب سے بے انتہا فائدے اٹھائیں گے۔ مگر اہل کفر و شرک اپنی ضد اور انکار کے باعث بہت بڑا خسارہ اٹھائیں گے۔

قرآن مجید کے آنے سے دنیا میں زبردست انقلاب آگیا۔ ہر مذہب کے پیرو کو اپنے خیال و اعتقاد کی جانچ پڑتال کی ضرورت محسوس ہوئی۔ سلیم الطبع لوگ حق کی طرف مائل ہو گئے اور ہوتے جا رہے ہیں۔ قرآن کے نزول سے کرۂ ارضی پر بہت بڑا تغیر ہو گیا۔ مخاطبین اول میں جن لوگوں نے قرآن مجید کے ماننے سے انکار کیا، اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ اپنے زعم باطل میں رسالت کے واسطے کسی فوق الفطرت ہستی کو رسول کے لباس میں دیکھنا چاہتے تھے یا کم از کم ان کے خیال میں رسول کو بہت بڑا دولت مند، صاحب شان و شوکت ہونا چاہیئے تھا۔ ان کی حمیت جاہلیت یہ برداشت نہ کر سکتی تھی کہ ایک ایسا شخص جو اُمّی محض ہے، زمین کی حکومت کا مالک نہیں۔ اُن کے لیے ایک رسول و پیشوا کی حیثیت میں ظاہر ہو۔ ان تصورات کی موجودگی میں وہ نہ تو رسول ہی کو مان سکے، نہ قرآن کو۔ قرآن مجید اُن کے قلبی تاثرات اور شکوک و شبہات کو یوں بیان کرتا ہے:)

(۳۱) وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ○ اور کہتے ہیں، یہ قرآن دو بستیوں (مکہ و طائف) میں سے کسی (پُر رعب اور) عظمت والے مرد پر کیوں نہ اُتارا گیا؟ (غور کا مقام ہے کہ یہ کفار وغیرہ تو رسول اللہ کے متعلق کھلے بندوں یہ کہ رہے ہیں کہ آپ شان و شوکت، اثر و رسوخ، رعب داب، مال و دولت اور شہرت و عظمت وغیرہ سے محروم ہیں اور اہل حدیث اور روایات کے پرستار آپ کو کہاں سے کہاں تک بڑھا رہے ہیں اور غلو کر کے آپ کو کس جگہ پر پہنچا رہے ہیں اور ہر بات میں آپ کو انسانی برادری سے ممتاز اور الگ کر رہے ہیں۔ بے شک اللہ کے رسول نیکی اور خیر خواہی خلق میں بڑے ہم درجہ ہوتے ہیں، مگر ان کو خدائی اوصاف سے متصف کرنا ایک خطرناک جہالت بلکہ شرک ہے۔ خدا کے معاملات میں کسی کو ذرہ بھر دخل دینے کی جرأت نہیں، وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:)

(۳۲) أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم

مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ

کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت (یعنی وحی) کو بانٹنے والے ہیں؟ (ہرگز نہیں، بلکہ) ہم نے بانٹی ہے ان کے درمیان روزی ان کی دنیا کی زندگی میں اور ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا، تاکہ ان میں سے بعض، بعض کو محکوم پکڑیں (پس جس طرح دنیا کی دولت ہمارے ہی اختیار سے تم لوگوں میں تقسیم ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح یہ روحانی دولت (یعنی وحی الہٰی) ہماری مرضی کے مطابق، ہمارے چیدہ چیدہ بندوں پر نازل ہوتی ہے اور یہ روحانی نعمت دنیا کی متاع قلیل سے بہ ہرحال احسن ہے) اور تیرے رب کی رحمت (وحی) خیر ہے اس چیز (مال و دولت وغیرہ) سے جو یہ جمع کرتے ہیں (اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کہاں اپنی وحی نازل کرے؟ ہمارا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے)

(۳۳) وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ۝ اور اگر (یہ اندھا دھند کام خلافِ حکمت) نہ ہوتا کہ ہو جائیں لوگ جماعت واحدہ تو البتہ ہم کر دیتے واسطے رحمٰن کے کافروں کے واسطے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں (بھی چاندی کی) کہ اوپر ان کے چڑھتے (تمام چاندی ہی چاندی ہوتی۔)

(۳۴) وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ ۝ اور واسطے ان (رحمان کے ناقدردانوں) کے گھروں کے دروازے اور تخت (بھی چاندی کے) کہ اوپر ان (تختوں) کے تکیہ کرتے۔

(۳۵) وَزُخْرُفًا ۚ وَإِن كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ۝ اور (انھیں) سونے کے (انبار دے دیتے مگر کفار کو اتنا کچھ دے دینا حکمت کے سراسر خلاف ہوتا۔ اس لیے ایسا نہیں کیا۔ محسوس

کا غلبہ معقول پر بظاہر فوری ہوتا ہے۔ اس لیے مومنین کی ثابت قدمی کو بھی لغزش کا خطرہ ہوتا
دیں وجہ ایسا فعل مستحسن نہ ہوتا۔ اصل میں مال و دولت کی حقیقت کیا ہے ؟ یہ کہ اس کا برمحل
استعمال نیکیوں کے کاموں میں خیرات کرنا مسکینوں، یتیموں اور مقروضوں کی امداد کرنا، وغیرہ وغیرہ
یہ کام خوبی والے ہیں۔ یہ کام جزائے خیر کا مستحق ٹھیراتے ہیں اور دولت کا ناجائز استعمال مثلاً
غریبوں پر ظلم کرنا، تکبر، عیاشی اور اسراف وغیرہ، انسان کو عذاب کا مستوجب قرار دیتے
ہیں) اور نہیں ہے یہ سب کچھ (یعنی مال وزر) مگر (فانی) دنیا کی زندگی کے اسباب (اس پر
غرور و تکبر فضول ہے۔ امیر و غریب سب کو عزم و استقلال کے ساتھ دولت کا مقابلہ کرنا چاہیئے
وہ لوگ جو دولت مند ہوں، وہ اپنی دولت کو عیش و عشرت اور ظلم و فرعونیت کا سبب نہ بننے
دیں اور نہ غریبوں ہی کو چاہیئے کہ دولت کو دیکھ کر اپنے قدموں کو ڈگمگانے دیں۔ یاد رکھو کہ یہ
دنیاوی سامان توحید کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں اس دولتِ دنیا کو پاکیزہ مقاصد
پر خرچ کرو اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کر کے آخرت کی دولت حاصل کرو۔ اور (بہتر سے
بہتر) آخرت (اور اعلیٰ سے اعلیٰ ہمیشگی کے آرام) تیرے رب کے پاس پرہیزگاروں (اور
نیکیوں پر گامزن ہونے والوں) کے واسطے ہیں۔ غرض امراء و غرباء اگر اپنے اپنے فرائض بحسن
و خوبی ادا کریں، تو دنیا فردوسِ بریں بن جائے اور ایسا تب ہی ہو سکتا ہے، جب کہ وحی کے
فرمان کو بسر و چشم تسلیم کر کے اس پر عمل کرنے کی پوری طرح کوشش کی جائے۔ سب سے بڑھ کر
کام آنے والی شے پروردگار کے حکموں کی پابندی اور فرمانِ الٰہی پر چلنا ہے۔ جو ان احکامِ
خداوندی سے غفلت کرے گا، خائب و خاسر ہوگا۔ ارشاد ہے:)

چوتھا رکوع (۳۶) وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا
فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ اور جو شخص شب کور (یعنی اندھا) ہو، رحمان کے ذکر (یعنی نصیحت)
سے مقرر کر دیتے ہیں (ہم) اس کے لیے شیطان بس وہ (شیطان)، اس (ناقدردان اور
غافل) کے واسطے ساتھی (ہم نشین) بن جاتا ہے (اور ذکرِ الٰہی سے یہ غفلت اور روگردانی
انسان کو کئی طرح کی روحانی اور جسمانی برائیوں اور بری عادتوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔
ایسے شخص کو بری چیزیں بھی اچھی نظر آنے لگتی ہیں)

(۳۷) وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ
مُّهْتَدُوْنَ ۝ اور تحقیق وہ (شیطانی جذبات) البتہ ان (بدکاروں) کو (سیدھے) راستے

سے روکتے ہیں اور (وہ اندھے اور ظلمت پسند) یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ راستی پر ہیں (یعنی وہ ہی سچے اور ناجی ہیں، کیوں کہ ان کے بزرگ بھی اسی راہ سے گذرے ہیں، جن پر وہ خود چل رہے ہیں۔ یہ سب کچھ وہ شیطانی تحریک اور جذباتِ نفسانی کے ماتحت کہتے اور کرتے رہتے ہیں جب یہ مرجاتے ہیں، تو اُن کے شیطانوں کا بھی ساتھ ہی خاتمہ ہوجاتا ہے۔ مرتے وقت تک شیطان کا اثر رہتا ہے، اس کے بعد وہ اثر زائل ہو جاتا ہے، مگر شیطان موجب عذاب ضرور بنتا ہے۔ دوسرے عالم میں شیطان کی معیت تو ہوگی، مگر وہاں جذبات کو بھڑکا نہ سکے گا۔ دوسرے لفظوں میں شیطان کو وقتِ معلوم تک مہلت دی گئی ہے۔ وہ جو کچھ بھی کرسکتا ہے، دنیا ہی کی زندگی میں کرسکتا ہے)

(۳۸) حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ۝ یہاں تک کہ جب (ایسا شریر النفس مرکر دوسرے عالم میں) ہمارے (یعنی خداوند کریم کے) پاس آتا ہے (تو آنکھیں کھلتی ہیں اور) کہتا ہے، اے کاش تیرے (شیطانی جذبات کے) اور میرے درمیان مشرق مغرب جتنی دُوری ہوتی (تاکہ تیری اتباع کی بدولت مجھے یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا۔ دنیا میں تیری پیروی سے اجتناب کرتا، تو آج انعاماتِ الٰہی سے نوازا جاتا) پس تو بہت بُرا رفیق ہے (جو بھی تیرے پیچھے چلے گا، عذاب عظیم کا مستحق ہوگا، مگر یہ سارا پچھتاوا، یہ تمام حسرت و افسوس رائیگاں ثابت ہوتی ہے۔ دنیا کی بدعملیوں کی تلافی کا اب کوئی موقعہ باقی نہیں رہ جاتا اور چاروناچار ایک مدتِ معینہ تک دوزخ کا عذاب برداشت کرنا پڑتا ہے)

(۳۹) وَ لَنْ یَّنْفَعَكُمُ الْیَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ اور جب تم ظلم کرتے رہے، تو تمھیں (یہ امر) نفع نہیں دے سکتا کہ تم (سب) عذاب میں شریک ہو (تمھارے عذاب میں دوسرے کو عذاب ہونے سے کیا تخفیف ہوسکتی ہے؟ اس کے بعد پھر رسول اللہ صلعم سے خطاب ہوتا ہے:)

(۴۰) اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَ مَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ پس (اے پیغمبر!) کیا تو سناتا ہے (یہ تعلیمِ حق) بہروں کو، یا راہ دکھلاتا ہے اندھوں کو اور جو گمراہی میں ہو (ان کے باطنی کان بہرے ہیں کہ آوازِ حق سننے سے

محروم ہیں اور دل کی آنکھیں اندھی ہیں کہ انھیں نورِ حقیقت نظر نہیں آتا۔ اب ایسے ظالم لوگ کہتے ہیں کہ اچھا اگر ہم گمراہ ہو چکے ہیں، تو وہ عذاب جس کی ہم کو بار بار دھمکی دی جاتی ہے، ہم پر کیوں نہیں آتا؟ مگر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس موقعہ پر عذاب نازل کرے۔ انسان کی سرکشی اور بغاوت کی ایک آخری حد ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ حد آجاتی ہے، تو ٹھیک اُس وقت اس کا عذاب بھی نازل ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی شرط نہیں کہ وہ عذاب پیغمبر کی زندگی ہی میں نازل ہو۔ اس کی وفات کے بعد بھی دیا جا سکتا ہے۔)

(۴۱) فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝ پس اگر تم کو لے جائیں ہم (تو کیا یہ لوگ عذاب سے بچ جائیں گے؟ اگر اپنی ہٹ پر قائم رہے۔ تو ضرور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ تمھارا موجود ہونا یا نہ ہونا ضروری نہیں۔ جب ان کے عذاب کا ٹھیک وقت آجائے گا، تو وہ بہر حال نازل ہو گا)، پس تحقیق ان (ظالموں اور سرکشوں) سے (ان نافرمانیوں اور مومنین پر مظالم توڑنے کا) بدلہ لینے والے تو ہم ہیں (اور ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ تائب نہ ہوں اور آپ کی زندگی ہی میں اس حد تک پہنچ جائیں، جہاں گرفت ہوا کرتی ہے، تو آپ کی زندگی ہی میں عذابِ الیم میں گرفتار ہو جائیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:)

(۴۲) اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝ یا ہم تجھے دکھلا دیں (تیری زندگی ہی میں) وہ (عذاب) جس کا ہم نے اُن سے وعدہ کیا ہے، پس تحقیق ہم اُن پر قادر ہیں (اس میں نبی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ جب مناسب موقعہ آئے گا، انھیں ان کے کیے کی سزا مل کے رہے گی۔)

(۴۳) فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ پس مضبوط پکڑ لے اس کو جو تجھے وحی کیا جاتا ہے۔ (اے پیغمبرؐ!) تحقیق تو سیدھی راہ پر ہے (تم پر ہی کیا منحصر ہے، جو بھی ٹھیک ٹھیک کام کرے گا، وہ صراطِ مستقیم پر ہو گا)۔

(۴۴) وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ اور

تحقیق یہ (قرآن مجید) تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے نصیحت ہے اور قریب ہی تم سوال کیئے جاؤ گے (کہ آیا تم نے اس کتاب پر عمل کیا یا نہیں؟ نہ تمام انسان اکٹھے پیدا ہوئے، نہ اکٹھے مرتے ہیں، نہ اکٹھے سب کی حاضری ہوتی ہے۔ غرض اپنے اپنے وقت پر سب کام ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہی اس کا مطلب ہے کہ عن قریب تم سے بازپرس ہوگی)

(۴۵) وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ اور سوال کر ان سے جو تجھ سے پہلے ہم نے رسول بھیجے ہیں (رسولوں سے مراد یہاں دوسری کتابوں کے مبلغ ہیں، کیوں کہ یہ لوگ رسولوں کے رسول ہوتے ہیں۔ غرض اس بات کا ان رسولوں سے فیصلہ طلب کر کہ) کیا ہم نے سوائے (اپنے یعنی) رحمٰن کے (اور بھی) معبود مقرر کیے ہیں کہ جن کی پوجا کی جائے (وہ اکیلا ہی عبادت کے لائق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں)۔

پانچواں رکوع (۴۶) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا (توحید، یادِ الٰہی، قیامت وغیرہ کے دلائل و براہین) کے ساتھ فرعون اور اس کے (مغرور و متکبر) سرداروں کی طرف، پس کہا میں تحقیق رب العلمین کا بھیجا ہوا (یعنی رسول) ہوں (فرعون کا عقیدہ تھا کہ ہر ملک، ہر شہر، ہر قصبہ، ہر محلّہ، بلکہ ہر گھر میں مختلف ارباب ہوتے ہیں، اس لیے جب موسیٰؑ نے رب العلمین یعنی سب کی ربوبیت کرنے والے ایک ہی خدا تعالیٰ کو پیش کیا اور اس کے دلائل و شواہد دکھلائے، تو ظالموں کو مذاق کی سوجھی، کیوں کہ ان کو اپنے جاہ و جلال اور دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ پر بڑا گھمنڈ اور اپنی حکومت و طاقت پر بڑا غرور تھا اور وہ شرابِ سرکشی کے نشہ میں مخمور، دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۴۷) فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝ پس جب آیا ان کے پاس (موسیٰؑ) ہماری (خدا تعالیٰ) آیات لے کر، تو وہ (مغرور) ان (آیات اور قدرتی نشانات) پر ہنستے تھے۔ شریروں اور بدکاروں کا ہمیشہ سے حق کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ رہا ہے اور بجائے نفع حاصل کرنے کے خسارہ اٹھاتے رہے ہیں۔ یہ فرعونی بھی شرارت و

استہزاء وغیرہ ہی کرتے رہے اور ہر ایک نشان کو یکے بعد دیگرے جھٹلاتے رہے۔ ہم چاہتے تھے کہ وہ اپنی اصلاح کر کے سُرخ رُوئی حاصل کریں، مگر وہ مفسدین باز نہ آئے۔ فرمایا:)

(۴۸) وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ اور نہیں دکھاتے تھے ہم ان (سرکشوں) کو کوئی نشانی، مگر وہ اپنی مثل سے بڑی ہوتی تھی (یعنی ایک سے ایک بڑھ کر نشانیاں انہیں دکھلائی گئیں، لیکن اس کے باوجود اُن پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ وہ سرکشی اور بغاوت پر اڑے رہے، یہاں تک کہ عذاب کا وقت آ پہنچا اور پکڑا ہم (خدا تعالیٰ) نے ان کو ساتھ عذاب کے، تاکہ رجوع کریں (اس سے اتنا تو ہوتا تھا کہ بے قرار ہو جاتے تھے، مگر کلی طور پر باز نہ آتے تھے)

(۴۹) وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ۝ بولے اے ساحر اپنے رب کے واسطے پکار اس چیز سے کہ مقرر کر رکھی ہے نزدیک تیرے (اور اگر یہ بلا ٹل گئی)، تو تحقیق ہم البتہ راہ پر آئیں گے (کئی دفعہ ان سے یہ طرح طرح کے عذاب ٹالے گئے، مگر وہ اپنی عہد شکنی سے باز نہ آئے۔

(۵۰) فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ۝ پس جب ہم (خدا) ان سے عذاب کھول دیتے تھے۔ تو وہ (اپنا یہ) عہد (کہ ہم سے عذاب ہٹ جائے، تو ہدایت قبول کریں گے) توڑ دیتے تھے (جب ان کی ان کمزوریوں کی خبر فرعون کو ہوئی، تو اس کو خدشہ پیدا ہُوا کہ کہیں میرے خلاف بغاوت نہ ہو جائے اور یہ لوگ بنی اسرائیل اور قبطی یعنی میری اپنی قوم سب مل کر میرے خلاف نہ ہو جائیں اور مجھے کسی وقت مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے، تو اسے زوردار پکر کرنے کی سوجھی۔ اس نے اپنی قوم میں اپنے فخر اور طاقت اور امارت وغیرہ کو پیش کیا اور موسےٰ کی غربت، کم زبانی وغیرہ کا اظہار کر کے ان کو نیچا دکھلانے کی کوشش کی)

(۵۱) وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ

مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ؕ اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی (جب وہ لوگ اکٹھے ہوئے، تو ان کو مخاطب کیا اور) کہا کیا میرے واسطے مصر کی بادشاہی نہیں ہے (ہے اور ضرور ہے اور تمہیں چاہیے کہ میرے ہی محکوم بن کر اچھی زندگی بسر کرو۔ میری وجہ سے تمہیں ہر طرح کا آرام پہنچ رہا ہے) اور کیا یہ (تمام) نہریں میرے تحت نہیں ہیں؟ پھر تم دیکھتے نہیں ہو (میں جاہ و جلال اور عزت والا ہوں یا یہ شخص؟)

(۵۲) اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِیۡنٌ ۙ وَّلَا یَکَادُ یُبِیۡنُ ؕ

بلکہ میں بہتر ہوں (اور بڑی شان و شوکت اور عزت رکھتا ہوں) اس سے کہ وہ ذلیل ہے (اور میرے سامنے موسٰی کی کیا حقیقت و حیثیت ہے اور کوئی فصیح البیان بھی نہیں ہے) اور اس کے قریب نہیں کہ اچھی طرح بیان (بھی) کر سکے (اس کی تقریر میں اثر نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ رب العلمین کا بھیجا ہوا ہوں۔ اگر ایسا ہے تو اُس کے پاس جاہ و حشمت اور ثروت و امارت کے سامان ہوتے۔ اس صورت میں یہ کیوں کر تسلیم کیا جائے کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ اگر وہ اپنے دعوے میں صادق ہے)

(۵۳) فَلَوۡلَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِکَةُ مُقۡتَرِنِیۡنَ ۝ تو (بطور انعام و نشان کے) اس (موسٰی) پر سونے کے کنگن کیوں نہ ڈالے گئے؟ یا اس کے ساتھ فرشتے آتے پَرے باندھ کر (تاکہ ہم اس کی عزت و رتبت کے قائل ہو کر اس کی رسالت پر ایمان لے آتے)۔

(۵۴) فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ؕ

پس ہلکا کر دیا اس (فرعون) نے (اور بے وقوف بنا دیا رعب داب والی باتوں سے) اپنی قوم کو پس انھوں نے اس کی اطاعت کی (اور کہا مان گئے۔ کیوں نہ مانتے) تحقیق وہ لوگ تھے ہی (عہد شکن یعنی) فاسق (اور بدکاریوں میں پھنسے ہوئے۔ فسق کے کئی درجے ہیں۔ جب آخری درجہ آجاتا ہے، تو دنیا سے رسوائی کے ساتھ جہنم رسید کیے جاتے ہیں، جیسا کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:)

(۵۵) فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
پس جب انھوں نے (بسبب اپنی بدکاریوں، مظالم اور شرارت کے) ہم (خدا تعالیٰ) کو غضب ناک کر دیا، تو (اپنی سُنّت کے مطابق) ہم (خدا تعالیٰ) نے ان سے انتقام لیا، پس ہم نے ان سب (فاسقین) کو (فرعون سمیت) غرق کر دیا (تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے عبرت و موعظت کا باعث ہوں، جیساکہ فرمایا:)

(۵۶) فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝ پس ہم (خدا) نے ان پچھلے لوگوں کے (عبرت کی ایک) مثال بنا دیا۔

پانچواں رکوع (۵۷) وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ اور جب بنایا گیا ابنِ مریمؑ کو ایک مثال (توحید کی، جیسے اور رسولوں کو بھی بنایا گیا، تو یہ بدبخت اشرار ابنِ مریمؑ کے لفظ سے غلط مفہوم نکال کر بڑے خوش ہوئے، جیساکہ ارشاد ہے:) جب تو تیری قوم (مشرکین مکہ) تالیاں بجاتی ہے (کہ رسُول کو شکست دے دی کہ ابنِ مریمؑ کی پیدایش کا ذریعہ فرشتہ تھا، نہ کہ باپ۔ اصل یہ ہے کہ فرشتوں نے بیت المقدس میں مریمؑ کو خدا کی طرف سے بیٹے کی خوش خبری دی تھی اور بتایا تھا کہ مسیح عیسےٰ ابنِ مریمؑ اس کا نام ہوگا اور جب ان اشرار موالی سے مریمؑ اپنے اہل میں آگئی، تو اس خوش خبری کو پورا کرنے کے لیے ایک تندرست مرد بحکم خدا تعالیٰ وحی پاکر مریمؑ کے پاس آیا اور ان کو موعود بیٹا (مسیحؑ) دیا۔ فرشتے کب مریمؑ کو بیٹا دینے کا ذریعہ بنے، مشرکین یہ غلط نتیجہ پیغمبرؐ سے خصومت رکھنے کی وجہ سے نکال کر خوش ہوتے ہیں۔ کیا قرآن مجید فرشتہ کو بیٹے کی پیدایش کا سبب بناتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ قرآن مسیحؑ کو نیک ماں باپ کا بیٹا بتاتا ہے اور حواری بھی مسیحؑ کو ابن مریمؑ ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ بھی آپؑ کو بے باپ نہ جانتے تھے، ورنہ مائدہ کا معجزہ طلب نہ کرتے۔ خدا نے ابن مریمؑ کا لفظ فرما کر جننے والی اور جنے ہوئے دونوں کے اِلٰہ ہونے کی زبردست تردید فرما دی ہے۔ وہ خدا لم یلد ولم یولد ہے۔ غرض یہ مشرکین شرارت کی وجہ سے ایسا الٹ نتیجہ پیدا کرتے ہیں)

(۵۸) وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝ اور کہتے ہیں کیا ہمارے معبود (فرشتے خدا کی بیٹیاں جن کے ذریعہ سے مسیح دنیا میں آیا) بہتر ہیں یا وہ (مسیح بہتر ہے) نہیں بیان کرتے وہ (اشرار ایسے ایسے بُرے عقیدے) واسطے تیرے مگر جھگڑنے کو (قرآن اس شخص کو جو مریم صدیقہ کے پاس آیا تھا بشر رسول فرماتا ہے اور انسان کا درجہ ملک سے افضل ہے اور بزرگ ہے۔ ایسے اشرار آج ہی نہیں، ہمیشہ سے جھگڑالو ہیں، جیسا کہ فرمایا) بلکہ یہ قوم (ہمیشہ سے) جھگڑتی (آئی) ہے اور خصومت ان کی فطر میں داخل ہے)

(۵۹) اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝

نہیں تھا وہ (مسیح جس کو فرشتہ زاد سمجھتے ہو) مگر ایک (انسان اور خدا کا غلام یعنی) بندہ جس پر ہم (خدا) نے انعام کیا اور بنایا ہم (خدا) نے اس (مسیح) کو ایک نمونہ (توحید کا، جیسا کہ اور انبیاء بھی اپنی اپنی قوم میں تبلیغ حق کرتے رہے ہیں، اسی طرح ابن مریم بھی مثال بن کر آیا) واسطے بنی اسرائیل کے (اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ فرشتوں کا درجہ انسان کے مقابلے میں بہت گھٹیا ہے۔ انسان مخلوق میں اشرف اور مسجود ملائکہ ہے؛ اسی لیے اس کو زمین کی خلافت ملی ہے اور اختیارات عنایت ہوئے ہیں۔ فرشتے ایک مجبور کل کی طرح ہیں، انھیں جو حکم ہوتا ہے، بلاچون وچرا کرتے ہیں۔ اگر مسیح (نعوذ باللہ) فرشتہ زادہ ہوتے، تو خلفائے ارض میں کیسے شامل ہوتے، وہ نیک انسان تھے اور نیک والدین کے بیٹے تھے۔ وہ نبیوں، صدیقوں اور صالحین میں ایک تھے۔ فرشتوں میں کوئی نبی نہیں۔ نبوت تو الگ رہی، خلافتِ ارض تک کے بھی اہل نہیں ہیں۔ مسیح اپنے جیسے انسانوں کے لیے نمونہ بن کر آئے تھے اور مساوات و حریت انسانی اور نیکی کے علم بردار تھے۔ انسانوں کے واسطے ہم جنس ہی نمونہ ہُوا کرتا ہے، نہ کہ کوئی دوسری نوع۔ غرض انسان ملائکہ سے برتر ہے۔ یہ اگر اعلیٰ ہوتے، تو ضرور خلافت ان کو تفویض ہوتی۔ یہ اس لائق ہی نہ تھے، اس لیے ان کو یہ عہدہ خدا کی طرف سے عنایت نہیں ہُوا۔ وہ انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ پھر انسان سے بہتر اور خیر کیسے ہوئے؛ غرض مجبور کو خلافت کیسے ملے، وہ تو اپنے کاموں کے جواب دہ ہی نہیں۔ یہ چیز صرف صاحب اختیار، مسئول ہستی کو ملی ہے۔ ارشاد ہے کہ)

(۶۰) وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِى الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ اور اگر ہم (خدا) چاہتے (مناسب دیکھتے تو) تمھاری جگہ زمین میں ملائکہ کو خلیفہ بناتے (مگر یہ مجبور

ہستیاں اس لائق نہ تھیں، اس لیے اُن کو اس کام پر لگا دیا، جس کے یہ اہل تھے بس اے انسانو! یاد رکھو کہ تم میرے سامنے اپنے اعمال کے جواب دِہ ہو اور تمھاری خلافت اس بات کا ثبوت ہے کہ تم میرے سامنے پیش ہوگے. جیسا کہ فرمایا:)

(۶۱) وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ○ اور تحقیق یہ (خلافت و اختیار وغیرہ) البتّہ اس پیشی کی گھڑی کے لیے ایک دلیل ہے۔ بس پیشی کی گھڑی میں شک نہ کرو (میرے اوامر ونواہی پر میرے کہنے کے مطابق چلو) اور میری پیروی کرو (تاکہ قیامت میں نیک اجر اور دائمی راحت حاصل کرو۔ سن رکھو کہ خدا تعالیٰ کے فرمان عالی شان پر چلنا) یہی صراطِ مستقیم ہے (ایسے مہربان خدا سے مُنہ موڑنا بہت بڑے خسارہ کا موجب بن کر لمبے عذاب میں پھنسا دیتا ہے۔ سُن رکھو، جذبات و ہَوا کی اِتباع شیطانی افعال ہیں ان سے بچے رہنا اور خدا سے نیکیوں کی توفیق مانگتے رہنا اور جذبات پر قابو رکھنا بہت بڑی سعادت ہے۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ شیطانی جذبات سے بچتا رہے کہ اُن کی اطاعت گمراہی کا باعث ہے۔

(۶۲) وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ○ اور تمھیں شیطان (خدا کی اطاعت سے) نہ روکے تحقیق وہ تمھارا کھلا دشمن (اور تکالیف کا موجب) ہے۔

(پہلے ابن مریمؑ پر بحث تھی، اب عیسٰیؑ نام لائے کہ وہ ہمارا بندہ ابن مریمؑ جس پر ہم نے انعامات کیے، پیغمبری عنایت کی اور اس پر اپنی مہربانیاں کیں اور اس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول کرکے بھیجا کہ یہود کے تعصبات کو دُور کرکے توحید کی تعلیم دے اور ان کے بوجھ اُتارے، جو انھوں نے شرارت کی وجہ سے اپنے اوپر لیے ہوئے تھے اور بہترین باتیں سکھلائے اور اس شریر قوم کو حکیمانہ تعلیم دے جیسا کہ فرمایا:)

(۶۳) وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ○ اور جب آیا عیسٰیؑ (ابنِ مریمؑ) واضح باتیں لے کر (اور بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے) کہا تحقیق میں تمھارے پاس لایا ہوں حکمت (دانائی کی باتیں اور توحید کا سبق۔ والدین سے نیک سلوک کرنا اور زنا و قتلِ ناحق اور چوری وغیرہ سے پرہیز کرنا سب حکمت کی باتیں ہیں۔ اونٹ وغیرہ کو حرام سمجھنا یہ دانائی کے خلاف اور خدا کی منشاء کے اُلٹ ہے۔ تمام حق پرستوں کو قابلِ نجات جاننا

حقیقت ہے۔ تعصب مذہبی شرارت ہے۔ شرک سے اجتناب حکمت ہے۔ اصل چیز توحید ہے۔ اس پر قائم رہنا نجات کا پانا ہے اور اسی لیے میں بھیجا گیا ہوں اور تمہارے اختلافات کا حل لایا ہوں) اور تاکہ میں تمہارے واسطے بیان کرد بعض وُہ چیزیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو (اور بحکم خدا ان سزائی احکام کو تم سے ہٹاؤں، جو تمہاری ضد و شرارت اور بغاوت کی وجہ سے تم پر ڈالے گئے تھے) بس اللہ تعالیٰ (کامل مطلق ذات سے) ڈرو اور میری تابعداری (ان احکامِ خداوندی میں) کرو (سب رسول یہی کہتے آئے ہیں اور سب کی تابعداری کرنا ضروری ہے، کیوں سب رسول توحید ہی کی طرف بُلاتے تھے اور خود بھی توحید ہی کے فدائی تھے۔ عذاب کے موقعہ پر بڑے بڑے ظالم لوگ یہی کہتے ہیں کہ ہمیں ڈھیل ملے، تو ہم رسولوں کی پیروی کریں۔ جناب رسولِ کریمؐ کو بھی ابراہیمؑ کی اتباع کا حکم ملتا ہے۔ بلکہ فرمایا، جو بھی میری طرف رجوع کرے، اس ابراہیمؑ کے طریق کی پیروی کرے جو مواحد تھے سب لوگوں کو نیکے طریق کی اتباع کا حکم ہے۔ ان کی اتباع خدا کی اتباع ہے نہ کہ ان لوگوں کی ذات کی۔ قرآن مجید پر عمل کرنے سے سب انبیاء، رسل اور تمام دوسرے داناؤں، حکیموں اور صلحاء کی اطاعت ہو جاتی ہے۔ یہ سب لوگ صرف خدا کے عابد تھے۔ غور کا مقام ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی فرماں برداری اور اطاعت تو بتادے، مگر انبیاء وغیرہ کی پیروی کو کیا ہم خود تلاش کرتے پھریں؟ اور پھر تلاش بھی کریں، تو قرآن کافی و اکمل سے باہر؟ نعوذ باللہ۔ الغرض خود مسیح بحکم الٰہی کہتے ہیں اور بڑی حکیمانہ بات کہتے ہیں کہ)

(۶۴) إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ

تحقیق اللہ (کامل مطلق) جو ہے، وہی میرا رب اور تمہارا (سب کا) رب ہے پس عبادت کرو اُسکی (اُس کی فرماں برداری ہی میں فلاح دارین ہے۔ اور) یہی سیدھا (منزلِ مقصود پر پہنچانے والا) راستہ ہے (یہ تھیں بیّنات جو مسیح ابن مریمؑ بنی اسرائیل کے پاس خداوند کریم کی طرف سے لے کر آیا۔ یہ زبردست دلائل ہی حکمت تھے۔ مٹی کے کھلونے بنا کر پھونک مارنا حکمت اور دانائی کے روشن دلائل نہ تھے۔ انھیں بیّنات پر مسیح بھی چلتے تھے اور دوسروں کو بھی اُن کے اتباع کی دعوت دیتے تھے۔ غرض خدا تعالیٰ کی پکار اور رسل کی تابعداری ایک ہی بات ہے۔ (الرسل استغراقی ہے) اتباع رُسل ہی ایمان باللہ کے مترادف ہے۔ اس کو کتاب اللہ سے باہر ڈھونڈنا فعل عبث اور جرم عظیم ہے۔ ایک نکتہ قابلِ غور ہے کہ نزول قرآن کے دوران میں تورات والے کو تورات کے ماننے کا حکم تھا اور یہود کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ تورات کی طرف

سے قلق میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ قرآن و تورات سے زیادہ ہدایت والی کوئی کتاب لاؤ تو (میں یعنی محمدؐ رسول اللہ اس کے ماننے کو تیار ہوں۔ جب یہ کتاب (توراۃ) بھی قرآن مجید میں محفوظ ہوگئی، تو توراۃ سے بھی لوگوں کو مستغنی کر دیا۔ پھر کیا بخاری و مسلم ہی کا استقلال باقی رکھنا تھا، ہرگز نہیں حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ کریم کی اطاعت رسالت، قرآن مجید پر عمل کرنے سے خود بخود ہو جاتی ہے۔ اسے قرآن سے باہر تلاش کرنا گناہ اور خدا کے فرمان کی توہین کرنا ہے۔ وحی الہی کو ممتاز ہونا چاہیے، نہ کہ مخلوط اور راویوں کے رحم پر منحصر۔ وحی جلی ہو یا بقول علماء سوخفی۔ اس کا محفوظ ہونا ضروری ہے۔ تو کیا جن باتوں کو رسولؐ اللہ کی طرف نسبت دی جاتی ہے، وہ محفوظ ہیں؟ ہرگز نہیں۔ غرض حضورؐ کی وحی والی اطاعت قرآن حمید میں آگئی ہے۔ باقی رہی انتظامی اطاعت، وہ آپؐ کے بعد دوسرے حکام میں ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ کیا ہم اہل حدیث سے حدیث کے حکم کا محکی عنہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں؟ اگر رکھتے ہیں، تو یہ صاحبان ہماری تسلی کریں۔ (انشاءاللہ قیامت کبریٰ تک نہ کر سکیں گے اور کریں بھی کہاں سے۔ خود ان کے مسلمات میں یہ چیز ملتی ہے کہ رسولؐ کریم نے فرمایا کہ اگر کسی نے مجھ سے قرآن محفوظ کے علاوہ اور کچھ لکھا ہوا ہے تو اسے مٹا دے؟ کیا صحابہ کرامؓ نے اس فرمان نبویؐ پر عمل کیا یا مخالفت کی؟ اگر بقول محدثین بعد میں لکھنے کی اجازت دی تو کیوں۔ کیا اس سے پہلے مٹائے ہوئے ذخیرے کو تلاش کیا جا سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ اور بالفرض مل بھی جاتا، تو پہلا حکم درست تھا یا دوسرا؟ غرض لوگوں نے دین کو ایک عجیب گورکھ دھندا بنایا ہوا ہے اور نادانی سے دشمنوں کے الزامات کو جو انہوں نے نبیؐ پر شرارت کی وجہ سے لگائے ہوئے ہیں، بسر و چشم قبول کر رہے ہیں۔
اور جو شخص اپنے پیارے امین و صدیقؐ پر سے ان الزامات کو دور کرنا چاہے، اس کو منکر رسولؐ اور دوسرے بُرے بُرے ناموں سے پکارا جاتا ہے اور اپنی عاقبت کو دانستہ خراب کیا جاتا ہے۔ پس انسان اور صحیح الدماغ انسان کو ان روایات کے طوفان سے بچنا ضروری ہے۔ اگر اس رَو میں بہ گیا، تو غرق ہو جائیگا۔ یہ بے سروپا اور متضاد باتیں کیوں کر وحی الہی ہو سکتی ہیں؟ اور پھر کیا کوئی اہل حدیث یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کے پاس سب احادیث پہنچ گئی ہیں؟ قطعاً نہیں۔ ایسی صورت میں اس نامکمل ذخیرہ روایات کو کیوں کر وحی کہا جا سکتا ہے؟

الغرض صراط مستقیم اور توحید جیسی نعمت کج رَو اور اشرار مفسدین وہم پرست اور ظالم مشرکین کو پسند نہیں آتی، اور ضد و عناد اور موحدین کے بغض کی وجہ سے اُلٹی چال چلتے ہیں اور صاف و سیدھے راستہ سے مُنہ موڑتے ہیں۔ یہیں تک بس نہیں کرتے، بلکہ حق پرستوں کو بُرے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ یہ چال ان بدبختوں کی ہمیشہ سے آرہی ہے۔ یہی حالت مسیحؑ کے وقت بھی اشرار نے کی تھی، جیسے ارشاد ہوتا ہے کہ)

(۶۵) فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ پس اختلاف کیا جماعتوں نے آپس میں پس خرابی ہے اُن لوگوں
کے واسطے کہ ظلم (اور توحید سے نفرت اور حقیقت کا انکار) کرتے ہیں عذاب درد دینے والے دن کے
سے مسیحؑ کے وقت لوگوں نے اختلاف کیا، کچھ مومن بنے کچھ منکر ہوئے اور بُرا پھل پایا اور یہ مشرکین
مکہ وغیرہ بھی اپنی ضد و شرارت سے باز نہیں آتے اور اپنے بُرے انجام سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ اگر
ایسا ہی رہے اور اپنی ہٹ سے نہ ٹلے، تو سابقہ ظالموں کی طرح ان کو بھی روز بد دیکھنا پڑے گا۔ اور
اس وقت ان اشرار کو ڈھیل نہ ملے گی اور ان کا انجام بُرا ہو گا:)

(۶۶) هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ
نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر اس گھڑی (قیامت) کا یہ کہ آجائے اُن کے پاس ناگہاں (اچانک یکلخت
نہ کہ مسیحؑ و مہدی اور دجال کے آنے کے بعد) اور ان کو خبر تک بھی نہ ہو (اس وقت آپس میں دوستی
کا دم بھرنے والے اور ایک دوسرے کی مدد کے دعوے دار بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ پیر مریدوں
سے متنفر اور مرید پیروں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ مگر پرہیزگار لوگ ایک دوسرے کے عالم آخرت میں
بھی دوست ہی ہوتے ہیں اور خیر خواہ رہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ)

(۶۷) اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝
اُس دن (جو آپس میں) دوست ہیں۔ بعض ان کے بعض کے دشمن ہو جاتے ہیں (کہ کسی کی وجہ
سے گرفت نہ ہو جائے اور جن کی محبت کا دنیا میں دعویٰ کرتے تھے، ان کے سبب کہیں پکڑے
نہ جائیں) مگر متقین (وہ ایک دوسرے سے بیزار نہیں، بلکہ آپس میں دوست ہی رہتے ہیں، کیونکہ
فلا خوف علیہم ولا ھم یحزنون میں ہوتے ہیں۔ ان کو کہا جاتا ہے کہ)

ساتواں رکوع | (۶۸) يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝
اے میرے (نیکوکار اور فرماں بردار) بندو! تم پر آج کے دن کوئی خوف نہیں ہے (گذشتہ کا کوئی
خوف تمہیں نہیں ہے) اور نہ تم کو (آئندہ کا) غم ہی ہے (یہ کون بندے ہیں جو ماضی و مستقبل کے خوف
و غم سے بند کئے جاتے ہیں۔ کیا اہل حدیث، بخاری و مسلم کے پرستار نہیں بلکہ)
(۶۹) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ وہ لوگ جو ہماری (قدرتی او

وحی کی) آیات (نشانیوں) کو مانتے اور مُسلم (نہ کہ حنفی، شافعی، مالکی، شیعہ، سُنّی مقلد، غیر مقلد، بہائی، احمدی، اہل حدیث وغیرہ) ہیں (یہ آیات کتاب اور صحیفۂ فطرت کی ہیں۔ بعض دانا لوگ قدرتی آیات کے پہلے مسلم ہوتے ہیں اور پھر وحی الٰہی سے اور بھی ترقی کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا کہ تم نہیں سنا سکتے یہ قرآن مگر اُن کو جو قدرتی آیات کے مسلم اور صحیح چیز کے لینے کی دل و دماغ میں استعداد رکھتے اور حق کے قبول کرنے کو ان کے دل مستعد ہوتے ہیں۔ غرض ان متقین کو اپنے اپنے وقت پر فرمایا جاتا ہے)

(۷۰) اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ○ داخل ہو جاؤ بہشت میں تم اور تمھاری متقین نیکوکار بیویاں (اور تمھارے پرہیزگار دوسرے ساتھی، اس حال میں کہ) زینت دیے گئے ہو۔

(۷۱) يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ پھیرے جاتے ہیں ان (اہلِ جنّت) پر سونے کے بڑے (بڑے) برتن (نعمتوں سے بھرپور طباق ان کو پیش کیے جاتے ہیں) اور کوزے اور بیچ اس (جنّت) کے ہے (ان جنّتیوں کے واسطے) جو کچھ (ان کے) نفس خواہش کریں اور آنکھوں کو (بھی یہ نعمتیں) لذّت دیں (اور اے اہلِ جنّت) تم لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔

(۷۲) وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اور یہی وہ جنّت ہے کہ تم اس کے وارث کیے گئے ہو، بسبب اس کے کہ تم عمل کرتے تھے (وارث اس لیے فرمایا کہ ایک کے بعد دوسرا وہاں پہنچتا ہے اور پہلا آگے جا کر دوسرے پہلے شخص کی جگہ پاتا ہے۔ غرض یہ آرام تمھیں اپنے اعمال کے ذریعہ سے ملا۔ مگر حقیقت کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کے فضل ہی سے یہ سب کچھ پایا۔

(۷۳) لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ تمھارے لیے اس (جنّت) میں بہت میوے ہیں۔ ان میں سے (حسبِ ضرورت) تم کھاتے ہو۔ (اب صالحین کے مقابلے میں مجرمین کی حالت بیان فرمائی)

(۷۴) اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ تحقیق مجرمین

(گنہگار) عذاب جہنم میں رہ پڑنے والے ہیں (درست ہونے تک خواہ کتنی بھی مدت لگے اور)

(۷۵) لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۚ نہ کم کیا جاتا ہے ان (مجرمین) سے (وہ عذاب بلکہ احساسِ عذاب اور بڑھایا جاتا ہے کہ مرض میں کمی آتی جائے اور طبیعت صحت کی طرف آئے۔ جہنم بھی رحمت ہے۔ کیونکہ وہاں سے مجرمین درست کرکے کسی اچھی جگہ پر پہنچائے جاتے ہیں) اور وہ (مجرمین) اس (جہنم) میں ناامید ہو جاتے ہیں (اپنے بنائے ہوئے شفعاء سے قطعاً مایوس ہو جاتے ہیں اور انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کہ قصور ان کا اپنا ہی تھا)

(۷۶) وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ○ اور ہم (خدا) ان پر ظلم نہیں کرتے، ولیکن وہ خود ہی (اپنے آپ پر) ظلم کرنے والے تھے (جب انھیں اپنے اعمال کی سزا ملتی ہے۔ تو شدتِ درد و کرب سے خدا سے موت کی خواہش کرتے ہیں، لیکن جب تک وہ قانونِ الٰہی کے مطابق، دوزخ کی آگ سے پاک و صاف نہ ہولیں، انھیں چھٹکارا نہیں مل سکتا)

(۷۷) وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ ○ اور انھوں نے پکارا کہ اے مالک، تیرا رب ہم پر موت وارد کردے (مالک سے مراد داروغہ جہنم ہے، یعنی، وہ موت بھی مانگتے ہیں تو داروغہ جہنم کے وسیلے سے، وہ من دون اللہ سے اب بھی پوری طرح ناامید نہیں ہیں۔ نہ خدا ہی سے وہ براہ راست اپنا تعلق سمجھتے ہیں۔ ان کی مشرکانہ سپرٹ ان میں اب بھی باقی ہے۔ داروغہ جہنم نے) کہا، تحقیق تم (دوزخ میں) دیر کرنے والے ہو (لفظِ مکث، کم و زیادہ، دونوں پر آتا ہے)

(۷۸) لَقَدْ جِئْنَاكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ○ البتہ تحقیق لائے ہم تمہارے پاس حق (فطری طور پر اور بوساطت انبیاء و رسل اور دوسرے مصلحین)، لیکن تم میں سے اکثر حق سے کراہت (و نفرت کا اظہار) کرتے رہے۔

(۷۹) أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ۚ کیا انھوں نے کوئی (پکی پختہ) تجویز مقرر کرلی ہے (کوئی منصوبہ باندھا ہے کہ حق کی راہ میں رکاوٹ پیدا کریں گے یا حق

لانے والے کو ہی مار ڈالیں گے اور حق کو مٹا دیں گے؟ اگر ایسا خیال ہے تو یہ لوگ سخت ندامت اٹھائیں گے۔ یہ کبھی اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ) پس ہم بھی ان کو تباہ و برباد کرنے کی پختہ تجویز) مقرر کرنے والے ہیں (اگر یہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے۔ تو جلد ہی اپنے مشوروں اور تجویزوں کا انجام دیکھ لیں گے۔ خدا کی نگاہ سے ان کا کوئی بھی راز پوشیدہ نہیں)

(۸۰) اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ۝ کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو نہیں سنتے اور ان کی خفیہ مجلسوں (سے بے خبر ہیں؟ اگر وہ ایسا سمجھتے ہیں۔ تو سخت غلطی پر ہیں) کیوں نہیں (ہم کو سب باتوں کا علم ہے) اور ہمارے ایلچی (کارکنانِ قدرت ان کے پاس (ہی) لکھ رہے ہیں (تاکہ وقت آنے پر انھیں اُن کے اعمال کی سزا دی جائے) ان جرائم کی دو کتابیں تیار ہوتی ہیں۔ ایک انسان کے اندر اور دوسری صحیفۂ فطرت میں۔ یہی مل کر سزا و جزا کا باعث بنتی ہیں۔ ایسی تحریروں کو قائم رکھنا ضروری ہے۔

(۸۱) قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ۝

کہہ (اے رسولؐ) اگر رحمان کے واسطے بیٹا ہو، تو (یاد رکھو) میں (اس ولد اللہ کا) پہلا عبادت کرنے والا ہوں (کیا اتنے بڑے کارخانہ کو نیست سے ہست میں لانے والا خدا اولاد اور شرکاء کی مدد کا محتاج ہو سکتا ہے اور کیا اس کائنات کو خداوندکریم کسی دوسرے کے بل بوتے پر چلا رہا ہے۔ یا اکیلا ہی خالق و ناظم سب کچھ صحیح اور ٹھیک کر رہا ہے؟ سُن رکھو، وہ خدائے واحد ہی کافی و وافی ہے۔ اس کو کسی بھی مددگار کی ضرورت نہیں۔ وہ جب تک اور جیسا چاہتا ہے اپنے غلاموں سے کام لیتا ہے۔ باطل پرستوں کی تردید اور معقول تردید کرنے کے لیے فرماتا ہے۔ کہ خدمت گاروں کو فاعل مختار یا خدا کے شریک نہ جان لینا کہ ان کے بغیر نظامِ فطرت چل نہیں سکتا۔ یہ عقیدہ باطلِ محض ہے۔ وہ جب چاہتا ہے، فرشتوں کو ان کی خدمات سے برطرف کر دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر میں ارادہ کروں تو مسیح اُس کی والدہ اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب کو تباہی کے گھاٹ اتار کر امکانِ محض میں لے جاؤں۔ مجھے کون روکنے والا ہے یہ تمام من دون اللہ پرستوں کے لیے سبق آموز ڈانٹ ہے۔ اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانات ہیں۔ پس جہاں تک جلد ہو سکے۔ ان مشرکانہ عقائد سے الگ ہو کر توحید پر کاربند ہونا ضروری ہے، کیوں کہ اسی میں فلاح و بہبود ہے۔ نہ خدا جنا گیا ہے، نہ وہ کسی کو جنتا ہے۔

وہ ہر عیب سے منزہ اور پاک ہے۔

(۸۲) سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ پاک ہے (اللہ کامل مطلق ہر نقص سے بری ہے اور) زمین و آسمانوں کی ربوبیت کرنے والا (اور) ربوبیت کرنے والا (اپنی تمام مملکت حکومت وسلطنت، یعنی) عرش کا اس سے (منزہ ہے) جو (مشرکین وغیرہ خیالات) بیان کرتے ہیں (ہاں اگر وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے، تو میں اس کا پجاری بن جاؤں، کیوں کہ اس صورت میں خدا اپنی رضا کو اپنے بنائے ہوئے بیٹے کی رضا کے ماتحت کر دے گا۔ غرض نہ ایسا ہو سکتا ہے، نہ میں سوائے خدا کے کسی کی پوجا کا مجاز ہوں۔ اس کو ایسے گورکھ دھندوں کی کیا حاجت ہے؟ ایسے کھلے اور واضح بیان سے بھی اگر کوئی راہ حق سے پہلوتہی کرے، تو اس کا کیا علاج؟)

(۸۳) فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ○ پس (اے رسولؐ!) ان (باطل پرستوں) کو چھوڑ دے کہ مخول کریں اور کھیلیں (اور بے نتیجہ باتوں میں اپنا وقت ضائع کریں)، یہاں تک کہ یہ ملیں اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (یہ قیامت کا دن ہے، جب اُن کے اعمال ان کے سامنے آجائیں گے)

(۸۴) وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ○ اور وہی ہے آسمان میں معبود اور وہی ہے زمین میں معبود (اس کے سوائے کوئی بھی لائق پرستش نہیں ہے، کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی بھی خوبیوں کا مالک نہیں ہے) اور وہی (خدا اکیلا معبود) ہے اصل حکمت والا (اور) اصل علم والا (اس کے کام غلطی اور نسیان سے پاک ہیں۔ وہ تمام اشیاء کو درجہ بدرجہ ترتیب اور ترقی دے رہا ہے)

(۸۵) وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ اور بڑی برکت والا ہے وہ (خدا) جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو ان (ارض و سما) کے درمیان (وسائط وغیرہ) ہیں (ان پر بھی خدا ہی کا غلبہ ہے) اور اسی (خدا) کے پاس ہے علم قیامت کا اور اُسی کی طرف تم (اے انسانو!) لوٹائے جاتے ہو۔

(۸۶) وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اور نہیں اختیار میں رکھتے وہ لوگ جن کو یہ (مشرکین) پکارتے ہیں۔ اس (اللہ کامل مطلق) کے سوا شفاعت کرنا (شفاعت ساری کی ساری اللہ کے واسطے ہے۔ اُس کے سوا کوئی شفیع نہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا) مگر وہی (خدا) ہے جس نے سچی (سچی) گواہی ساتھ حق کے دے دی (اس کی رحمت ہے جو کام آتی ہے وہی پناہ دیتا ہے اس کے بغیر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ وہی نازک سے نازک موقعے پر دستگیری فرما کر مشکلات کو حل کر دیتا ہے) اور وہ لوگ جانتے ہیں (ان کو اس چیز کی خبر ہے مگر یہ لوگ دانستہ ضد و شرارت کی وجہ سے اڑے ہوئے ہیں، ورنہ واضح دلائل اور بینات اور رشا ہدات سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ فرمایا:)

(۸۷) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ اور اگر تو ان (کفار و مشرکین) سے (بھی) پوچھے کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ (تو ان سے سوائے اس جواب کے اور کوئی بات بن نہ آئے گی کہ) البتہ کہیں گے (کہ) اللہ (کامل مطلق ہی) نے (ہمیں پیدا کیا ہے اور اگر یہ بات ہے، تو یہ ظالم) پھر کہاں بہکے جاتے ہیں؛

(۸۸) وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ اور کہا (کرتا) ہے (نبی کہ) اے میری (اور سب کی) ربوبیت کرنے والے (خدا) تحقیق یہ لوگ ایسی قوم ہے۔ کہ (تجھے) نہیں مانتے۔

(۸۹) فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○ پس ایسوں سے منہ پھیر لے (اے رسولؐ) اور کہہ سلام (ہم تو سلامتی کے خواہاں ہیں، مگر تم اپنے فوائد اور فلاح دارین کے دشمن بن رہے ہو۔ ہم کوئی جبر تو کرنے سے رہے۔ پس) وہ جلد ہی (اس مصیبت اور وبال میں پھنس کر) جان لیں گے (کہ برائی کا انجام برائی ہوتا ہے اور خدا کیسا صحیح نتیجہ نکالتا ہے!

سُورَةُ الدُّخَان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) حٰمٓ ۚ یہ حروفِ مقطعات بطور بیج کے ہوتے ہیں جن کو درخت کی شکل میں دکھانا صرف رب العلمین ہی کی طاقت ہے۔ حٰمٓ کی تشریح یہ ہے کہ)

(۲) وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اور بیان کرنے والی کتاب۔

(۳) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ تحقیق اُتارا ہم نے اس (کتاب) کو برکت والی رات میں (نبیؐ پر جس وقت وحی ہوئی، تمام انسانوں پر رحم ہُوا، پس وہ وقتِ نزول با برکت ہُوا، اب جو بھی شخص یا قوم، قرآن سے برکت حاصل کرنا چاہے، کر سکتی ہے۔ کتابِ مبین برکتوں اور رحمتوں سے بھرپور ہے۔ اس میں افعال کا ذکر اور سرکشیوں کی سزاؤں کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے)، تحقیق ہم (خدا) ڈرانے والے رہے ہیں (یہ ڈرانا بھی با برکت ہے، تاکہ اس کا پورا پورا اثر ہو)

(۴) فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ بیچ اس (برکت والی رات) میں ہر حکمت والا کام فیصل کیا جاتا ہے

(۵) اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۙ (یعنی) حکم ہوتا ہُوا ہمارے (یعنی خدا کے) پاس سے (تاکہ بندوں کی رسولوں کے بعد اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔ جیسے فرمایا) تحقیق ہم (خدا ہی) ہیں بھیجنے والے (رسالت کے واسطے خدا تعالےٰ اپنی حکمت کاملہ سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے اور)

(۶) رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ (اور یہ رسالت کا ملنا) رحمت ہوتی ہے تیری ربوبیت کرنے والے کی طرف سے تحقیق وہ (خدائے رحیم) بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (وہ کسی کام میں بھولتا نہیں، جہاں جو مناسب ہوتا ہے، کرتا

ہے۔ رسالت عطا کرنے میں بھی یہی حکمت و دانائی کارفرما ہے۔ غرض وہ سمیع و علیم کسی حال میں بھی اپنی مخلوق سے بے خبر نہیں۔ وہی تو ہے جو اتنی مہربانیاں کرتا ہے اور جسے جس لائق پاتا ہے، عنایت فرماتا ہے)

(۷) رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ○ ربوبیت کرنے والا آسمانوں کا اور زمین کا اور جو اُن کے درمیان ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

(۸) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ○ نہیں کوئی الٰہ (معبود) مگر وہ (جو ایک ایک ذرّہ تک کا خالق اور رب ہے۔ پھر اپنی مخلوق پر اُس کا اختیار دیکھو جس کا تم کو بھی اقرار ہے کہ وُہی الٰہ) زندہ کرتا اور مارتا ہے (زندگی اور موت اس کے قبضہ میں ہے) پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے پہلے آباؤ (اجداد) کا ہے (اتنی زبردست دلیل کے بعد بھی ان ضدی طبائع کا کیا حال ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ حق کو اپنے فوائد کے لیے تسلیم کرتے۔ مگر ایسا نہیں کرتے)

(۹) بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ ○ بلکہ یہ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں (اور اپنے انجام کی طرف سے سخت غفلت میں ہیں۔ یاد رکھیں کہ اس ضد و تغافل کا نتیجہ بہت برا نکلے گا)

(۱۰) فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ○ پس (اے رسول تو) انتظار کر (اُس دن کا) جس دن آسمان (ایک) صریح دھواں لائے گا۔

(۱۱) یَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ ڈھانپ لے گا لوگوں کو (دم گھٹنے لگے گا اور اُن کے ہوش و حواس سلب ہو جائیں گے) یہ دردناک عذاب ہے (یہ عاقبت کے عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ پھر کہیں گے کہ)

(۱۲) رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ○ اے ہمارے رب، ہم سے یہ عذاب کھول دے، تحقیق ہم (اب تجھے) مانتے ہیں (لیکن عین عذاب کی گرفت میں اقرارِ توحید بے سود ثابت ہوتا ہے۔ خدا کے ہاں وُہی ایمان مقبول ہو سکتا ہے، جو عقل و حواس کی آزادی میں حاصل کیا جائے۔ عذاب کے خوف سے پیدا ہونے والا ایمان درحقیقت کوئی ایمان نہیں۔

(۱۳) اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ○ کہاں ہے واسطے

اُن کے نصیحت (ہرنفس کو طبعی طور پر تقویٰ و فجور کا الہام کیا، اسی پر بس نہیں، بلکہ) اور تحقیق آیا اُن کے پاس رسول (احکامِ خداوندی کو کھول کھول کر) بیان کرنے والا (مگر اُنھوں نے نہ صرف اُس کی لائی ہوئی تعلیم کو قبول ہی نہیں کیا، بلکہ ظلم و استبداد کے ساتھ اس کی مخالفت پر کھڑے ہوگئے جیساکہ ارشاد ہے :)

(۱۴) ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝ پھر منہ پھیر لیا اس (تعلیمِ الٰہی) سے، اور بولے (کہ یہ رسول کسی اَور کا) سکھلایا ہوا ہے (نہ صرف یہ، بلکہ وہ) پاگل (ہے۔ جب اُن کی مخالفت اس حد تک پہنچ گئی، تو فرمایا)

(۱۵) إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝ بلاشبہ ہم عذاب کو کچھ وقت تک کھول دینے والے ہیں (عذاب کو ایک وقت مقرر تک ملتوی کر رہے ہیں، مگر تمھاری بُرائی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر بالفرض (تمھیں کچھ ڈھیل بل بھی جائے، تو بجائے اصلاح کے) یقیناً تم (پھر ظلم و کفر اور شرارت کی طرف) آجاؤ گے (پھر جب ہم خوب جانتے ہیں کہ تم سے کیا سلوک کرنا ضروری ہے، تو پھر ایسے موقع پر ڈھیل دینا کیا سراسر حکمتِ بالغہ کے خلاف نہیں : پس ہم ایسے وقت پر قطعاً عذاب کو واپس نہیں کرتے۔ ارشاد ہے کہ)

(۱۶) يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ۝ جس دن پکڑتے ہیں ہم پکڑنا بڑا (پھر تو) تحقیق ہم (تمھارے اعمالِ سیئہ کا) بدلہ لینے والے ہیں (یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہماری ہمیشہ سے یہی سنت جاری ہے کہ قوموں کو اصلاح کے لیے وقت اور مُہلت دیتے ہیں اور ہر طرح ان پر مہربانیاں فرماتے ہیں نیکیوں کی بشارت دیتے ہیں اور بُرائیوں کے نتائج سے خوف دلاتے ہیں اور آخرش جب ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ اب ان لوگوں کے لیے کوئی بشارت اور کوئی ڈراوا کارگر نہیں ہوسکتا، تو ناچار اُن پر اپنا عذاب مسلط کردیتے ہیں۔ فرمایا :

(۱۷) وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ۝

اور البتہ تحقیق ہم نے ان (قریش وغیرہ) سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا (فرعون اور اس کی قوم کو اپنے انعامات سے نوازا۔ انھوں نے عنایاتِ ربانی کی سخت ناقدری کی اور ان کو بے محل استعمال کیا ہم نے اُن پر اتمامِ حجت کرنے کے بعد آخر کار انھیں تباہ کردیا اور انھیں جہنم میں ڈال دیا) اور ان

کے پاس ایک عزت والا رسول آیا تھا۔ اس رسول نے آلِ فرعون کو کہا:)

(۱۸) اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ ۭ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ یہ کہ اللہ کے ان (فرماں بردار اور مومن) بندوں کو میرے حوالے کر دو۔ تحقیق میں تمہارے لیے (اللہ کا بھیجا ہوا) امانت والا پیغمبر ہوں (میری یہ باتیں خدا کی طرف سے ہیں۔ اگر تم ان کا انکار کرو گے تو یہ تمہارا خدا سے مقابلہ کرنا ہے۔ ایسے زبردست مالک سے ڈرو اور اس کے احکام کے آگے سرنگوں ہو جاؤ)

(۱۹) وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰہِ ۚ اِنِّیْٓ اٰتِیْکُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ اور یہ کہ اللہ (کامل مطلق) کے سامنے سرکشی نہ کرنا (پھر تو عذاب کے شکنجے میں آ جاؤ گے، کیوں کہ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے) تحقیق میں تمہارے پاس صریح دلیل لایا ہوں (میرا کوئی اختیار نہیں۔ یہ اب اللہ تعالیٰ کے بس کی بات ہے اور تمہارا معاملہ براہ راست خدا کے ساتھ ہے)

(۲۰) وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۝ اور تحقیق میں نے پناہ پکڑی ہے اپنی ربوبیت اور تمہاری ربوبیت کرنے والے (رب العلمین) کی یہ کہ مجھے سنگسار نہ کر دینا (میرا تمہارا جھگڑا ہی کیا ہے، یعنی خدا کا پیغام دیتا ہوں، مانو نہ مانو تمہیں اختیار ہے۔ جبر تو ہے نہیں۔ اپنے نفع و نقصان کو سمجھ لو، جو اپنے لیے چاہتے ہو اس پر گامزن رہو)

(۲۱) وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ۝ اور اگر میری بات نہیں مانتے۔ پھر مجھ سے الگ ہو جاؤ (آخر اس رسولؑ نے خدا سے مخاطب ہو کر عرض کی۔ ارشاد ہے:)

(۲۲) فَدَعَا رَبَّہٗٓ اَنَّ ھٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝ پس دعا مانگی اپنے رب سے (کہ یا اللہ) تحقیق یہ قوم بڑی مجرم ہے (تیرے حکم کے مطابق بہت کچھ سمجھایا ڈرایا اور تیرے نشان دکھائے، مگر یہ اپنی ضد و شرارت سے ایک انچ بھی نہیں ہٹے، بلکہ اور بھی طغیانی میں بڑھ گئے حکم ہوا، اب ان کا وقت قریب آ گیا ہے)

(۲۳) فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ پس تم میرے بندوں (بنی اسرائیل مظلوموں) کو رات کو (یہاں سے) لے جاؤ تحقیق تمہارا تعاقب ہوگا (اگر تم بچ نکلو گے اور

متبعین تباہ ہوجائیں گے جیسے فرمایا کہ)

(۲۴) وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ○ چھوڑ جا سمندر کو تھما ہوا تحقیق یہ لشکر ہے غرق ہو جانے والا۔ (کوئی چیز بھی اُن کے کام نہ آئی)

(۲۵) كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۷﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ○ کتنے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور عزت کی حویلیاں اور آرام و آسائش کی نعمتیں، جن میں عیش کیا کرتے تھے (سب کچھ یہیں دھرا رہ گیا اور ساری شیخی کرکری ہوگئی کہاں ہے وہ متکبر فرعون اور اس کے بدباطن مشیر؟ یاد رکھو، اس خوفناک انجام میں غور و فکر والوں کو بڑا سبق ملتا ہے۔ فانی دنیا پر ہی ریجھ بیٹھنا اور عقبیٰ سے بے خوف ہو جانا، انسان کی بہت بڑی حماقت ہے)

(۲۸) كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ بات یوں ہی ہے (سرکشوں کا انجام ایسا کچھ ہی ہوتا آیا ہے اور آئندہ بھی یہی ہوتا رہے گا۔ فرعونیوں کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا) اور وارث کیا ہم (خدا) نے ان (جابر و مفسد لوگوں) کا (ایک) اور قوم کو (پھر اس قوم کے بہت بعد بنی اسرائیل کو زمین کا وارث کر دیا۔ تلك الايام نداولها بين الناس۔ مگر بہت بہتر ہیں وہ، جو اپنے پروردگار کے احکام کی پابندی کریں۔ تاکہ ان کا انجام اچھا ہو۔ غرض فرعونیوں کے خوفناک انجام پر کسی کو بھی ذرہ بھر افسوس نہ ہوا، کیوں کہ وہ تھے ہی اسی لائق۔ کیا یہ موجودہ متکبر اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں گے اگر نہیں، تو یہ بھی تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گے۔ ابھی موقعہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرلیں، ورنہ کس مپرسی کی حالت میں برباد کر کے بادیہ میں ڈالے جائیں گے اور کوئی ان پر آنسو بہانے والا تک نہ ملے گا۔ ظالموں کی تباہی سے زمین میں امن قائم ہو جاتا ہے اور مظلوم بھی مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے مٹ جانے کا کسی کو افسوس نہیں ہو سکتا۔ دیکھو، فرعون اور آلِ فرعون کی تباہی پر کسی کو ذرہ برابر افسوس نہ ہوا۔ فرمایا:)

(۲۹) فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ○

پس نہ رویا ان (ظالموں اور مفسدوں) پر آسمان اور (نہ) زمین (ہی روئی۔ عذاب کا وقت آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ فرمایا) اور نہ ان کو ڈھیل ہی دی گئی (غرض موقعہ ہی نہ دیا گیا، کیوں کہ اُن کی مہلت گذر چکی تھی۔ تمام غرور و تکبر خاک میں مل کر رہ گیا اور رُو سیاہ ہو کر عاقبت میں جا پہنچے۔

خدا کی قدرت کاملہ کا اٹل قانون ہے اور اس کی یہ سنت ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ ہی جاری رہے گی اور اس کی مشیت مظلوموں کی حمایت میں ظالموں سے اُن کا انتقام بہرحال لے کر رہتی ہے۔ جب فرعون کا ظلم اور بنی اسرائیل کی مظلومیت اپنی حد سے بڑھ گئی، تو اسی سنتِ قدیمہ کے مطابق مفسدین اپنے انجام کو پہنچے۔)

دوسرا رکوع (۳۰، ۳۱) وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ مِنَ ٱلْعَذَابِ ٱلْمُهِينِ ﴿۳۰﴾ مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا مِّنَ ٱلْمُسْرِفِينَ ○ اور البتہ تحقیق ہم (خدا) نے بنی اسرائیل کو رسوا کرنے والے عذاب سے نجات دی فرعون کی طرف سے (بچوں کا قتل کرنا، عورتوں کا زندہ رکھا جانا، ہر ذلیل کام کا بنی اسرائیل کے حصہ میں آنا اور ان کو بے شمار تکلیفیں پہنچانا) تحقیق وہ (فرعون) سرکش (اور) حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا (غرض ایسے شریر و مفسد کی ایذا رسانیوں سے بنی اسرائیل کو نجات ملی۔ علم خداوندی کے مطابق دونوں فریقوں کا انجام الگ الگ ہوا بنی اسرائیل ۴۰ برس تک میدان میں رہے۔ اس طویل مدت میں اُن کے خیالات میں بہت بڑا تغیر آ گیا۔ اُن کی نسلیں جفاکش اور حوصلہ مند بن گئیں اور سموئیل نبی اور طالیق بادشاہ کے ماتحت ان جفاکشوں اور بہادروں نے خوب عروج پایا اور دور دُور کے علاقوں پہ قابض ہو کر امن و سلامتی کا بول بالا کیا۔ غرض اس استبداد سے خلاصی پانے کے بعد ان کا مستقبل بہت روشن ہوا۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۳۲) وَلَقَدِ ٱخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ۚ اور البتہ تحقیق ہم (خدا) نے اُن (بنی اسرائیل) کو (دوسری) اقوام (مثلاً عمالقہ، شامی اور مصری قوموں) سے دانستہ منتخب کر لیا تھا (ہم ان میں پیغمبر چنتے رہے، ان میں سے بادشاہ بناتے رہے اور ان کی آزمائش لیتے رہے۔ یہ عروج ہم نے ان کو قصداً، عمداً دیا، نہ کہ سہواً۔ کیوں کہ وہ اپنے اعمال کے باعث اس کے مستحق تھے)۔

(۳۳) وَءَاتَيْنَٰهُم مِّنَ ٱلْءَايَٰتِ مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٌا۟ مُّبِينٌ ○ اور ہم نے اُن کو ایسی آیات دی تھیں، جن میں صریح آزمائشیں تھیں (یہ دوسری بات ہے کہ انھوں نے علم کے بعد آپس میں اختلاف کیا اور ہم نے ان کو جیسا پایا، ویسا بدلہ، جزا یا سزا) دی نیکی اور بدی کے اثرات جب دنیا میں نظر آ جاتے ہیں، تو کیا اہلِ عقل اس سے عقبیٰ کا اندازہ نہیں لگا سکتے؟ بنی اسرائیل کے مد و جزر سے بھی بہت سے سبق حاصل ہوتے ہیں اور عاقبت کا ثبوت ملتا ہے

مگر ضد اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج ؟)

(۳۴) اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا
نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ○ تحقیق یہ (کافر) لوگ البتہ کہتے ہیں (کہ) ہماری پہلی موت کوئی نہیں، مگر
یہی جو یہاں (ہی ہم) مرتے ہیں اور نہیں ہم اٹھائے جاتے (یعنی ہمیں صرف ایک ہی بار مرنا ہے۔ دو مرتبہ
مرنے اور دو مرتبہ جینے کے ہم قائل نہیں ہیں)

(۳۶) فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اگر تم (اپنے اس بعث ونشر کے دعوے
میں سچے ہو، تو پس ہمارے آباؤ (واجداد) کو (زندہ کرنے ہمارے سامنے دنیا میں) لے آؤ (کیا عجیب
وغریب عقیدہ ہے کہ ایک طرف تو موت کے بعد جی اٹھنے کے قائل نہیں اور دوسری طرف بندگوں
سے مرادیں مانگتے اور اُن کی شفاعتوں کے قائل ہیں۔ یہی حال ملائکہ کی پرستش کرنے والوں کا ہے۔
یہ لوگ اس پہ ایمان نہیں لاتے کہ خداوندِ کریم زندہ کرتا ہے، پھر مارتا ہے، پھر پیشی کے واسطے لے جاتا ہے،
لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے اکثر کو اس کا علم نہیں، یعنی اس کی حقیقت سے جاہل ہیں۔کیا یہ اس بات
کو نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے ظالموں اور مفسدوں وغیرہ کا کیا انجام ہوتا رہا ہے۔ تو کیا اگر یہ اسی طرح
سرکشی پر اُترے رہے تو ان کی بھی وہی حالت نہ ہوگی؟ یہ شرارتیں اور ناجائز اعتراضات کرنا ان کے
حق میں اچھا نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنے اردگرد نگاہ ڈالیں اور غور وفکر سے کام لیں کہ دوسرے بدکرداروں
کو کیسی عبرت ناک سزا ملتی رہی ہے۔ پھر ان سے ایسا سلوک کیوں نہ کیا جائے گا؟ فرمایا :)

(۳۷) اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ
كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○ کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم تُبّع کی (بادشاہ تھا کہ ساری قوم اس کی تابع تھی، جو
اپنی سرکشی کے باعث کیفرِ کردار کو پہنچی، بتاؤ اب وہ کہاں ہے ؟ (سورۂ قٓ میں ان کا ذکر آیا ہے۔
قومِ نوح، اصحاب الرس، قومِ ثمود، ایکہ والے اور قومِ تُبّع یہ تمام لوگ رسولوں کی تکذیب یعنی پیغامِ حق سے
رُوگردانی کے مجرم تھے پس ان پہ عذابِ الٰہی وارد ہو گیا اور وہ جہنّم میں پہنچائے گئے) اور وہ لوگ کہ
اُن سے پہلے تھے، ہم نے ان کو (بھی) ہلاک کر دیا (اس لیے کہ) بلاشبہ وہ مجرمین تھے (پس اے
مجرمین اپنے خوفناک انجام سے ڈرو اور اپنی اصلاح کرو۔ دیکھو تمہارے گردونواح میں بھی تباہی
کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ علاوہ مذکورہ اقوام کے عرب کے کئی اَور بادشاہ، عاد ثمود، مدین والے، قومِ لوط
وغیرہ مجرم ہونے کے سبب مختلف عذابوں سے شکنجے میں لے جائے گئے۔ یاد رکھو، واضح دلائل کا

انکار کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ کیا ارض وسموات میں کھلے اور روشن دلائل نہیں ہیں؟ کیا قدرت کا یہ عظیم الشان کارخانہ عبث اور بے فائدہ ہے؟ کیا ان چیزوں کا باہمی نظم ونسق اس کے نتیجہ خیز ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ فرمایا:)

(۳۸) وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○ اور (خدا) نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان (ارض وسموات) کے درمیان (وسائط، تحریکات، روشنی، کشش وغیرہ) ہے (اُن) کو کھیلتے ہوئے نہیں پیدا کیا (یاد رکھو، ہمارے تمام کام حکیمانہ ہوتے ہیں)۔

(۳۹) مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ اور ہم نے ان (ارض وسموات اور وسائط) کو نہیں پیدا کیا، مگر حق (اور تدبیر) کے ساتھ (غور وفکر کرنے والے ان میں سے بہت کچھ حاصل کرتے ہیں اور ان کو بڑی بڑی معلومات ملتی ہیں) ولیکن ان کے اکثر (جاہل سرکش اور مغرور ومتکبر لوگ) نہیں جانتے (اور نہ جاننے کی کوشش ہی کرتے ہیں۔ اگر وہ نگاہ غور سے کام لیں، تو ان کو معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ نے ذرہ ذرہ میں ترکیب وترتیب دی ہوئی ہے۔ اس کے پیدا کیے ہوئے سارے نظام میں کہیں بھی غلطی کو راہ نہیں۔ کہیں بھی فتور نہیں۔ ایسے منظم کارخانے کے خالق سے انکار کرنا محض کورچشمی ہے۔ یاد رکھو تمھاری فطرت بھی حق کے مطابق ہی بنائی گئی ہے۔ تمھیں عبث ہی نہیں بنایا گیا۔ تم اپنے کاموں کے جواب دہ ہو۔ تمھارے کاموں ہی سے اچھے یا بُرے نتیجے نکلتے رہتے ہیں۔ تمھیں چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا برمحل استعمال کرو۔ اور اس کے قوانین کی اطاعت کر کے سچے شکر گذار بن جاؤ، تاکہ تمھارا انجام اچھا ہو۔ نیکی اور بدی کی جزا وسزا کا دن بہرحال آکر رہے گا۔ اُس روز تمھارے تمام اعمال کا پورا پورا محاسبہ ہوگا۔ مال ودولت یا افراد کی گنتی سے دھوکا نہ کھاؤ۔ اکثریت پر نہ پھولو۔ اکثر خیال واجماع گمراہی پر ہیں۔ بڑی بڑی جماعتیں بھول پر ہوتی ہیں۔ علم وعقل والے حقیقت شناس لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ عقل ونظر کے مریض دنیا میں ہمیشہ کثرت سے ملیں گے۔ بس کثرت کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔

(۴۰) اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ تحقیق ان سب کا فیصلے کا دن (اپنے اپنے وقت پر) مقرر ہے جس طرح شیطان اپنے اپنے وقت پر لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا ہے، اسی طرح فیصلہ بھی مختلف اوقات میں ہوتا رہتا ہے۔ نہ لوگ اکٹھے پیدا ہوتے ہیں،

نہ اکٹھے مرتے اور نہ اکٹھے اٹھائے ہی جاتے ہیں۔ نہ وہ ایک ہی وقت میں نیک یا بُرے بنتے ہیں، تو اُن سب کا حساب کیوں کر ایک ہی وقت میں ہو سکتا ہے۔ حساب کا دن ایسا دن ہے کہ)

(۴۱) يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۴۲﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۚ إِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ جس دن کوئی دوست کسی دوست کے لیے کچھ کفایت نہیں کرتا اور نہ وہ مدد دیے جاتے ہیں (کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ صرف رحمتِ الٰہی جس کو مناسب دیکھتی ہے، اس پر مہربانی کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے) مگر جس پر رحم کیا اللہ (کامل مطلق) نے (اس پر رحم ہوتا ہے اللہ کی رحمت ہی اُس سے سفارش کرتی ہے۔ اُس کا ہر کام عین مناسب اور بے غلط ہوتا ہے۔ اس کی رحمت نے سب کو گھیرا ہوا ہے۔ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا۔ فرمایا:) تحقیق وہی (اللہ کامل مطلق فاعل مختار) ہے اصل عزت (و غلبہ) والا اصل رحمت کرنے والا (فرعون بے وجہ بنی اسرائیل کی تباہی کے درپے تھا۔ وہ اُن کی سخت ذلت و توہین کرتا تھا اور اپنے کو غالب و عزیز جانتا تھا۔ اس غرور و تکبر کی وجہ سے خدائے عزیز و حکیم کو فراموش کیے ہوئے تھا جس کے نتیجہ میں جہنم رسید ہوا۔ اور نیکوکار فرماں بردار لوگ دنیا و عاقبت میں انجام کے لحاظ سے فلاح پا گئے۔ یاد رکھو، سزا و جزا کے عالم میں کوئی بڑے سے بڑا دوست بھی ایک دوسرے کے کسی طرح بھی کام نہیں آتا۔ صرف رحمت الٰہی ہی کام آتی۔

تیسرا رکوع اب اس رکوع میں مجرموں اور گناہ گاروں کی حالت اور اُن کی خورد و نوش کا ذکر فرمایا:

(۴۳) إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿۴۴﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۛ تحقیق تھوہر کا درخت گنہگار کا کھانا ہے۔ (اثیم حد سے نکلا ہوا مجرم ہے۔ زقوم دست اور قے لانے والی چیز ہے۔ یہ قدرتی مسہل ہے۔ اس عالم لطیف میں درخت بھی لطیف فوائد دیتا ہے۔ ورنہ آگ کے درخت کا ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ غرض یہ زقوم)

(۴۵) كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿۴۶﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ۝ گلے ہوئے تانبے کے مانند پیٹوں میں کھولتا ہے جس طرح گرم پانی کھولتا ہے (علاج اور اصلاح کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے ان بیماریوں کے لیے، جو دنیا میں نافرمانی، سرکشی وغیرہ کرنے سے لاحق ہوئی تھیں یہی طریق علاج ہے۔ جب تک مریض بالکل صحت یاب نہ ہو جائے جہنم کے شفاخانے سے اس کا نکلنا محال ہے۔ پھر اس خوراک کے بعد کارکنانِ قدرت کو حکم ہوتا ہے کہ)

(۴۷) خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ اس کو پکڑو، پھر اس کو گھسیٹ کر جہنم کے درمیان لے جاؤ۔

(۴۸) ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو۔

(۴۹) ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ (مریض سے کہا جاتا ہے، اس عذاب کا مزہ) چکھ تحقیق تو عزت والا بزرگی والا ہے۔ (مجرم اپنے آپ کو دنیا کی زندگی میں، دولت و ثروت یا حکومت کے نشے میں ایسا ہی سمجھتا تھا اور غرور و تکبر کے ساتھ، دعوت توحید سے مُنہ موڑ چکا تھا۔ فرمایا:)

(۵۰) اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ تحقیق یہ ہے وُہ چیز جس کے ساتھ تم شک کرتے تھے (اس کا خیال تھا کہ موت کے بعد کوئی عذاب و ثواب، کوئی جزا و سزا نہیں ہے۔ مجرموں کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد اب متقین کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے)

(۵۱) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۝ تحقیق (اپنے رب سے) ڈرنے والے (لوگ) امن والے مقام میں ہیں۔

(۵۲) فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (یعنی) باغوں اور چشموں میں۔

(۵۳) يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ پہنتے ہیں نرم ریشم کو (بسبب اپنی نرمی کے برتاؤ کے) اور دبیز ریشم (مخمل وغیرہ، بسبب اپنے مضبوط عقیدۂ توحید کے) ایک دوسرے کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ یہاں انھیں ہر طرح کا آرام دیا جاتا ہے اور یہی ان کی نیک اور پاکیزہ زندگی کا اجر ہے)

(۵۴) كَذٰلِكَ ۖ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝ (وہاں وہ) اسی طرح (کے آرام

وآسائش میں رہیں گے) اور ہم (خدا کامل مطلق) نے ان (اہل جنت) کو اچھی آنکھوں (یعنی شرم وحیا اور محبت) والی سفید رنگ کی (پاک باطن) عورتوں سے جوڑ دیا ہے۔

(۵۵) يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۝ؐ (یہیں امن کیساتھ کُل کھانے منگوا رہے ہیں (اور ان کو مل رہے ہیں۔ کیا یہ عیش وآرام وقتی اور ہنگامی چیزیں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمیشہ در ہمیشہ اُن کے درجات میں اضافہ ہوتا جائے گا، جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ وہاں نہ کوئی غم ہے نہ فکر اور نہ یہ کھٹکا ہے کہ کبھی نکالے جائیں۔ انتہا یہ ہے کہ وہاں موت بھی نہیں آئے گی۔ اس سے زیادہ اور تسکین وتسلی کیا ہوسکتی ہے؟ فرمایا کہ)

(۵۶) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ؐ (انھیں دنیا میں ایک بار جو موت آنی تھی، آچکی، اب اس کے بعد دوبارہ نہیں مریں گے) نہیں چکھنے کے اس (آرام آسائش کی جگہ) میں موت، مگر پہلی موت (دنیا میں ان پر وارد) ہوچکی ہے (اب موت کے کھٹکے سے بھی اطمینان کُلّی مل گیا) اور (کتنی بڑی مہربانی ہے کہ ہم نے) اُن کو جہنم کے درد دینے والے عذاب سے بچایا (ویسے تو جہنم کا ہر ایک شخص خواہ کوئی بھی ہو، مشاہدہ کرتا ہے۔ مریض دردناک بیڑیوں اور طوقوں میں جکڑا جاتا ہے اور جہنم رسید کیا جاتا ہے اور متقین کو بچایا جاتا ہے۔ یہی یہاں فرمایا کہ ایسے خوفناک مقام سے اُن کو محفوظ رکھا)

(۵۷) فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ یہ تیرے رب کا فضل ہے (جو ایسی مصیبتوں سے بچاتا اور ایسے دائمی آرام عنایت فرماتا ہے اور یہ بچایا جانا اور آسائش کا ملنا کیا تھوڑی چیز ہے؟) یہی تو بڑی کامیابی ہے (جس کے بعد کوئی خوف وغم ہی نہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئیے کہ اس نے اپنی مہربانی اور عنایت سے جہنم کے عذاب سے بچایا اور تمام مشکلات کو اپنے فضل سے آسان کردیا۔ اس کا نمونہ اس دنیا میں بھی موجود ہے کہ قرآن مجید کو آسان کرکے عربی مبین میں نازل فرمایا۔ عاقبت میں بھی پروردگار آسانیاں بہم پہنچانے گا۔ قرآن مجید اگر کسی اور زبان میں نازل ہوتا، تو بڑی تکالیف کا موجب بنتا۔ اس لیے بھی یہ کتاب آسان ہے کہ اس کی زبان زندہ رہے گی، ورنہ اکثر زبانیں مُردہ ہوچکی ہیں اور بعض میں ملاوٹ آگئی ہے، مگر عربی زبان اور اس کے بولنے والے ہمیشہ رہیں گے۔ خاص کر قرآن مجید تو خدا کی حفاظت میں ہے۔ غرض پروردگار ہر طرح اپنے بندوں پر آسانیاں بہم پہنچاتا ہے۔ وہ خود مشکلات کو دعوت دیں، تو اس کا کیا علاج؟ فرمایا)

(۵۸) فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ پس سوائے
اس کے نہیں کہ ہم نے اس (قرآن مجید) کو تیری (رسولِ عربی کی) زبان میں آسان کر دیا ہے۔
کہ تجھے سمجھ آجائے اور دوسرے لوگ بھی سمجھ لیں اور پھر دوسروں تک بھی پہنچایا جائے، تاکہ
عالمگیر پیمانے پر اس کی تبلیغ ہوتی رہے۔ مخاطبِ اول پر کتنی بڑی مہربانی ہے کہ اس کی زبان
میں قرآن اُتارا، کیوں کہ وہ تو اور کوئی زبان جانتے ہی نہ تھے۔ یہ عربی میں نزول بہت بڑا احسان
ہے۔ اس پر شکر کرنا لازم ہے) تاکہ یہ لوگ (اس قرآن مجید سے) نصیحت پائیں (اور خدائے قدوس
کی تعریف کے گیت گائیں، یہ تو شکر گذاروں کا شیوہ رہے گا، مگر ناشکرے لوگ احسان فراموشی
کرکے ایسے محسنِ حقیقی سے منہ پھیرتے ہیں۔)

(۵۹) فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ○ پس تو انتظار کر تحقیق یہ (ناشکر گذار
لوگ) بھی انتظار کر رہے ہیں (قریب ہی دیکھا جائے گا کہ انجام کی رُو سے کون فائز المرام ہے؟)

سُورَةُ الجَاثِيَه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ سورۃ الجاثیہ ہے۔ اس کو بھی حٰمٓ سے شروع کیا ہے جن سورتوں کی ابتداء میں یہ حروف آئے ہیں، ان میں توحید اور وحی الٰہی کا ذکر مختلف طریق سے کیا گیا ہے۔ اس سے پہلی سورۃ الدخان کو بھی حٰمٓ ہی سے شروع فرمایا تھا اور اس میں بھی توحید و وحی کا بیان ہے اور بتلایا گیا ہے کہ فرعون بنی اسرائیل کو سخت ایذائیں دیتا اور بہت ہی ذلیل کرتا تھا۔ اپنے آپ کو بڑا بلند مرتبہ اور صاحب اختیار جانتا تھا۔ وہ اس بات کو فراموش کیے ہوئے تھا کہ خداوند کریم ہی اصل عزیز اور اصل حکیم ہے۔ پھر بتایا گیا ہے کہ متکبرین و مفسدین جہنم میں اور متقین جنات میں پہنچے اور فرمایا کہ جزا و سزا کے معاملہ میں اس عالم میں کوئی دوست، کوئی شفیع قطعاً کسی کے کام نہیں آتا صرف رحمت الٰہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

اس سورۂ جاثیہ میں بھی نئے اسلوب سے بتایا کہ غور و فکر کرنے والوں کے لیے بڑی روشنی موجود ہے اور بڑے سے بڑے نتائج اُن کے سامنے آجاتے ہیں۔ ارض و سموات کی تخلیق کرنے والے اور ایک سے دوسرے کو زبردست تعلق دینے والے کا کھلا ثبوت مل جاتا ہے۔ پھر انسان و حیوان کی پیدائش، اُن کے مناسب ان کی خوراک، لیل و نہار کا اختلاف اور مختلف ہواؤں کا چلنا، یہ سب اس کی قدرت کاملہ کے کرشمے ہیں۔ اس نے لاتعداد اشیاء کو آپس میں ایک ایسی ترتیب و ترکیب دی گئی ہے کہ غلطی کو کہیں راہ نہیں۔ اہل ایمان، جُوں جُوں ان باتوں پر غور کرتے ہیں، خدا کی وسیع و عظیم قدرتوں میں اُن کا یقین بڑھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحیفۂ فطرت اور قرآن مجید ایک ہی چیز ہے۔ یہ فعلی اور قولی، دونوں کتابیں ایک ہی مصنف کی ہیں۔ پھر ان میں اختلاف کیسے ہو سکتا ہے؟ ہر نبی کے ساتھ یہ میزان یعنی نور اتارا گیا ہے۔ اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ ہادی یعنی راہ بتانے والا ہے۔ اس کی ہدایت دینے کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک طاق ہو۔ اس میں چراغ ہو اور اس چراغ کو شیشے کی قندیل میں رکھا گیا ہو کہ زیادہ روشن ہو، گویا کہ وہ چمکتا ہُوا ستارہ ہے۔ اس کو دنیا کے تیل کی ضرورت نہیں، بلکہ وہ بذات خود روشن ہے۔ انبیاء اور غیر انبیاءؑ

سب اسی نور سے روشنی حاصل کرتے رہے ہیں۔ صحیفۂ فطرت کی مخالفت سے فطرت کا کوئی نقصان نہیں، بلکہ اُلٹا انسان ہی کو نقصان پہنچتا ہے۔ اُن کے لیے نہ دنیا میں بھلائی ہے اور نہ آخرت میں بہتری۔ اس کے برعکس جو لوگ قرآن مجید اور صحیفۂ فطرت کے محکم اصولوں کی پابندی کرتے ہیں۔ وہ توہمات سے بچ نکلتے ہیں۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور انھیں دنیا وعقبیٰ کی نعمتیں ملتی ہیں۔ اسی سورت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خدا نے جہان کو حق کے ساتھ بنایا اور یہ فضول نہیں بلکہ نتیجہ خیز ہے۔ یہاں ہر چیز کا صحیح نتیجہ نکلتا رہتا ہے اور کاموں کے مطابق ہی بدلہ ملتا رہتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ان حالات کے پیش آنے والے وقت کے لیے ایسے کام کرے، جن کا انجام بہتر نکلے۔ جب خدا کی بارگاہ میں حاضری یقینی ہے، تو خدائے مہربان کے آگے جھک جاؤ اور اس کی مخلوق میں حریت و مساوات کا برتاؤ کرو۔ تمھیں ہر ایک کام کے متعلق پوچھا جائیگا ایسے وقت کے لیے ایسے کام کرو، جو تمھارے آرام کا موجب بنیں، ورنہ سخت تکالیف کا سامنا ہوگا۔ ایسے نازک موقعہ پر کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ پروردگار رنگ رنگ میں آیات کو بار بار لاتے ہیں کہ تم غور و فکر کرو اور خدا کی مرضی کو مقدم رکھتے ہوئے اس کے فرماں بردار بن کر دائمی آرام پاؤ۔ اگر ایسا نہ کروگے، تو اپنا ہی نقصان کروگے۔ خدائے عزیز و حکیم کا کیا بگاڑ دوگے؟

پہلا رکوع (۱) حٰمٓ ○ (اب حٰمٓ کی تشریح باری تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں کہ حٰمٓ کیا ہے؟

(۲) تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ کتاب (قرآن مجید) کا اُتارنا اللہ (کامل مطلق) غلبے والے حکمت والے کی طرف سے ہے (وہ اللہ غالب حکیم اپنے فرماں بردار بندوں کو بھی حکمت سکھا کر غلبہ دے گا اور بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ پروردگار کے غلبے اور حکمت کا ثبوت یہ ہے کہ)

(۳) اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ تحقیق آسمانوں اور زمین میں البتہ ایمان داروں کے لیے (خدا کی قدرت کی بے شمار) نشانیاں ہیں (ارض و سموات کے سلسلہ میں روشنی، کشش و جذب، نر و مادہ والا تعلق وغیرہ دیکھ کر ایمان پیدا ہوگا)

(۴) وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ اور

تمھاری پیدائش میں (بھی) اور جانوروں میں (بھی) جن کو وہ پھیلاتا ہے یقین والوں کے لیے نشانات ہیں (جوں جوں انسان ان نشانیوں میں غور و فکر کرتا ہے۔ اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

(۵) وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝

اور رات اور دن کے اختلاف (میں بھی اللہ کی نشانیاں ہیں) اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق (میں) سے اتارا (یعنی بارش میں بھی اس کے نشانات ہیں) پس اس نے اس (بارش) کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا اور ہواؤں کے پھیر کر لانے میں (بھی) عقلمندوں کے لیے نشانات ہیں (لیل و نہار کی کمی بیشی: موسموں کے تغیر، بارشوں اور ہواؤں پر غور و فکر کرنے سے دانش حاصل ہوتی ہے۔ یہ تمام کارخانۂ قدرت خدائے عزیز و حکیم کے امر و تدبر کے ماتحت چل رہا ہے۔ فرمایا:)

(۶) تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۝ یہ (میری یعنی اللہ (کامل مطلق کی) نشانیاں ہیں انھیں ہم سچائی کے ساتھ تجھ پر بیان کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ کا قول اور فعل ایک دوسرے کی تشریح کرتے ہیں اور یہی حق کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ اب کسی اور صحیفے یا کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ مکمل دین ان میں آگیا۔ پھر ان سے باہر دین کی تلاش کرنا عقلمندی کے خلاف ہے (جو ایمان کو نقصان اور یقین کو صدمہ پہنچاتا ہے) پھر یہ (لوگ) اللہ اور اس کی نشانیوں (احکامات) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ (یاد رکھو ثابت شدہ حقائق کا انکار ناممکن ہے۔ ریاضی کے مسلّمات کبھی غلط نہ ہونگے۔ ہاں نظریات میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ حقیقت کبھی بھی تبدیل نہیں ہوتی غرض رسولؐ کریم پر یہ آیات حق کے ساتھ پڑھی گئی ہیں۔ اس میں حضورؐ کی اولیت کی خصوصیت ہے۔ پھر آپؐ کے ذریعہ سے یہ تعلیم لوگوں کو ملی اور غور و فکر کا دروازہ ہر وقت ہر کسی پر کھلا ہے۔ اس کتاب فطرت اور قرآن مجید سے ہر سلیم الطبع انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ہاں شریر و مفسد خائب و خاسر رہتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۷) وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۝ ہر بہت بڑے جھوٹے گنہگار کے لیے افسوس ہے۔

(۸) يَسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (کہ وہ) اللہ کی آیات (قدرتی اور قرآنی) کو (جب) اس پر پڑھی جاتی ہیں سنتا (تو) ہے (لیکن) پھر تکبر سے ضد کرتا ہے، گویا کہ ان (آیات) کو سنا ہی نہیں پس اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے (اس کے بعد دوسرا درجہ آتا ہے کہ)

(۹) وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ اور جب ہماری (خدا کی) کچھ آیات سے آگاہ ہوجاتا ہے، تو اُن کا مضحکہ اڑاتا ہے۔ یہ لوگ جو ہیں، ان کے واسطے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

(۱۰) مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ان کے آگے جہنم ہے اور ان سے کچھ بھی کفایت نہیں کرے گا، جو کچھ کہ انھوں نے (قوانینِ قدرت کے خلاف کیا یا) کمایا (بلکہ موجب عذاب ثابت ہوگا) اور نہ (وہی کام آئے) جن کو اللہ (کامل مطلق) کے سوا انھوں نے دوست پکڑا تھا (پھر ایسے لوگوں سے کیا سلوک ہونا چاہئیے؟ یہی کہ) اور ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب ہے

(۱۱) هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ یہ (قرآن) ہدایت (کی کتاب) ہے اور جنھوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں سے انکار کیا، اُن کے واسطے شدید قسم کا دردناک عذاب ہے (خدا کا یہ عذاب اُن لوگوں کے لیے ہے، جو عصیان وطغیان کی راہ میں حد سے آگے نکل جاتے ہیں اور دیدہ ودانستہ حقیقت کے انکار پہ تُل جاتے ہیں)

دوسرا رکوع (خدا تعالےٰ کی لاتعداد مہربانیوں پہ، اُس کی رحمتوں پہ غور کرو)

(۱۲) اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اللہ (کامل مطلق) ہی تو ہے جس نے تمھارے لیے سمندر کو مسخر کردیا (تمھارے قابو میں کردیا، تمھارے کام میں لگا دیا) تاکہ اس (سمندر) میں اُس کے حکم سے کشتیاں (اور جہاز وغیرہ) چلیں اور تاکہ تم اُس (خدا) کے

فضل سے (روزی) تلاش کرو اور (خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاؤ۔ جو چیزیں تمھارے ملک میں نہیں ہوتیں، وہ دوسرے ملکوں سے حاصل کرو اور اپنے علاقہ کی پیداوار دوسرے علاقوں میں پہنچاؤ۔ خدا تعالیٰ کی اس مہربانی کا مقصد یہ نہیں کہ تم سرکش و مغرور بن جاؤ، بلکہ یہ مہربانی اس لیے کی گئی ہے) تاکہ تم (اپنی ربوبیت کرنے والے منعم حقیقی کا) شکر بجالاؤ (اس میں بھی تمھارا ہی فائدہ ہے۔ ناقدردانی اور ناشکرگذاری کرنے سے کسی مصیبت میں پہنچو گے۔ سمندر ہی میں اتنے فوائد موجود ہیں کہ تم شمار نہیں کر سکتے۔ اس میں سے طرح طرح بیش بہا موتی نکلتے ہیں پھر تم سمندری جانوروں کا شکار کرتے ہو۔ اُن سے چربی اور تیل وغیرہ اشیاء حاصل کرتے ہو۔ تو تو کیا پھر یہ شکر کا مقام نہیں ہے۔ لہٰذا ہر کام قانونِ قدرت کے موافق کرو۔ مخالفت کرنے میں بہت بڑا خسارہ اٹھاؤ گے۔ ہر چیز میں غور و فکر کیا کرو، اس طرح عقل بڑھتی ہے۔ سوچ بچار سے حقیقت واضح ہوتی اور طبیعت شکرِ منعم کی طرف رغبت پکڑتی ہے۔ ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بڑے بڑے انعامات سے نوازے جاؤ گے۔)

(۱۳) وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ اور جو کچھ بیچ آسمانوں کے اور جو کچھ بیچ زمین کے ہے، سب کا سب اپنی (خدا) طرف سے تمھارے کاموں میں لگادیا (یہ تمام مہربانی اُسی اکیلے خدا ہی کی ہے۔ کسی اور کا اس میں ذرہ برابر احسان یا حصہ نہیں ہے۔ ان اشیاء سے دلائل حاصل کرو اور عقل و فکر سے کام لو۔ تمھیں بڑے بڑے عجائبات حاصل ہوں گے) تحقیق غور (و فکر) کرنے والی قوم کے لیے اس میں (قدرتِ الٰہی) کی نشانیاں ہیں (نادان اور جاہل لوگ، ان عجائبات قدرت کو دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتے، لیکن وُہ جنھیں دل کی بصیرت حاصل ہے، زندگی کے ایک ایک نشان پر غور کرتے اور نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اہلِ تقلید کی طرح یہ کہہ دینا کہ اسلاف یوں کہہ گئے ہیں، دل و دماغ کی بے بصیری کی علامت ہے۔ وہ ایک اُمت تھی، جو گذر گئی۔ وہ اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور ہم اپنے کاموں کے جوابدہ ہیں۔ ایک سے دوسرے کے کاموں کے متعلق سوال نہیں ہوتا۔ رسولوں اور دوسرے صالحین پر اللہ کی رحمتیں ہوں کہ انھوں نے دین میں اپنی رائے کا مقلد کبھی کسی کو نہیں بنایا اور نہ کبھی فہمِ دین کا حصر اپنی ذات پر رکھا۔ بحکمِ خدا غور و فکر کا دروازہ ہمیشہ سب کے واسطے کھلا ہے۔ تمام نیکوکار اللہ ہی کے فرمانبردار تھے۔ انھوں نے کسی کو اپنا فرماں بردار اور مقلد نہیں بنایا۔ وہ لوگ دین میں اپنی اپنی اطاعت کرانے نہیں آئے تھے، بلکہ صرف پروردگار کی اطاعت کی

ترغیب دیتے تھے۔ ہر شخص کتاب الٰہی میں سوچ سمجھ سے کام لینے کا مجاز ہے۔ عقل سے کام نہ لینے والوں پر پلیدگی ڈالی جاتی ہے۔ غرض عقل سے کام لینے کی ہدایت فرمائی اور آبائی تقلید سے روکا ۔۔۔۔ جو قوم عقل و دانش سے کام لے گی اور خالق و مخلوق کے حقوق کی نگہداشت رکھے گی، وہ دنیا و آخرت میں بہتری حاصل کرے گی۔ اُمراء قریش کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے اچھے دن کبھی نہ آئیں گے۔ اسی طرح ذلیل اور کمزور ہی رہ کر ختم ہو جائیں گے۔ وہ کیا جانیں کہ تلک الایام ندا ولہا کا قانون جاری و ساری ہے۔ نیک کام کرنے والوں کو بہترین ایام مل جاتے ہیں۔ جو خدا پر بھروسہ رکھ کر اچھے کام کرتے جائیں گے، وہ ضرور کامیابی سے ہم کنار ہوں گے۔ جن کو خدا پر کامل یقین نہیں ہوتا وہ نامراد رہتے ہیں۔ رسول کریمؐ کو حکم ہوا کہ ایسا کہنے والوں سے درگذر کرو اور بہتر سے بہتر کام خدا پر توکل رکھ کر کرتے جاؤ۔ پھر دیکھو کون فائز المرام ہوتا ہے اور کون خسارہ اٹھاتا ہے؟ فرمایا:

(۱۴) قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ ایمان لانے والوں سے کہہ دو (کہ) ان لوگوں سے جو (تم مسلمانوں کے لیے) اللہ تعالٰے کے (بھلے) دنوں کی امید نہیں رکھتے، درگذر کریں (ان لوگوں سے انتقام لینے کی فکر نہ کرو، بلکہ اس معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو۔ تم پر اچھا وقت ضرور آئے گا۔ ہم کسی کی محنت ضائع نہیں کیا کرتے۔ یہ ایام کا بدلنا اس لیے ہے) تاکہ بدلہ دے (اللہ) ہر قوم کو ان کے کاموں کے مطابق (یہ کاموں کے نتائج نکلتے ہیں، نہ کہ معجزانہ طریق برتا جاتا ہے۔ جیسا کوئی کرتا ہے، ویسا ہی پھل بھی پاتا ہے۔ بس یاد رکھو کہ)

(۱۵) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ○ جو اچھے کام کرے گا اپنے نفس کے لیے کرے گا (مصائب پر صبر کرنا، بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دینا وغیرہ۔ یہ سب خوبی کی باتیں ہیں) اور جو شخص بُرائی کرے گا، پس اس (کا وبال) اُس کے اوپر ہے۔ پھر تم (موت کے بعد) اپنے رب کی طرف پھیرے جاتے ہو (جہاں خدا کے فرماں بردار، اچھے عمل کرنے والے کو یقیناً اچھی جزا ملتی ہے اور بدکاروں، ناقدروں کو بُرا بدلہ دیا جاتا ہے۔ پس انسان کی بہتری، مخلص، نیک عمل، اور بے ریا بننے میں ہے۔ خود بھی اچھے کام کرے اور دوسروں کو بھی احسن طریق سے نیکی کی تعلیم دے۔ یاد رکھو مصلحین پر نہ خوف ہے نہ غم۔ ہمت و استقلال سے کام لو خدا تو

کریم حقیقی مددگار ہے۔ وہ ہر وقت ضرور امداد کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی، جو بے طرح ذلت اور غلامی میں گرفتار، اور حد درجہ گری ہوئی قوم تھی۔ ان کو موسیٰ کے ذریعے اس الم ناک مصیبت سے نجات دی۔ چالیس سال میدانی زندگی میں رکھکر جفاکشی وغیرہ کی تعلیم دی، پھر ان کی نسل کو وہ کچھ عنایت فرمایا کہ ان کو دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی۔ ان کو سلطنت، نبوت اور دوسری بہت سی نعمتوں سے نوازا گیا۔ جیساکہ فرمایا:)

(۱۶) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور البتہ تحقیق ہم (خدا) نے بنی اسرائیل کو کتاب (صرف کتاب نہ کہ مجموعہ احادیث۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی خدا کی طرف سے صرف قرآن مجید ہی عنایت ہوا ہے، جو اکمال دین اور اتمام نعمت سے بھرپور ہے۔ مسلمانوں کو صرف قرآن مجید کا وارث بنایا گیا ہے اور کسی کا نہیں "جو رسولؐ تمھیں دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے، اس سے ہٹ جاؤ۔" اگرچہ اس موقع پر مالِ فے کا ذکر ہے، مگر اس کو اگر عام بھی کیا جائے؛ تو پھر بھی یہی مطلب ہوگا کہ یہ رسولؐ قرآن ہی لے کر آیا ہے اور تمھیں بھی قرآن ہی پہنچا رہا ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑو اور عمرو، بکر، زید اور خالد کے اقوال کو دین نہ سمجھو۔ ہاں اچھے نمونے جہاں سے بھی ملیں، ان کے قبول کرنے سے انکار نہ کرو، مگر ان کو وحی الٰہی کی طرح ہمیشہ کے لیے دستور العمل نہ بناؤ اور نہ انھیں مطلق بے غلط ہی سمجھو۔ دائمی دستور العمل صرف قرآن کریم ہے۔ اچھی نصیحت کی مخالفت کرنا عقلمندی نہیں ہے۔ مسلمان جب تک کتاب الٰہی پر قائم رہے، دنیا میں آفتاب کی طرح چمکے، مگر جوں ہی انھوں نے اس سے منہ موڑا، قانونِ الٰہی کی گرفت میں آگئے۔ جب اس ربانی کتاب کو پھر سے گلے لگائیں گے اور اس کے احکام کے مطابق چلیں گے، تو پھر وہی انعامات پائیں گے۔ خدا اسی قوم کی حالت بدلتا ہے، جو خود اپنی حالت بدلنا چاہے۔ غرض بنی اسرائیل کو کتاب دی) اور حکومت (عنایت فرمائی۔ قومی حکومت بڑی برکات کا موجب ہوتی ہے) اور نبوت (کئی ایک کو ان میں سے پیغمبری) دی اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا (حرام سے بچنے اور مفید اشیاء سے فائدہ اٹھانے کی نصیحت فرمائی) اور فضیلت دی ہم نے اُن کو جہان والوں پر (کتنی بڑی مہربانی ہے کہ نبوت، کتاب، اور حکومت جیسی مہربانیوں سے نوازا).

(۱۷) وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ اور ہم نے ان کو دین میں سے روشن دلیلیں عطا کیں (جب تک وہ راست رَو اور راست کردار رہے، فائدہ اٹھاتے رہے، لیکن جب اصل مقصود سے ہٹ کر حق میں باطل کی آمیزش کرنے لگے، عمل اور اخلاق کی سچائی سے محروم ہو گئے۔ پھر اُن کا بھی وُہی انجام ہُوا، جو اُن سے پہلے سرکش اور گمراہ انسانو کا ہوتا آیا ہے۔ فرمایا) پھر اُنھوں نے اختلاف نہیں کیا، مگر علم آنے کے بعد (کیوں) آپس کی سرکشی (اور ضد) سے انسان باغی بنتا ہے۔ دنیا میں بھی بنی اسرائیل سخت رُسوا ہوئے، اور دوسرے عالم میں سزا کے بھی مستوجب ہوئے۔ فرمایا) تحقیق تیرا رب ان (سرکشوں اور باغیوں) کے درمیان پیشی کے دن فیصلہ کرتا ہے۔ اس چیز میں کہ جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

(۱۸) ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ پھر ہم نے تجھے امر (دین) کے کھلے راستے پر قائم کر دیا (لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا، لوگ اس کشادہ راستے سے ہٹ کر مختلف پگڈنڈیوں اور تنگ گذرگاہوں پر چلنے لگے۔ انھوں نے اپنے اوپر ایسی ایسی پابندیاں عائد کرلیں، جن کا شریعت میں ذکر تک نہ تھا۔ یہ پابندیاں غالباً صحابہؓ ہی کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے اوپر لگالی تھیں۔

وحی کے سوا اَور سب چیزوں میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے، صرف وحی الٰہی، ناسخ و منسوخ کے بکھیڑوں سے پاک ہے۔ اللہ کے کلمات صدق و عدل میں پورے اور تمام ہیں۔ من دون اللہ کی طرف سے جو بھی کلام یا کتاب ہوگی، اس میں اختلاف کثیر ہوگا۔ یہ کلام خداوندی ہی کو شرف حاصل ہے کہ ان تمام عیوب سے پاک اور منزّہ ہے۔ ہاں پہلی آسمانی کتابوں میں ان قوموں کی بغاوت و سرکشی کی وجہ سے ان پر بعض تعزیری احکام ڈالے گئے تھے۔ وقتی قوموں کی ضد و شرارت کی وجہ سے یا ان کی تعدی کے سبب بعض احکام ان پر جاری کئے اور کئی ایک بوجھ اُنھوں نے خود بھی اپنے سر پر اُٹھا لیے تھے۔ گو بعد میں وہ ان بوجھوں کو اٹھا رکھنے کی تاب نہ لا سکے۔ اگر وہ خدا کی

دی ہوئی شریعت پہ چلتے رہتے، تو انھیں یہ پریشانیاں نہ اٹھانا پڑتیں) پس تو اس (صراط مستقیم، شریعت) کی پیروی کریو اور ان لوگوں، کی خواہشات کی پیروی نہ کرلے جو علم (صحیح) نہیں رکھتے (اور جہالت سے کام لیتے ہیں۔ علم بڑی خوبی والی شے ہے۔ علماء سب اقوام میں ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں بھی علماء اور راسخون فی العلم ہیں۔ رسوخ علم خوبی ہے، نہ کہ روایات کے لیے بے سروپا حوالے دینا۔ یہ کوئی خوبی نہیں ہے۔ یہ توہم پرست لوگ گمراہی اور ضلالت کے دل دادہ ہیں۔ پس ان کا کہنا نہ مانیو۔ یہ بجائے فائدہ کے نقصان دیں گے۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرکے تمھارے مقابلہ پر تلے ہوئے ہیں۔ تم خدا پر بھروسہ رکھو، صراط مستقیم پر گامزن رہو، اللہ تعالیٰ ہر طرح سے تمھاری مدد کرے گا۔ ان کی چالوں سے بچتے رہو کہ تمھیں کسی تکلیف میں مبتلا کردیں)

(۱۹) اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ تحقیق یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے تجھے کچھ کفایت نہ کریں گے (یعنی تمھارے کام نہیں آئیں گے) اور تحقیق یہ ظالم بعض ان کے دوست ہیں بعض کے اور اللہ (مومنوں اور) پرہیزگاروں کا دوست ہے (کوئی ظالم شخص یا قوم سرکشی اور عناد کی وجہ سے قرآن مجید کی مخالفت کرے، تو یہ الگ بات ہے، اور قرآن مجید واضح دلائل سے حقیقت کو روشن کرتا ہے اور ان دلائل پر ہر ایک شخص کو غور و فکر کرنے کا حق ہے، خواہ کسی دین سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر وہ نیک نیتی سے اس کتاب کو بغور پڑھے گا، تو اس پر اصل حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا اور اس نظام میں آکر بڑی خوبیوں کو حاصل کرے گا۔ ہاں: تعصب اور کینے کے باعث کوئی شخص اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے، تو اس میں قرآن مجید کا کیا قصور ہے؟ فرمایا:)

(۲۰) هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ یہ (قرآن) بصائر (روشن دلائل واضح حقائق) ہیں واسطے انسانوں کے (خواہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں اور کسی مذہب کے پیرو ہوں) اور (خدا تعالیٰ پر کامل) یقین رکھنے والی قوم کے واسطے ہدایت و رحمت ہے (منکرین قیامت یہ خیال کرتے ہیں کہ مرکر زندہ تو ہونا ہی نہیں ہے، حساب وغیرہ کچھ نہیں ہوتا، مرنے اور مٹنے ہی کے لیے سب نیک و بد پیدا ہوئے ہیں۔ پھر اپنے اوپر کیوں فضول پابندیاں عائد کریں؟ کیوں نہ ہر کام دل کھول کر

کریں اور اپنی تمام اچھی بُری خواہشیں پوری کریں۔ جب ہستی کا اعتقاد ہی باطل ہے، تو گھبرانے اور ڈرنے کی کیا ضرورت ہے، مگر ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے ڈھکوسلے محض جھوٹی تسلیاں ثابت ہوں گے۔ خدا نے کوئی چیز عبث نہیں بنائی۔ اُس کے نظام میں انصاف ہے، اندھیر گردی نہیں۔ بالآخر سب انسانوں کو خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑیگا جہاں انھیں اُن کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے گا۔ پس جو بوؤ گے، وُہی کاٹو گے)

(۲۱) اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ۠

کیا بدکار لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم اُن کو اُن لوگوں کی طرح کردیں گے، جو ایمان لائے اور (جنھوں نے) صلاحیت والے کام کیے (اور) ان کی زندگی اور ان کی موت برابر ہوگی۔ بُرا ہے جو یہ لوگ فیصلہ کرتے ہیں (نیکو کار جنات میں بے شمار نعمتوں سے ہمیشہ کے آرام اٹھا رہے ہیں اور فاسق و فاجر دردناک عذاب میں طویل مدت تک رکھے جاتے ہیں۔ ہر ایک کا رجوع ہماری طرف ہوتا ہے۔ ہم مناسب بدلہ دیتے ہیں۔ کیا انسان کو اس درجۂ انسان تک پہنچا کر ہم نیست و نابود کردیں گے؟ ہرگز نہیں۔ ہمارا کوئی فعل بے کار و عبث نہیں۔ ایک ایک ذرہ میں ہم نے نظم و نسق رکھا ہے اور ہر صاحب اختیار مخلوق ہمارے سامنے اپنے کاموں کی جوابدہ ہے۔ عاقبت میں ہر چیز کے متعلق سوال ہوتا ہے۔ فرمایا:)

تیسرا رکوع (۲۲) وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ اور اللہ (کامل مطلق) نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ (نتیجہ خیز) پیدا کیا ہے (اور حقائق سے ہی صحیح علوم حاصل ہو سکتے ہیں، کیوں کہ حقانی اسباب موجود ہوں گے، تو حق پایا جائے گا۔ یہ عالَم حق کے مطابق بنایا گیا ہے اس لیے نتائج اور علوم حق سے ملیں گے۔ جیسے ارشاد فرمایا ہے کہ کیوں حق کے مطابق بنایا گیا ہے؟) اور تاکہ ہر شخص کو اس کی کمائی کے مطابق بدلہ دیا جائے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا (صحیفۂ فطرت میں انسانوں کے حرکات تک محفوظ رہتے ہیں اور ان کے اعمال کی کتاب تیار ہوتی ہے۔ اسی طرح دلوں پر بھی کاموں کے اثرات موجود رہتے ہیں۔ ان دونوں کتابوں یا تحریروں کے مطابق جزا و سزا ملتی رہتی ہے۔ غرض تمہارا کیا دھرا مرنے کے ساتھ ہی بلاکم و کاست سامنے

آجاتا ہے۔ متقیوں کے لیے ایسے آرام ہیں، جو کبھی ختم نہیں ہوتے، بلکہ بڑھتے ہیں اور نافرمان لوگ بہت بڑے مصائب میں لمبی مدت تک تکلیفیں اٹھاتے رہتے ہیں جب یہ بات ہے، تو انسان کو چاہیئے کہ ایسے کام کرے، جن میں خداوند کریم کی خوشنودی حاصل ہو۔ اور اس کی مخالفت سے پرہیز کرے، کیونکہ نتیجہ کبھی غلط نہیں نکلتا۔ سب لوگ اپنے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ پاتے ہیں۔ صراطِ مستقیم پر چلنا بہت اچھے پھل لاتا ہے، سرکشی وغیرہ لمبے عذاب کا موجب بنتی ہے۔ حقائق کا انکار کرنا پرلے درجے کی جہالت اور بے عقلی ہے۔ فرمایا:)

(۲۳) اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ پس کیا تو نے اُس شخص کو دیکھا، جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا ہُوا ہے اور اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) نے اس کو جانتے ہوئے گُمراہ کر دیا ہو (عقل و ہوا میں امتیاز کرنا اور عقل کو ہاتھ سے نہ دینا بڑی خوبی اور نیکی ہے۔ بندۂ نفس بننا بڑا بھاری مرض ہے۔ ایسے بدپرہیز مریض کا علاج جہنم میں ہے۔ دنیا میں ایسے شخص کو قانونِ قدرت کی طرف سے دفعہ لگ جاتی ہے۔ اس درجہ پر پہنچ کر ہدایت نہیں ملا کرتی۔ بلکہ یہ عذاب ہی سے درست کیا جاتا ہے۔ فرمایا:) اور اس کے کان اور اس (بدپرہیز مریض) کے دل پر مُہر لگا دی اور اس کی بینائی پر پردہ ڈال دیا ہو (کیونکہ وہ نشۂ غرور میں اندھے پن سے کام لیتا ہے، تو پھر قانونِ الٰہی کیوں نہ عائد ہو؟ اور) پھر اس کو اللہ (کے قانون عائد ہو جانے) کے بعد کون ہدایت دے گا؟ (اب تو فیصلہ ہو چکا ہے کہ ایسا مریض جہنم ہی میں درست ہوگا، پھر ہدایت کیسی۔ بس اللہ ہی ہدایت دے گا، خواہ جہنم سے درست کرے، خواہ اور کسی سخت علاج سے پس قیامت ضرور ہے اور اپنے اپنے اعمال کی جواب دہی یقینی ہے۔ اتنی واضح بات پر بھی یہ لوگ انکار سے ہی کام لیتے ہیں۔ پھر ایسا کرنا تو سخت نادانی اور عذاب کا موجب ہے۔ فرمایا اتنے حقائق اور واضح دلائل ہوتے ہوئے بھی غور و فکر سے کام نہیں لیتے اور اپنی بہتری سے مُنہ موڑے چلے جاتے ہو۔ فرمایا:) کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ (یہ لوگ کیا نصیحت پائیں گے، یہ تو کچھ اور ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ اپنی نادانی کی وجہ سے تناسخ کے قائل ہیں، جو سراسر باطل خیال ہے۔ فرمایا:)

(۲۴) وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ اور کہتے ہیں،

نہیں ہے یہ زندگی، مگر صرف دنیا ہی کی زندگی ہے۔ مرتے ہیں ہم اور جیتے ہیں ہم اور نہیں ہلاک کرتا ہم کو مگر زمانہ (یہ عقیدہ بالکل غیر اسلامی ہے۔ اسے ماننے والے خدا کو بھی مانتے ہیں اور تناسخ کے بھی قائل ہیں۔ یہ معجون مرکب عقیدہ بھی عجائبات میں سے ہے اور یقین مت کے بعض پیروؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس دور میں ہم میں سے ایک ایک خدا بنتا ہے یکے بعد دیگرے سب اس منصب پر پہنچتے رہتے ہیں۔ بعض لوگ رُوح کے بھی قائل نہیں ہیں۔ یہ جینیوں سے بھی گرے ہوئے ہیں۔ غرض ایسے تمام لوگ اٹکل پچو اور بودے دلائل سے کام لیتے ہیں۔ علمی معیار کوئی نہیں رکھتے۔ بات یہ ہے کہ مادہ کبھی بھی رُوح نہیں بنے گا اور روح کبھی خدا نہ بنیگی۔ کیا یہ اتنا بھی غور نہیں کرتے کہ اگر بالفرض خدا نہ بھی ہو، تو یہ روح اور مادہ کا اختلاف کیوں؟ اصل بات یہ ہے کہ) اور ان کو اس (حقیقت وسچائی) کا کچھ علم نہیں ہے۔ نہیں یہ لوگ، مگر ظن کرتے ہیں (تو پھر ظن، حق کا کیا مقابلہ کر سکے؟ یاد رکھو، فاعل مختار کامل مطلق ضرور موجود ہے۔ تمام علمی شہادتیں اور واضح دلائل اس کی تائید میں ظاہر و باہر ہر جگہ میسر ہیں۔ اس واجب الوجود کے ساتھ نہیں کا لفظ شایان ہی نہیں ہے۔ ایک ایک ذرہ خدا کی ہستی کا بیّن ثبوت پیش کر رہا ہے، مگر ہٹ دھرمی کا کیا علاج؟ فرمایا:)

(۲۵) وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اور جب ان (ظنیات پرستوں) کے سامنے ہماری واضح (اور ظاہر) آیات پڑھی جاتی ہیں (اور قدرتی نشانیاں، زبردست علمی شواہد، ناقابلِ انکار دلائل، مگر ان کی ضد اور سرکشی کے باعث ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ کوئی معقول جواب بھی نہیں دے سکتے اور) نہیں ہوتی (کوئی علمی) دلیل ان کی، مگر یہ کہ کہتے ہیں کہ اگر تم (مومنین) سچے ہو، تو ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کرکے دنیا میں واپس) لے آؤ (کتنا احمقانہ سوال ہے، مگر یہ ان سے بعید نہیں ہے، کیوں کہ یہ علمی باتوں سے تو کوسوں دُور ہیں۔ سوائے اس کے اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں؟ وہ نہیں سمجھتے کہ کوئی غیر مرئی حالت سے مرئی حالت میں کس طرح آئے؟ کیا ان کے جاہلانہ سوالوں سے احسن ذاتی قوانین کو توڑا جائے، حکیمانہ کاموں میں رخنہ ڈالا جائے اور نظم ونسق میں تصادم کو روا رکھا جائے؟ خدا تعالےٰ کے تمام کام بے غلط ہیں اور ہماری حکیمانہ مصلحت اس کو جائز نہیں رکھتی کہ کسی کو عقبےٰ سے پھر دنیا میں واپس لایا جائے۔ ہاں دنیا سے مرکر تمام لوگ آخرت میں جاکر اپنے کاموں کے مطابق جزا اور سزا پاتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ اے رسولِ کریم ان لوگوں کو)

(۲۶) قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ کہہ دو کہ اللہ (کامل مطلق) تم کو (کنتم اموات کی حالت سے) زندہ کرتا ہے (اور تم دنیا میں ایک وقت تک رہتے ہو) پھر تم کو (اپنے اپنے وقت پر) مارتا ہے اور (دوسرے عالم میں لے جاکر زندگی بخشتا ہے جس کے بعد قطعاً موت نہیں ہے اور ہمیشہ کی زندگی ہے، جیساکہ ارشاد ہے:) پھر تم کو اکٹھا کرتا رہتا ہے اُس دن کی طرف (یعنی یوم جزا کی طرف) جس میں کوئی شک نہیں ہے ولیکن اکثر آدمی علم نہیں رکھتے۔

چوتھا رکوع (دین بہت آسان ہے۔ انسان قرآن مجید کو غور سے پڑھے اور سمجھنے کی کوشش کرے، تو تمام مسائل آسان ہو جائیں گے اور جان لے گا کہ تمام موجودات ارض وسماوات وغیرہ سب ایک ہی غالب وحکیم کے بنائے ہوئے ہیں اور یہ صحیفۂ فطرت بھی تحور وتدبر کے بعد خدا ہی کی کتاب ثابت ہوگا۔ اسی طرح قرآن مجید بھی آسمانی کتاب نظر آئے گا۔ قرآن شریف میں صحیفۂ فطرت سے مدد ملتی ہے اور صحیفۂ فطرت کی آیات فرقانِ حمید میں موجود ہیں۔ غرض یہ ایک دوسرے کی مدد ومعاون ہیں۔ یہ تمام موجودات حکمت سے پُر ہے۔ اس میں غور وفکر سے کام لو۔ بار بار پرکھو، پھر پرکھو۔ آخر حقیقت کا انکشاف ہوگا اور ضرور ہوگا، کیوں کہ یہ حقائق ہیں، ضرور صحیح نتیجے پر لے جائیں گے اور کبھی بھی باطل وعبث ثابت نہ ہوں گے۔ یاد رکھو، حکم اکیلے خدا ہی کا ہے۔ حکام کو بھی یہی چاہیے کہ خدا کے حکم کے ماتحت حکم جاری کریں۔ ہاں بحکم خدا شوریٰ کر کے بھی سبیل المؤمنین بنتا ہے کسی ظالم اور دشمن خدا شقی التغلب نے ایک حدیث رسولؐ اللہ کا نام لے کر بنائی ہے کہ زمانہ کو گالی نہ دو، زمانہ میں (خدا) ہی ہوں۔ یہ مزعومہ حدیث اس اوپر والی آیت مایھلکنا الا الدھر کے کتنی خلاف ہے، مگر بعض نادان دوست اس پر بھی آمنا صدقنا کہنے والے ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں۔ رسول کریمؐ کی ذات بابرکات کو عمداً متہم کر رہے ہیں اور اسلام کے اس دانا دشمن راوی کے غلط پروپگنڈا کا شکار ہو رہے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ ولکن اکثر الناس لا یعلمون کا یہی مقصود ہے۔ غرض قرآن مجید اور صحیفۂ فطرت سے روشنی حاصل کرو اور رطب ویابس کہانیوں سے پرہیز کرو۔ اب آگے آخری رکوع میں قیامت کا نقشہ دکھلایا ہے:)

(۲۷) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ

يَخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ اور (یاد رکھو کہ) اللہ (اکیلے کامل مطلق) ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے (اس کامل مطلق ہی کو یہ کُلّی اختیارات شایاں ہیں۔ دوسرا کوئی بھی اس حکومت پر راست نہیں آسکتا۔ وُہی ہر شے کو ارتقا دیتا رہتا ہے) اور جس دن پیشی کی گھڑی وارد ہوتی ہے (یہ اچانک آجاتی ہے۔ وصیت تک کرنے کی مُہلت نہیں ملتی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دل کی دل ہی میں رہ جاتی ہے اور بعض اوقات ایک لفظ کہنے کا موقعہ میسر نہیں ہوتا۔ اس وقت کوئی عمل بھی بفرضِ محال کیا جائے، تو قبول نہیں ہوتا) اس دن باطل پرست لوگ (لازماً) خسارہ (سخت نقصان) اٹھاتے ہیں (اللہ تعالیٰ کے سوائے سب کچھ باطل ہے۔ کسی کی کوئی ذرّہ بھر خدا کے مقابلہ میں حقیقت نہیں ہے۔ ہاں ان کی پیدائش عبث اور باطل نہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ما خلقت ھذا باطلا۔ وہ نتیجہ خیز چیزیں ہیں، مگر اپنے محل پر۔ ان کا خلق کرنا فضول نہیں ہے، مگر خدا کے مقابلہ کے رنگ میں سب باطل، عبث اور فضول ہیں۔ غرض باطل پرست لوگ مِنْ دُوْنِ اللّٰہ کے پُجاری، ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ کے شریک بنانے والے بہت بڑا نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اس موقع پر ہر مومن و کافر پریشانی میں ہوتا ہے۔ فرداً فرداً یا گروہ گروہ اور اُمت اُمت نہ کہ سب کے سب۔ نہ سب اکٹھے پیدا ہوتے، نہ اکٹھے مرتے ہیں، نہ سب سے سب پیش ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: اے مخاطب!)

(۲۸) وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۗ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اور تو (رؤیتِ قلبی سے) ہر اُمت کو زانو کے بل (عاجزی کے ساتھ) گری ہوئی دیکھتا ہے۔ (پھر کیا ہوتا ہے؟ ہر ہر نیک کام والے اور بُرا پیشہ لوگ علیحدہ علیحدہ گروہوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ تاکہ ان کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق سزا و جزا دی جائے۔) ہر جماعت اپنی (اپنی) کتاب (اعمال یا تحریر) کی طرف بلائی جاتی ہے (ایک تحریر صحیفہ فطرت میں اور دوسری تحریر انسان کے اندر ہوتی ہے۔ انھیں یہ دونوں تحریریں مل کر جو نتیجہ نکلتا ہے، اس کے مطابق بدلہ دیا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ) آج کے دن تم بدلہ دیئے جاتے ہو (اس کا) جو کام تم کرتے تھے (یہ سزائیں اور جزائیں تمھیں اندھا دُھند نہیں دی جاتیں بلکہ تمھیں اتمامِ حجت، ثبوت اور واقعات سے قائل کیا جاتا ہے، پھر تم اقبال کرتے ہو اور اس کے بعد تمھیں سزا دی جاتی ہے۔ فرمایا:)

(۲۹) هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُوْنَ ۝ یہ ہماری کتاب ہے (صحیفۂ فطرت جس میں تمھاری حرکات تک محفوظ ہیں) تم پر حق کے ساتھ بولتی ہے۔ بلاشبہ ہم (خدائے قدوس) لکھتے جاتے تھے، جو کچھ تم (اے لوگو!) کرتے (اور کہتے) تھے (اب تمھیں انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ پس ان سزاؤں کو اے مجرمین! صبر یا بے صبری سے بھگتو تمھیں دنیا میں ہر طرح سمجھایا، ڈرایا گیا تھا، مگر تم اپنی شرارت اور ضد سے باز نہ آئے۔ اس لیے تمھیں یہ سزائیں ملیں اور ہم اس معاملہ میں صادق ہیں۔ تمھارے تمام اعمال محفوظ رکھے گئے، جس کے مطابق تمھیں گرفت ہوئی۔ غرض ہر شخص اپنے کاموں کی وجہ سے جزا یا سزا پاتا ہے۔ اور وہاں جاکر تمام حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔

اب مقابلہ میں فرماں بردار و نیکوکاروں کا حال اور ان کے انعامات کا ذکر فرمایا اور ناقدر دانوں کے عذاب سے بھی آگاہ کیا ہے۔

(۳۰) فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ تو جو لوگ (خدا پر بلا شرکت غیر خالص اور پختہ) ایمان لائے اور (اُس کے ارشاد کے مطابق) صلاحیت والے کام کیے (ان سے یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ) پس ان کا پروردگار انھیں اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔ یہ بڑی ظاہر (نمایاں) کامیابی ہے (آگے ناشکر گزار لوگوں کا ذکر ہے)

(۳۱) وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ اور جو لوگ (اپنی ربوبیت کرنے والے کے احکام کے) ناقدردان (و نافرمان) ہوئے (ان کو کہا جاتا ہے کہ) کیا پس میری (پروردگار کی) آیات تم پر نہیں پڑھی جاتی تھیں (آیاتِ قرآن تم پر تلاوت کی جاتی تھیں، مگر تم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور تم وحی ربانی کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور نشۂ غرور میں اتراتے رہے) پس تم نے تکبر کیا اور ہوگئے تم گناہ گار (اور نافرمان) لوگ (تم ہر صداقت کو ٹھکراتے رہے اور سچائی کا انکار کرتے رہے اور ہر نصیحت کا مضحکہ اڑاتے رہے)

(۳۲) وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ اور جب

(تم کو انبیاء یا دوسرے مصلحین کی طرف سے بحکم خدا) کہا جاتا تھا کہ اللہ (کامل مطلق) کا وعدہ سچ ہے (عاقبت میں اپنے کاموں کا ضرور بدلہ پاؤ گے) اور وہ (قیامت، حاضری کی) گھڑی (یقیناً آئے گی) جس میں شک نہیں (اور بے شمار دلائل سے ثابت ہے (تو اس کے جواب میں) تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ گھڑی کیا ہوتی ہے (معمولی جیسا ظن ہوتا ہے۔ یقین سے تو ہم لوگ کوسوں دُور ہیں) نہیں گمان کرتے ہم مگر تھوڑا سا ظن اور (اصل عقیدہ ہمارا حقیقت میں یہ ہے کہ) ہم (پیشی پر) یقین کرنے والے نہیں ہیں (تو پھر کیا ان کے جھٹلانے اور مضحکہ اڑانے سے حقیقت باطل ہو گئی؟ ہرگز نہیں۔ اب تو آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور مصائب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے کہ)

(۳۳) وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

اور جو کچھ وہ کرتے تھے، اس کی برائیاں اُن پر ظاہر ہو گئیں اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، اُس نے ان کو گھیر لیا (اب یقین آیا کہ فرمان خداوندی حق تھا، مگر ایسے موقعہ کا ایمان قطعاً کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ وہ لاکھ صداقت کا اقرار کریں، چیخیں، چلائیں، بے کار محض ہے، کیوں کہ وقت گذر چکا ہے۔ اب دار الجزاء میں ہیں، دار العمل کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ وہ زرّیں موقعہ انھوں نے لہو ولعب اور خدا کی ناقدر دانی میں ضائع کر دیا۔ ان کے گریہ و بکا اور طلب مغفرت پر جواب دیا جاتا ہے کہ اب اپنی سزا کی میعاد پوری کرو۔ یہ تمھارا ہی کیا دھرا سامنے آیا ہوا ہے، جو بویا تھا، اُسے کاٹو۔ جیسا کہ ارشاد ہے:)

(۳۴) وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ اور کہا گیا کہ جس طرح تم نے اپنے اُس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا، اسی طرح آج ہم تمھیں بھول جاتے ہیں اور تمھارا ٹھکانا آگ ہے۔ اسی آگ میں اُن کا علاج ہوتا رہے گا۔ جب درست ہو جائیں گے، پھر جہاں پر مناسب ہوگا، رکھے جائیں گے۔ اب ایسے وقت میں کوئی کسی کی مدد بھی نہیں کر سکتا۔ قطعاً مایوسی کا سماں ہے۔ ایسے پُرہیبت منظر میں کون دم مار سکتا ہے اور قطعیت کے بعد کون ہے، جو دخل در معقولات دے؟ ہر ایک اپنے ہی نفس سے جھگڑتا ہوا پہنچتا ہے اور اپنے ہی کاموں میں مسرور یا سرگرداں ہوتا ہے۔ فرمایا:) اور تمھارے لیے مددگاروں میں سے کوئی نہیں ہے (سفارشیوں اور شفیعوں کا خیال بھی غلط ہے۔ یہ شفاعت کا عقیدہ ہمیشہ کفار کا عقیدہ رہا ہے۔ مومنوں کو صرف رحمت خداوندی پر ہی بھروسہ رہتا

ہے۔ غرض ظالموں پہ عذاب وتکالیف کا سبب بتایا کہ)

(۳۵) ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ یہ (جہنم) اس لیے ہے کہ تم اللہ (کامل مطلق) کی آیات (بیّنات) کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے۔ (صحیفۂ فطرت اور قرآن کی توہین کیا کرتے تھے) اور دنیا کی زندگی (مال و اولاد: دولت و ثروت وغیرہ) نے تم کو دھوکے میں ڈال دیا تھا (اور تم اس خیالِ باطل میں گرفتار تھے کہ بالفرض پیشی ہوئی بھی، تو ہمارے شفعاء اور مددگار ہماری امداد کو پہنچیں گے۔ فرمایا: یہ عقیدہ غلط تھا۔ بتاؤ، کیا اب تمھارے مددگار تمھیں آگ سے نکال سکتے ہیں؟ ارشاد ہے) پس آج (انصاف) کے دن نہ اس (جہنم) میں سے نکالے جائیں گے (اور اگر یہ نہیں، تو کوئی شخص یا اشخاص مالکِ حقیقی سے اُن کی صلح ہی کرا دے گا؟ فرمایا ایسا بھی نہ ہوگا۔ ہر طرح اپنی سزا کو بھگتنا پڑے گا) اور نہ اُن کی صلح کرائی جاتی ہے (یستعتبون۔ اعتاب بمعنی رضا مندی ہے۔ غرض سعی و سفارش اور حمایت و مروت، ہر طرف سے قطعاً مایوس ہو جائیں گے۔ وہ بارگاہ ان عیوب سے منزہ اور پاک ہے۔ وہ غنی و حمید خدا ہے۔ تمام موجودات اس کی تسبیح کرے، تو اس کا کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ ہجو کرے، تو کچھ گھٹ نہیں جاتا۔ وہ اپنی ذات میں تعریفوں والا ہے، جیسا کہ فرمایا:)

(۳۶) فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ پس (کی سب) تعریف اللہ (کامل مطلق ہی) کے واسطے ہے (اور وہی اس تعریف و ثناء کا مرکز ہے۔ دوسرے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ وہی خدائے واحد ہر چیز کا خالق اور پروردگار ہے۔ پھر کیوں نہ لائق حمد و ثنا ہو) آسمانوں کا پروردگار اور زمین کا پروردگار (ہر آسمان اور ہر زمین کیا، بلکہ وہ تو ایک ایک ذرے کو پالتا ہے۔ فرمایا کُل) عالموں کا وہی رب ہے (سب کو چاہیے کہ اس کے احکام پر عمل کرکے سرخروئی اور ہمیشہ کے انعامات حاصل کریں۔ وہ ناموں کو نہیں کاموں کو دیکھتا ہے اور صحیح نتائج نکال کر بدلہ دیتا ہے۔ اسی کی تعریف میں منہمک ہو جاؤ، تاکہ کامیابی حاصل ہو۔ اسی میں تمھاری ہی بہتری ہے۔ ایسی خوبیوں والے کا غلبہ اور تصرف ہونا ضروری ہے۔ فرمایا:)

(۳۷) وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اور اسی (رب العلمین) کے واسطے آسمانوں اور زمین میں بڑائی ہے (نہ اسے کسی کی مدد کی ضرورت ہے نہ مشورے کی۔ اُس کے سب کام اُسکے غلبے کا ثبوت اور حکمت سے پُر ہیں ارشاد ہے:) اور وہی (اکیلا) ہے اصل غالب اور حکمت والا اصل غالب: بے احتیاج اصل حکیم: بے غلط کام کرنے والا

سُورۃ الاحقاف

اِس سورہ کا نام الاحقاف ہے۔ اس کے شروع میں بھی حٰمٓ آیا ہے۔ جن سورتوں کی ابتدا میں حٰمٓ آتا ہے، وہ توحید کے مسئلے سے بحث کرتی ہیں۔ یوں تو سارا قرآن مجید ہی توحید سے لبریز ہے، مگر اِن سورتوں میں کثرت سے توحید کا ذکر آیا ہے۔ یہ حروف بطور بیج کے ہوتے ہیں، جن کو درخت کی صورت میں دکھانا صرف باری تعالیٰ ہی کی طاقت ہے اور اُسی نے کمال مہربانی سے ان حروف کی تفسیر ہمارے لیے بیان فرمادی ہے، تاکہ ہم فوائد حاصل کریں اور اپنے مالکِ حقیقی کا شکر و تعریف ادا کریں۔ اِسی میں ہماری بہتری ہے۔

اِس سورۃ کے چار رکوع ہیں۔ پہلے رکوع میں توحید کے ثبوت دیے گئے ہیں۔ دوسرے میں احسان والدین کا ذکر ہے۔ تیسرے میں جنوں یعنی کاہن لوگوں کے قائل قرآن ہونے کا ذکر ہے اور عاد کی سرکشی کا نتیجہ دکھایا ہے۔ چوتھے میں صبر کی تعلیم دی۔ باقی تشریح انشاءاللہ ترجمہ کے ضمن میں ہوگی۔ تفسیر حقیقی تو پروردگار ہی کرتا ہے۔ باقی انسانی تفاسیر علوم متعارفہ کو سامنے رکھ کر کرنا منع نہیں ہے۔ ہاں فضول خیالات اور بے اصل باتوں کو اپنی طرف سے اس کتاب کی تفسیر میں داخل کرنا ظلم ہے، جو معاف نہیں ہوتا۔ قصص و اباطیل سے کام لینا سخت جرم ہے۔ آیات سے استدلال کرنا خوبی کی بات ہے۔ اگر ایک جگہ سے پوری سمجھ نہ آئے، تو دوسری تیسری جگہ سے حل تلاش کرنا نیکی ہے۔ کیوں کہ پروردگار ایک ایک مضمون کو کئی کئی بار مختلف طریقوں سے بیان فرماتا ہے۔ تاکہ لوگ غور و فکر سے کام لے کر حق کے سمجھنے کی کوشش کریں، نہ کہ اپنی ذاتی رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کریں۔ یہ بہت سخت گناہ ہے، جس سے ہر شخص کو پرہیز کرنا چاہیے۔ حقیقی تشریح خالق ہی کرسکتا ہے۔ اس کا حق کسی مخلوق کو نہیں پہنچتا، نہ حقیقی توضیح مخلوق کرہی سکتی ہے۔

پہلا رکوع (۱) حٰمٓ ۝ (اس کی تشریح یہ ہوئی کہ)

(۲) تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اتارنا کتاب (قرآن مجید) کا اللہ (کامل مطلق)، اصل غلبے والے اصل حکمت والے کی طرف سے ہے (ہر غالب پر غالب، ہر حکمت والے سے بڑھ کر حکمت والا ہے۔ نہ اُسے کسی کی امداد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ اکیلا ہی غالب ہے اور نہ کسی سے کچھ سیکھنے ہی کی ضرورت ہے کہ پورا پورا حکیم ہے۔ وہ تمام مخلوق کو

میعادوں کے ساتھ پیدا کرتا ہے اور وہی اسے درجہ بدرجہ ترقی دیتا ہے۔ فرمایا:)

(۳) مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ○ نہیں پیدا کیا آسمانوں، زمین کو اور جو ان دونوں کے درمیان ہے، مگر حق (یعنی تدبیر و حکمت اور سچائی) کے ساتھ اور مقررہ میعاد کے ساتھ۔ حق کے مطابق بنائے ہوئے کام سے نتائج بھی حق اور صحیح نکلتے ہیں اور اثرات کا ہونا بھی یقینی ہے۔ سب علوم اس سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہر چیز کی میعاد ہے۔ وہ اپنی میعاد میں بنتی، بگڑتی اور گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ مثال کے طور پر انسان کی دنیوی زندگی پر غور کرو۔ اس کا آغاز نطفے سے ہوتا ہے اور پھر علقہ، مضغہ، لحم، شحم، بچپن، جوانی اور بڑھاپے وغیرہ کی منزلیں طے کرکے اپنی میعاد پوری کرلیتا ہے۔ بیماری، صحت، تنگی، فراخی اور کامیابی اور نامرادی وغیرہ بھی "لکل اجل کتاب" کے ماتحت ہیں۔ غرض اس کے حکیمانہ کاموں میں جلدی نہ کرو۔ ہر چیز اپنے وقت پر ظہور پاتی ہے۔ اور وقت کا اندازہ حکیم مطلق کے پاس سب ہے اور اُسی کے علم صحیح میں ہے۔ ایسے بے نظیر و بے مثال خدا سے رُوگردانی نہ کرو، نہ جلد بازی کرو۔ نیکیوں پر گامزن رہو اور اس اللہ تعالیٰ کی مرضی کو مقدم جانو۔ سب مرضیاں اُس کے سامنے قربان کردو۔ صبر و انتظار کی عادت ڈالو تعجیل اور بے صبری سے بچو۔ ہر کام اپنے مناسب وقت پر ہوتا ہے۔ سچائی کے مقابلے میں اکڑ کو اپنا شیوہ نہ بناؤ۔ یہ بُری چیز ہے) اور وہ لوگ جو کافر (ناقدردان) ہوئے (ان کا وتیرہ یہ ہے کہ) جس چیز سے انھیں ڈرایا جاتا ہے (اپنی سرکشی اور ناقدردانی کے سبب) اس سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ (ہر نیک بات کے مقابلے میں بُرائی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جس کام سے منع کیا جائے، ضد و عناد سے وہی کرتے ہیں، بلکہ کج بحثی پر اُتر آتے ہیں اور ضد و شرارت سے توحید کی مخالفت کرتے ہیں اور اس حقائق سلسلہ کا بغور مطالعہ نہیں کرتے کہ کیا کسی اَور کا بھی اس میں ہاتھ ہے؟ اس بے غلط کائنات کا بنانا تو ایک طرف تمہارے مزعومہ معبودانِ باطل کا کیا کہیں مشورہ بھی لیا گیا ہے؟ ہرگز نہیں وہ تو بہت سی مخلوقات کے بعد بنائے گئے۔ ان کی ضروریات کو ان سے پہلے بنایا گیا۔ وہ تو خود محتاج ہیں۔ فرمایا:)

(۴) قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (اے پیغمبر! کافروں سے) کہہ دو، کہ

کیا تم نے ان (معبودوں) کو دیکھا ہے، جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو (اگر دیکھا ہے تو) مجھے بھی دکھا دو (کہ) اُنھوں نے زمین سے کون سی چیز پیدا کی ہے؟ تخلیق و ترتیب یا انتظام میں ان کا کیا حصّہ ہے؟) یا کیا (تمھارے معبودانِ باطل کو آسمانوں میں شرکت حاصل ہے؟ (اگر کوئی بیّن شہادت تمھارے پاس ہے، تو الہامی کتاب یا عقلی دلائل سے جواب دو۔ اور ثابت کرو کہ تمھارے بنائے ہوئے معبود خالق یا منتظم ہیں۔ اگر ہیں تو) میرے پاس (اس قرآن سے) پہلے کی کوئی کتاب لاؤ، یا کوئی علم کا نشان لاؤ (جاؤ کوشش کر دیکھو) اگر تم سچے ہو (بات یہ ہے کہ رسول کریمؐ کے زمانہ میں کچھ نہ کچھ صداقت موجود تھی۔ اسی لیے الہامی کتاب اور علمی معقول سے ثبوت طلب کیا گیا ہے۔ پہلے کتاب تورات امام تھی۔ نزولِ قرآن کے دوران میں اس سے بھی بعض دفعہ استفادہ کیا جاسکتا تھا۔ مگر جب قرآن اکمل ہوگیا اور تمام وحی اور معقول باتوں کو اپنے اندر لے آیا اور سب گزشتہ صحیفوں پر مہیمن ہوگیا، تو تمام آسمانی کتابوں سے انسان کو مستغنی کردیا گیا۔ ظنّی روایات کی تو سرے سے ضرورت ہی باقی نہ رہ گئی۔ اس طرح خدا تعالےٰ نے دین کو اپنے بندوں کے لیے آسان کردیا۔ لیکن بدقسمتی سے بعد میں آنے والے علماء نے اسی سیدھے سادے قرآن میں ایسی ایسی موشگافیاں پیدا کیں اور قرآن کے ساتھ ساتھ ایسی روایات کا اضافہ کردیا کہ دین ایک چیستان کی صورت اختیار کر گیا۔ جو باتیں قرآن مجید کے علاوہ رسول اللہ صلعم کہتے اور کرتے رہتے تھے، ان کو بھی وحی سمجھ لیا گیا۔ یہ امر خدا پرستی سے بعید ہے۔ فرمایا:)

(۵) وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ
لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ اور اُس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہے، جو اللہ (کاملِ مطلق) کے سوا ایسے (معبود) کو پکارے، جو قیامت کے دن تک اُسے جواب نہ دے سکیں اور اُن کو اُن کی پکار ہی کی خبر نہ ہو۔ (پیشی کے دن تو راز طشت از بام ہوجاتا ہے اور تمام بھید کھل جاتے ہیں کہ کون کس کو پکارتا تھا؟ لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ ایک کو دوسرا پکارتا ہے۔ ہم بھی دیوتاؤں، نبیوں اور دیویوں کو پکارتے ہیں، تو کیا حرج ہے؟ ہمیں کیوں اس سے منع کیا جاتا ہے اور اس پر بُرا مانا جاتا ہے۔ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ پکارنے پکارنے میں فرق ہوتا ہے۔ قدرتی اشیاء سے جائز فوائد لینا اور ان سے خدمت وغیرہ حاصل کرنا تو درست ہے۔ مگر ان کو حاجت روا اور مشکل کشا بنانا صریحاً شرک ہے، جو کبھی معاف نہیں ہوتا۔ جتنی جلدی ہوسکے، اس بُرے عقیدہ سے توبہ کرکے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا لازم ہے کہ وہ سنتا اور جواب دیتا ہے۔

معبودانِ باطل تو سنتے ہی نہیں، اگر بالفرض تمہاری پکار سن بھی لیں، تو قبول تو کیا کر سکتے ہیں البتہ تمہارے اس فعل پر لعنت ہی بھیجیں گے۔ فرمایا:)

(۶) وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ۝

اور جب (جب) لوگوں کا حشر ہوتا ہے (تو وہ معبودانِ باطل) ان (باطل پرست ظالموں) کے دشمن ہو جاتے ہیں اور ان (مشرکین) کی عبادت سے انکار کر دیتے ہیں (اور اگر دونوں گروہ جہنمی ہیں، تو ایک دوسرے پر لعنت و ملامت کرتے ہیں اور اگر کوئی گروہ مجرم نہیں تو اپنی آرام کی جگہ میں ہے۔ اُسے اِن جھگڑوں سے کیا مطلب؟ جو کچھ کوئی بوتا ہے، وہی کاٹتا ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ نہ اپنے انعامات میں سے کسی کو کچھ دے سکتا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ حشر جماعت کا بھی ہوتا ہے اور افراد کا بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ فرد واحد پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ رب لم حشرتنی سے واضح ہے۔ غرض وہ ایسی جگہ اور ایسا دن ہوتا ہے۔ کہ وہاں کوئی کسی کی دستگیری نہیں کر سکتا۔ کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور نہ درحقیقت کوئی شفیع ہے بھی۔ مگر افسوس ہے منکرینِ قرآن پر جو اپنے شفعاء کے بھروسے پر آیاتِ الٰہی کے ساتھ یہ برتاؤ کرتے ہیں کہ:)

(۷) وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ اور جب اُن کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں، تو ناشکر گزار لوگ حق کے متعلق جب کہ (وہ کھلے دلائل کے ساتھ) ان کے پاس آچکا۔ کہتے ہیں یہ تو صریح دھوکا ہے (وہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر کے اپنے خیالات ہیں اور اس کی اپنی قیاس آرائی اور دھوکا ہے)

(۸) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ کیا یہ کہتے ہیں کہ وہ اس کو از خود بنا لیتا ہے (اور ظاہر یہ کرتا ہے کہ یہ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی کے ذریعے نازل ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خدا پر افترا باندھتا ہے۔ اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دے، اگر میں نے اس (واضح تعلیم حق) کو افتراء کیا ہے (تو خدا افتراء کرنے والے کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ پھر اس کے ہاتھوں مجھے کون

سزا سے بچا سکتا ہے ؟) پس تم میرے (بچاؤ) کے لیے اللہ تعالےٰ کے ہاں کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے۔ وہ (خدا) خوب جانتا ہے کہ جن باتوں میں تم پڑے ہو۔ وہ (اللہ) میرے تمھارے درمیان اس کے ساتھ کافی گواہ ہے (تمھیں چاہیے کہ تم اپنے طریقِ کار سے باز آؤ اور اللہ سے اپنے کیے کی معافی چاہو) اور وہ (اللہ کامل مطلق) بخشنے والا اصل مہربان ہے (یاد رکھو۔ اسلام کو کامیابی ملے گی، خوب پھلے پھولے گا اور ہر طرح عزت و شرف پائے گا اور کُل ادیان پر بدلائل غالب آنے گا۔ اس کے فرماں بردار ضرور کامیاب و بامراد ہوں گے پہلی کتب سماوی میں بھی حق موجود تھا، مگر وہ ہنگامی اور غیر محفوظ کتابیں تھیں، اس لیے ان میں حق و باطل کی ملاوٹ ہو گئی تھی۔ ان کتابوں میں سزائی احکام بھی موجود تھے، جو دائمی اصول نہیں بن سکتے تھے۔ یہ حکم اُن قوموں کو ان کی سرکشی اور بغاوت کے سبب دیئے گئے تھے۔ اور یہ بات بھی تھی کہ ان لوگوں نے اکثر عبارتوں میں تحریف کر دی تھی اور اس طرح حقیقت سے دُور چلے گئے تھے۔ ہاں حق بالکل ضائع نہیں ہو گیا۔ غور و فکر کرنے والا شخص ان سے سچائی اور حقیقت کو تلاش کر سکتا تھا۔ نزولِ قرآن کے دوران میں ان کتب سے فوائد حاصل کیے جا سکتے تھے۔ مگر قرآن مجید کے مکمل ہونے کے بعد خداوند کریم نے نوعِ انسان کو ان سے مستغنی کر دیا۔ کیوں کہ قرآن تمام کتب پر مہیمن ہو گیا اور وحی آسمانی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور سزائی احکام کے متعلق فرما دیا کہ وہ بغاوت وغیرہ کی وجہ سے اس قوم پر وقتی طور پر ڈالے گئے تھے۔ حق کبھی تبدیل نہیں ہوا کرتا۔ دائمی قوانین اٹل ہوا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں صدق و عدل کے کلمات مکمل ہیں۔ یہ کتاب ممتاز، محفوظ، اکمل اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اس کا ایک جملہ بھی تبدیل نہ ہو گا۔ اس میں تمام اعتراضوں اور سوالوں کا بدلائل حل اور جواب موجود ہے۔ یہ کتاب اپنی تفسیر آپ کرتی ہے اور قیامت کبریٰ تک تمام نوعِ انسان کے لیے یہ خاتم الکتب ہے اور اس کے لانے والا خاتم الرسل ہے۔ یہ تمام انسانوں کو مُسلم بنانا چاہتی ہے، نہ کہ یہودی نصرانی وغیرہ۔ قرآن مجید ہر مسئلہ پر مدلّل بحث کرتا ہے۔ کسی چیز کو جبراً نہیں منواتا۔ یہ کتاب حقائق سے بھرپور ہے۔ غیر فطری ڈھکوسلوں سے پاک اور منزہ ہے۔ یہ اپنا دعوے دلیل سے قائم کر کے منواتی ہے۔ بے بنیاد باتوں سے نفرت کا اظہار کرتی ہے۔ اور اپنے فرماں برداروں کو غلبے کی خوش خبری دیتی ہے۔ اہلِ باطل ثبوت طلب کرتے ہیں کہ اپنے غلبے کا کوئی نشان دکھاؤ۔ اس پر رسولِ کریم کو حکم ہوتا ہے کہ)

(۹) قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ

اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ○ کہہ دے، میں رسولوں میں سے نیا رسول نہیں ہوں (پہلے کب کسی رسول نے آتے ہی غلبہ حاصل کر دکھایا ہے۔ تمام سخت تکلیفیں اٹھائیں، شدید مصیبتوں کا سامنا کیا، یہاں تک کہ ہجرتیں وغیرہ کرنی پڑیں اور پھر کہیں جاکر غلبہ حاصل ہوا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کسی کام کی تکمیل کا موزون وقت کونسا ہے۔ مجھے غیب کا علم حاصل نہیں ہے) اور میں نہیں جانتا، مجھ سے کیا کیا جائے گا (مجھے اپنے متعلق خبر نہیں، تو دوسروں کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں) اور نہ (یہ کہہ سکتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ (کیا برتاؤ کیا جائے گا۔ بات صرف اتنی ہے کہ) نہیں اتباع کرتا میں، مگر اس کی جو مجھے وحی کی جاتی ہے (میں تو محض احکامِ خداوندی کی اطاعت کرتا ہوں اور اسی کی اطاعت کا مجھے حکم دیا گیا ہے) اور نہیں ہوں میں مگر (اعمالِ بد کی پاداش سے) صریح ڈرانے والا۔

(۱۰) قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ وَ کَفَرۡتُمۡ بِہٖ وَ شَہِدَ شَاہِدٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی مِثۡلِہٖ فَاٰمَنَ وَ اسۡتَکۡبَرۡتُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ○ (اے پیغمبرؐ!) کہہ دے (اے حق سے رُوگردانی کرنے والو) کیا تم دیکھتے ہو، اگر یہ (صداقت) اللہ (کامل مطلق) کی طرف سے ہے اور تم نے اس (سچی تعلیم) سے انکار کیا (تمہیں اپنے کفر و انکار کا بدلہ مل کر رہے گا۔ عقلمند سے تو اس کا انکار مشکل سے ہوتا ہے۔ علم و عقل کا تقاضا ہے کہ انسان سچائی کو قبول کرے اور برائی سے متنفر رہے۔ تم حق سے بیزار ہو، مگر حق پسند کا یہ کام ہے کہ) اور گواہی دی ایک گواہ نے بنی اسرائیل میں سے اس (قرآن) کی مثل پر۔ پس وہ ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا (اب تمہارے ظالم ہونے میں کون سی کسر ہے)، تحقیق اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا (اہلِ کتاب میں بھی عالم لوگ موجود تھے۔ ان میں سے ایک شخص مکہ میں آیا ہوا تھا۔ اس نے کسی موقعہ پر قرآن مجید سنا، پھر غور و فکر سے کام لے کر اس نے فرقان حمید کی صداقت کی شہادت دی۔ بے شک جو بھی صدق و اخلاص اور بے تعصبی کے ساتھ قرآن پاک کی آیات میں غور کرے گا، وہ ضرور اس نتیجے پر پہنچے گا کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے مگر کفار مکہ اس کے مقابلہ میں طرح طرح کی حجتیں پیش کرتے اور موقعہ بے موقعہ اس کی مخالفت میں پیش پیش رہتے۔ نہ خود اس کی طرف توجہ دیتے، نہ دوسروں کو متوجہ ہونے دیتے)

دوسرا رکوع (۱۱) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝ اور کفار نے مومنوں سے کہا کہ اگر (یہ قرآن) خیر ہوتا تو یہ مومن) اس (قرآن) کی طرف ہم سے آگے نہ بڑھ جاتے (اگر یہ کتاب کوئی بہتری اور خوبی والی کتاب ہوتی، تو اس کی طرف سبقت کرنے کا یہ شرف ہم کو ملتا۔ جو امیر وکبیر اور جاہ وحشمت والے ہیں، نہ کہ ان غریب اور درماندہ لوگوں کو۔ غرض یہ متکبرین قرآن کو اپنی ضد اور غرور کی وجہ سے خوبی والی کتاب ہی تسلیم نہیں کرتے۔ اپنے جھوٹ کو قدیم بتا کر سچا کہہ رہے ہیں۔ اور وحی الٰہی کو قدیمی جھوٹ بتا رہے ہیں) اور جب انھوں نے اس (قرآن) کے ساتھ ہدایت نہ پائی۔ تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے (قرآن مجید کی سچی اور صحیح تعلیم کو جب پرانا جھوٹ کہہ دیا، تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ وہ اس سے ہدایت پائیں؟ قرآن مجید تو بذاتِ خود خیر ہے۔ لیکن اس خیر سے وُہی بہرہ ور ہوگا، جو اس کے بتائے ہوئے قانون پر چلے گا۔ خداوند کریم اپنے بندوں کے ساتھ ہمیشہ خیر کا برتاؤ ہی کرتا چلا آیا ہے۔ وہ اپنی مخلوقات پر بہت بڑا مہربان ہے۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۱۲) وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور اس (قرآن مجید) سے پہلے موسٰے کی کتاب (لوگوں کے لیے) امام ورحمت (چلی آئی ہے رسولِ کریمؐ کو توراۃ کا کوئی علم نہ تھا۔ جیسا کہ فرمایا، تو اور تیری قوم اس بات کو نہ جانتے تھے۔ مگر جب یہ آیت قرآن مجید میں آگئی، تو اس کے بعد جو بات فرقانِ حمید سے نہ ملتی، توراۃ سے لے لیتے، مگر احسن حکم لیتے نہ کہ سزائی احکام۔ وہ تو واضح اور روشن تھے۔ دائمی اصول کو لینے میں کوئی انکار نہ تھا۔ قرآن مجید نے آکر اغلاط کو الگ کر دیا اور اصول کو قائم رکھا اور باقی باتوں کو عقل وتجربہ پر چھوڑ دیا۔ جیسا کہ فرمایا) اور یہ کتاب (قرآن) اس (تورات) کی تصدیق کرنے والی عربی زبان میں ہے (توراۃ میں سزائی احکام بھی موجود تھے، انھیں کو ہٹانے کے لیے توراۃ کے بعد انبیاء تشریف لائے، حتیٰ کہ مسیحؑ ابن مریم بھی ان ہی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کو آئے، جو یہود پر ان کی سرکشی وبغاوت کے سبب حرام کر دی گئی تھیں، نہ کہ فی الحقیقۃ وہ حرام تھیں، مگر بنی اسرائیل میں سے اکثر جہلا نے اس بات کو توراۃ کی مخالفت جان کر مسیحؑ

کی مخالفت شروع کردی اور یہ نہ سوچا کہ یہ حکم ہم کو ہماری شرارت کی وجہ سے دیاگیا تھا اور
ان کی حرمت کا سبب ہماری بغاوت ہوئی تھی ۔مثلاً سبت کہ اُسے خود اپنے اوپر عاید کرکے
پھر خود ہی اُس سے منہ موڑ لیا ۔غرض ایسے ہی مسائل کی اصلاح کے لیے انبیاء آتے رہے
جب قرآن مجید نازل ہُوا ، تو ان لوگوں نے پھراس کے خلاف شورش برپاکی اور کہاکہ یہ کتاب
ہماری مذہبی کتابوں مثلاً توریت اور انجیل کی مخالفت کرتی ہے ۔درآں حالیکہ وہ ان کے لیے
سزائی احکام کے خاتمے کی بشارت لے کر آیا تھا قرآن مجید سزائی احکام سے پاک ہے ۔ اگر
اس میں بھی سزائی حکم ہو، تو بعدکون آکر انھیں مسترد کردے گا ؟ کیوں کہ کتب ورسل کا سلسلہ
ختم ہوگیا ہے ۔پہلی کتابوں میں سزائی حکم آسکتا تھا ، کیوں کہ وہ قومی ، ملکی اور وقتی تھیں۔ یہ
عالمگیر کتاب ایسی باتوں سے بَری ہے ، کیوں کہ یہ تمام انسانوں کے لیے قیامت کبریٰ تک کے
لیے بھیجی گئی ہے ۔ اس میں باطل کو کسی طرف سے راہ نہیں ۔اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے
لیا ہوا ہے ۔اس کتاب کی غرض وغایت یہ ہے ،) تاکہ ظلم کرنے والوں کو ڈرائے اور نیکی کرنے
والوں کو خوش خبری دے (ظالموں کو ان کے ظلم کے خوفناک انجام سے ڈرائے اور محسنین کو اُن
کے کاموں کے اچھے نتائج کی خبر دے ۔جو لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اُس کے لائے
ہوئے احکام پر عمل کرتے ہیں ، اُن کے متعلق ارشاد ہوتا ہے ؛)

(۱۳) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ۔
(صرف یہ کہ اللہ ہی ہماری ربوبیت وغیرہ کرنے والا ہے نہ کہ کوئی اَور) پھر (اپنے) اس (عقیدے)
پر قائم رہے ۔پس ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

(۱۴) اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
یہی لوگ جنّت والے ہیں ، ہمیشہ اس میں رہیں گے (اس دائمی نعمت سے کبھی محروم نہیں
کیے جائیں گے ، بلکہ بیش از بیش نعمتیں حاصل کرتے چلے جائیں گے (یہ) اس کی جزا ہے ، جو
وہ کیا کرتے تھے (نیک نیتی سے فرمانِ الٰہی پر چلنے کی یہ جزا ملتی ہے ، پس انسان کو چاہیے کہ
اپنی طرف سے نیک ارادہ سے حکم خداوندی بجالائے ۔اس کا اجر دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۔
اعمال دو وجہ سے کیے جاتے ہیں ہے ۔ دنیا کے ادنیٰ فوائد کے لیے یا خوشنودیٔ خدا کے لیے ۔رضائے
الٰہی کو سامنے رکھ کر کام کرنے والوں کو عاقبت میں دائمی آرام ملتا ہے ۔اور ممکن ہے وہ دنیا

یں بھی بھلائی حاصل کریں، مگر عقبےٰ میں تو ضرور عالی شان بدلہ اور ہمیشہ کا آرام حاصل کرتے
ہیں۔ آخرت کے لیے کوشش کرنے والے اللہ سے اجر پاتے ہیں، کیوں کہ ان کا اللہ اور عاقبت
پر پختہ ایمان ہوتا ہے۔ قرآن مجید مومن باللہ ہونا سکھاتا ہے اور صلاحیت والے کام کرنے کی تاکید
فرماکر عاقبت کی جوابدہی پر یقین کامل رکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔
اصل چیز ایمان باللہ ہی ہے اور یہ دونوں چیزیں اچھے کام اور آخرت کا یقین اسی ایمانِ خداوندی
کی تحت آجاتا ہے۔ خدا کی وحی میں نجات کا ذریعہ آگیا۔ قرآن سے باہر وحی تلاش کرنا سخت نادانی
ہے۔ خدا کو راضی کرنے والا مومن ہمیشہ برائیوں سے باز رہے گا۔ اللہ کو رب ماننا اور اس عقیدہ
پر استقامت دکھانا تمام آفات سے محفوظ ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ غرض فرمان خداوندی
پر چلنے والا امن و سلامتی میں ہے۔ دنیاوی اغراض کو سامنے رکھ کر معاملات کو درست رکھنے
والے کو اس کا پھل دنیا ہی میں مل جائے گا۔ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا، کیونکہ اس نے
یہ کام خدا کو مان کر اس کے حکم کے تحت نہیں کئے۔ اس کا مطمح نظر صرف دنیا کے فائدے ہوتے
ہیں، جو اس کو حاصل ہو جاتے ہیں۔ غرض اصل مقصود خدا کو راضی رکھنا ہے اور وہ تب ہی خوشنودی
کا اظہار کرے گا جب کہ انسان اس کی رضا کے ماتحت رہے۔ والدین کی خدمت کا حکم بھی اسی نے
دیا ہوا ہے۔ جو اللہ کے فرمان کی بجا آوری کرے گا، تو اللہ اس شخص سے خوش ہو کر اعلےٰ درجات
اور ہمیشگی کا آرام عنایت فرمائے گا اور جو شخص اس کے حکم سے سرکشی کرے گا۔ وہ مومن باللہ نہیں اور
وہ سخت تکالیف میں بہت لمبی مدت تک رکھا جائے گا۔ پس اصل اطاعت اللہ کامل مطلق کی ہے،
دوسری تمام اطاعتیں اس کے حکم کے ماتحت ہیں۔ اصل مطاع ذاتِ واحد ہی ہے اور بس ارشاد
ہوتا ہے:

(۱۵) وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ
كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ
إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ
أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا
تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

اور ہم نے ہی انسان کو اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم کیا ہے بھی صلاحیت والے کاموں میں

داخل ہے اور والدین کی اطاعت، بشرطیکہ وہ شرک و معصیت کی طرف نہ لے جائے، درحقیقت خدا ہی کی اطاعت ہے، کیونکہ اُسی نے ہمیں اطاعت والدین کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح رسولؐ یا اولی الامر کی اطاعت بھی عین اللہ کی اطاعت ہے، کیوں کہ اس کا حکم بھی اللہ ہی نے دیا ہے۔ مگر خالق و مخلوق کی اطاعت میں بیّن امتیاز ہونا چاہیے۔ والدین کی پوجا کا حکم نہیں، بلکہ احسان کرنے کا حکم دیا، کیونکہ خدا کے بعد سب سے زیادہ شفیق اور خیر خواہ والدین ہی ہوتے ہیں، جو اپنی اولاد کی خاطر طرح طرح کے دُکھ اٹھاتے ہیں) اُس (بچہ) کی ماں نے اُس کو (پیٹ میں) دُکھ کے ساتھ اٹھائے رکھا (اپنے تمام آرام اس بچہ کی حفاظت پر قربان کر دیتی ہے) اور اس (بچہ) کو دُکھ کے ساتھ جنتی ہے (ولادت کا وقت عورت کے لیے انتہائی دُکھ کا وقت ہوتا ہے۔ پھر رضاعت کی تکلیفیں شروع ہو جاتی ہیں۔ فرمایا:) اور حمل اس کا اور دُودھ چھڑانا اس (بچہ) کا تیس مہینے (اڑھائی سال) ہے (ماں کے پیٹ میں بچے میں چوتھے مہینے میں جان پڑ جاتی ہے اور عورت کو بوجھ معلوم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حکیم مطلق نے مدّتِ حمل کو چھ ماہ قرار دیا ہے۔ پہلے تین ماہ جو مُردہ حالت کے اور بہت ہلکے ہوتے ہیں، ان کو شمار نہیں فرمایا۔ دُودھ پلانے کی مدّت دو سال ہے۔ اس لیے زیادہ مدّت تک دُودھ پلانے کی حرمت نہیں ہے۔ دو سال تک مشترک دُودھ پینے والے بہن بھائی حرمت میں داخل ہیں۔ اگر کوئی عورت دو خاندانوں کے دو بچوں کو یکے بعد دیگرے یعنی دو مدّتوں میں دودھ پلاوے۔ یعنی ایک لڑکے کو سنہ ۲۲ سے سنہ ۲۴ تک اور دوسری لڑکی کو سنہ ۲۴ سے سنہ ۲۶ تک، تو یہ دونوں بچے بڑے ہو کر آپس میں نکاح کر سکتے ہیں۔ ان میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ ایک ہی مدّت میں دو بچے کسی عورت کا دودھ پئیں، تو بہن بھائی بن جائیں گے۔ ماں باپ بچے کی رکھوالی اور تربیت میں کافی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور اس کی خیر و عافیت اور بھلائی کے خواہاں ہوتے ہیں اور اس کی بہتری چاہتے ہیں) یہاں تک کہ جب وہ (بچہ) اپنی جوانی کو پہنچا (والدین اگر موجود ہیں تو وہ اس کے جوان ہو جانے پر بھی اس کی بھلائی اور بہتری میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں وہی کچھ ہے، جو ابتدائی حالت میں تھا) اور پہنچ جاتا ہے چالیس سال کو (خود بھی صاحبِ اولاد ہو گیا ہے۔ بچوں میں گھرا ہوا ہے۔ اب آنکھیں کھلتی ہیں اور والدین کی قدر معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے میرے ساتھ کیسے کیسے سلوک کیے ہیں، تو اب ادھر توجہ ہوئی اور) بولا، اے میری ربوبیت کرنے والے، مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں، وہ جو انعام کیا تُو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر (بھی) اور یہ (بھی توفیق عنایت فرما) کہ میں (اچھے) کام کروں، جن پر تو (اے پروردگار) راضی ہو اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر۔ تحقیق میں نے (اے رب العٰلمین) تیری طرف (ہی) رجوع کیا (میں مخلوق

میں سے کسی کا پجاری نہیں ہوں) اور تحقیق میں (تیرے ہی) فرماں برداروں سے ہوں (اصل چیز مُسلم بننا ہے۔ دوسرے لوگ والدین ہوں یا استاذ یا رسول یا کوئی اَور، وہ مطاع تو ہو سکتے ہیں، مگر اصل مطاع خداوندکریم ہی ہے۔ ایسے خیالات والے لوگ سوائے اللہ کامل مطلق کے اَور کسی کو معبود نہیں گردانتے اور نہ والدین سے بدسلوکی کا برتاؤ کرتے ہیں، بلکہ ہر ایک کی بہتری میں لگے رہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں، جن کے متعلق فرمایا):

(۱۶) اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝

یہی لوگ ہیں کہ ہم ان سے قبول کرتے ہیں بہت اچھا، جو کیا اُنھوں نے اور ہم ان کی برائیوں (قصور و نقص وغیرہ) سے درگذر کرتے ہیں جنّت والوں (میں شامل ہوتے ہیں؛ یہ) سچا وعدہ (ہے) جو وہ وعدہ کیے جاتے ہیں (تمام رسول اور پیغمبر، خدا کا یہ وعدہ دنیا کو پہنچاتے چلے آئے ہیں اور تمام نیکوکار دوسرے عالم میں جا کر اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ انعامات وغیرہ مرتے کے ساتھ ہی عطا ہو جاتے ہیں، نہ کہ کسی لمبے زمانہ کے بعد دیے جائیں گے۔ غرض یہ نیک لوگوں کا ذکر تھا، جو خدا کے مُسلم بن کر والدین کی خدمت گذاری کرتے ہیں۔ اب نافرمان لوگوں کا بیان ہے، جو یکسر خدا اور حشر و نشر کے قائل نہیں۔ ایسے لوگ سخت خسارا اٹھائینگے جب قانونِ الٰہی ہی سے منحرف ہیں، تو والدین سے کس امید پر احسان کر سکتے ہیں؟ فرمایا)

(۱۷) وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝

اور وہ شخص جس نے اپنے والدین سے کہا کہ تمھارے لیے حیف ہے، کیا تم مجھے ڈراتے ہو کہ میں (اس دنیا سے) نکالا جاؤں گا، حالاں کہ مجھ سے پہلے (بھی) بہت جماعتیں گذر گئی ہیں (اور اپنے اپنے کاموں کے مطابق بدلہ پا رہی ہیں۔ یہ قطعًا غلط ہے اور نِرے ڈھکوسلے ہیں، اگر سچے ہو، تو ان کو سامنے لاؤ، ہم اُن سے دریافت کریں گے۔ والدین بے چارے اس کے اس عقیدے پر تڑپ اُٹھتے ہیں) اور (وہ) دونوں اللہ تعالےٰ سے فریاد کرتے ہیں (شفقت باقی ہے اور چاہتے ہیں کہ یہ عذاب سے بچ جائے، پھر اس لڑکے کو کہتے ہیں)

افسوس ہے (تجھ پر۔ ایسے عقیدہ سے باز آ اور خداوندکریم پر سچا) ایمان لا (کیوں کہ) تحقیق اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) کا وعدہ سچ ہے (تجھ پر بھی وقت آئے گا، اس کے لیے کچھ نیک کام کر، تاکہ سرخ روئی حاصل ہو۔ یہ خالی ڈراوا نہیں ہے، جیساکہ تو سمجھتا ہے، مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا) پس کہتا ہے نہیں ہے یہ، مگر پہلے لوگوں کی (قصہ) کہانیاں (جو لوگ مر گئے ہیں، کیا ان کا کوئی نتیجہ نکلا ہے، جو مجھے ڈرایا جاتا ہے؟ اس پر ارشادِ الٰہی ہے:)

(۱۸) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ○ یہی وہ لوگ ہیں، جن پر جنوں اور انسانوں کی دوسری اُمتوں میں سے جو ان سے قبل گذر چکی ہیں، خدا کا وعدہ (عذاب) صادق آیا بے شک وہ لوگ خسارہ اٹھانے والے تھے (اُنھوں نے اپنے اعمال کے بدلے میں خدا کا عذاب اپنے اوپر ڈال لیا)

(۱۹) وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ اور ہر ایک کے لیے، جو کچھ کہ اُنھوں نے کیا، اس کے مطابق درجے ہیں تاکہ (انھی درجوں کے مطابق) اللہ اُن کے اعمال کا بدلہ دے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

(۲۰) وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ○ۧ اور جس دن ناشکر گذار لوگ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں، تو اُن سے کہا جاتا ہے) تم اپنی خوشیاں دنیا کی زندگی میں لے گئے اور تم نے اُن سے فائدہ اٹھا لیا (رُعب داب، نمود و نمائش، عیش و آرام اور غرور و تکبر کی شان و شوکت کا لطف تم اٹھا چکے ہو) پس آج ذلت کے عذاب (سے) بدلہ دیے جاؤگے، اس لیے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کرتے تھے (دوسری وجہ یہ کہ) اور یہ سبب اس کے کہ تم (اللہ کامل مطلق کے حکموں کی) نافرمانی کرتے تھے (آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرنے کا یہی ثمرہ ملتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ نامعقولیت سے سخت پرہیز کرے اور اپنے بنانے والے کے فرمان عالی شان کے مقابلہ

میں کسی کی پروا نہ کرے۔ یہ جماعتیں اور بڑے بڑے جتھے حق کی مخالفت میں محض بے حقیقت ہیں۔ فرمانِ خداوندی کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینے میں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ سلف پرستی اور پھر غیر معقول طریق پر بے دلیل تقلید بہت بڑا جرم ہے۔ ضد اور ہٹ دھرمی سے حق بات کا انکار کرنے والے بہت بڑے خسارے میں ہیں۔ غرض توحید پر قائم رہنا سرخروئی اور خوشنودیٔ خدا کے حصول کا سبب ہو جاتا ہے اور پروردگار ایسے موحد سے ایسا اعلیٰ سلوک اور مہربانیاں فرماتا ہے، جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں، مگر توحید کی مخالفت کرنے والے لوگ دنیا اور عاقبت میں سخت تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر بڑا رحیم ہے، وہ نہیں چاہتا کہ یہ مصیبتوں کا شکار بنیں، اس نے ہمیں نجات کی راہ بتا دی ہے جنھوں نے اس راہ کی اقتدا نہیں کی، وہ خائب و خاسر ہوئے اور ان کی تباہی کے آثار زمین میں محفوظ رکھے، تاکہ آنے والی نسلیں عبرت پذیر ہوں۔ جیسا کہ فرمایا:)

تیسرا رکوع (۲۱) وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ اور (اے پیغمبر!) ان

قریش وغیرہ کے سامنے) قوم عاد کے بھائی (یعنی ہودؑ) کا ذکر کر، جب اس (ہودؑ) نے اپنی قوم کو احقاف میں (ان کے بُرے انجام سے) ڈرایا (احقاف، تودہ ہائے ریگ یا ٹیلے وغیرہ کو کہتے ہیں۔ غرض ہودؑ سے پہلے اس کے آس پاس، اردگرد، اگلی پچھلی بستیوں میں کئی رسول آئے تھے، مگر جو عبرت نہ پکڑے اور دوسروں کے بُرے انجام سے سبق حاصل نہ کرے، اس کے لیے یہ مثالیں کب مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ فائدہ تو وہی اُٹھا سکتا ہے، جو ڈر جائے اور نیک بننے کی کوشش کرے۔ سادہ تعلیم سے نفرت کرنا اور شرارت، ضد اور بغض و عناد سے حق کی مخالفت کرنا رُسوائی کا پیش خیمہ ہے۔ فرمایا:) اور تحقیق اس (کے) پہلے اور پیچھے بھی ڈرانے والے گذر چکے ہیں (ان سب کا پیغام یہی تھا) کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (ہر مصلح یہی کہتا تھا کہ بُرائیوں سے باز آؤ اور صرف اللہ تعالیٰ کامل مطلق کی مرضی کو مقدم رکھو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو) تحقیق میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں (تمھاری یہی حالت رہی، تو سنتِ اللہ کے مطابق عذاب کی گرفت میں آ جاؤ گے، مگر ان ضدی اور سرکش ظالموں کی طرف سے ہر مصلح اور خیر خواہ کو اُلٹا ہی جواب ملتا رہا۔ چنانچہ:)

(۲۲) قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ بولے، کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے معبودوں سے پھیر دے (ہمارے بے شمار معبود اور مددگار ہیں، اُن کے ہوتے ہم پر کوئی مصیبت نہیں آ سکتی۔ پس اگر تو سچوں سے ہے، تو جس سے ہمیں ڈراتا ہے، وہ ہمارے پاس لے آ۔

(۲۳) قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ○ (ہودؑ نے) کہا، سوائے اس کے نہیں کہ (عذاب کا) علم خدا ہی کے پاس ہے (وہ تمھاری حالت کے مطابق مناسب موقعہ پر مناسب برتاؤ کرے گا۔ مجھے اس میں ذرا بھی علم و اختیار نہیں ہے) اور میں تو پہنچاتا ہوں تم کو وہ چیز (یعنی وحی الٰہی) جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں (اور تم ہو کہ مجھ سے غیب دانی کی توقع رکھتے ہو۔ ایسا نہیں ہے) و لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو (اور اپنی بہتری کے دشمن ہو، جب ہی تو حقیقت کا انکار کر کے مشاہدہ کے خلاف کر رہے ہو۔ آخر جب اُن کی سرکشیاں انتہا کو پہنچ گئیں، تو ان کا مطالبہ پورا ہونے کا وقت آ گیا۔ پھر وہی ہوا جس سے ہودؑ نے اُن کو ڈرایا تھا۔ ارشاد ہے:)

(۲۴) فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ پس جب اس عذاب کو بادل (کی صورت) میں دیکھا، (قحط کا زمانہ تھا، یہ سمجھے کہ اُن کی وادیوں میں آ رہا ہے بولے، یہ بادل ہے (جو) ہم پر برسے گا (اور ہماری زمینوں کو سرسبز و شاداب کر دے گا)، لیکن یہ وہ (عذاب الٰہی) ہے جس کو تم عجلت سے مانگا کرتے تھے (یہ باران رحمت نہیں بلکہ) آندھی ہے، جس میں درد ناک عذاب ہے۔

(۲۵) تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو
تباہ کردیا (بڑی تیز و تند اور نہایت سرد ہوا تھی، مویشی اور انسان، پتھروں سے ٹکرا ٹکرا
کر، گرتے پڑتے تباہ ہوگئے) تو وہ ایسے ہوگئے کہ اُن کے مکانات کے سوا کچھ دکھائی
ہی نہ دیتا تھا (یہ کیوں ہوا؟ فرمایا) ہم اسی طرح مجرم قوم کو بدلہ دیتے ہیں۔ غرض یہ
معاملہ صرف قوم عاد ہی سے پیش نہیں۔ ایسی کئی ظالم، مفسد قومیں ہلاک ہوچکی ہیں،
تاکہ لوگ اُن کے انجام سے سبق حاصل کریں۔ اور خدا کے احکام کو بسر و چشم تسلیم کریں۔
قانونِ خداوندی میں کسی کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی۔ اے قریش! تمھیں تو وہ قومیں
بھی میسر نہیں ہیں پتھروں کے قلعہ نما مکان اور قوت و حشمت کے تمام سامان ملیامیٹ
کردیے گئے، جیسا کہ فرمایا:)

(۲۶) وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ
سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ
وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اور البتہ تحقیق ہم نے ان (قوم عاد) کو
اس چیزیں قوت دی تھی (اے قریش!) کہ ہم نے اس میں تمھیں وہ قدرت (اور طاقت)
نہیں دی (دنیا میں تھی جب اللہ نے ان کے اعمال کی پاداش میں انھیں مٹانا چاہا، تو
دنیا کی قوت انھیں اس سے بچا نہ سکی۔ انھوں نے ہماری نعمتوں کی کوئی قدر نہ کی، بلکہ
اس کے خلاف سخت ناشکر گزار ثابت ہوئے) اور ہم (خدا) نے ان (قوم عاد) کو کان اور
آنکھیں اور دل دیے تھے (تاکہ شکر گزار بنیں اور ان چیزوں سے ٹھیک ٹھیک کام لیں،
کانوں سے سُنیں، آنکھوں سے دیکھیں اور مشاہدہ کریں۔ پھر دل سے سوچیں، نیک و بد میں
تمیز کریں۔ مگر انھوں نے ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، بلکہ ہدایت و نصیحت کی طرف
سے کانوں میں انگلیاں دے لیں، آنکھیں بند کرلیں اور دلوں پر پردے ڈال لیے، بس
نہ اُن کے کان اُن کے کچھ کام آئے، نہ اُن کی آنکھیں، نہ اُن کے دل، جب کہ وہ اللہ کی
آیات سے جھگڑتے تھے اور ان کو اُس (عذاب) نے آگھیرا جس سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے (وہ
جان بوجھ کر آیات اللہ کا انکار کرتے اور اُن کا مذاق اڑاتے تھے اور یہ سب کچھ اپنے مزعومہ

مددگاروں اور معبودوں کے گھمنڈ پر کرتے تھے۔ جب گرفت کا وقت آگیا، تو کوئی بھی پرسانِ حال نہ ہوا۔ اے قریش! اپنے آس پاس نگاہ ڈالو اور نافرمانوں کا انجام دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ تمھارے جنوب مشرقی علاقے میں قومِ تبع اور شمال میں ایکہ کی مٹی ہوئی بستیاں بزبانِ حال یہ اعلان کر رہی ہیں کہ خدا کی نافرمانی کرنے والی قومیں کس طرح صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جایا کرتی ہیں۔

چوتھا رکوع (۲۷) وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ اور البتہ تحقیق ہم (خدا) نے (اے قریش!) تمھاری اِرد گرد کی بستیوں سے اگلی بستیاں، ہلاک کر دیں اور پھیر پھیر کر ہم نے (اپنی) آیات کو بیان کیا، تاکہ وہ (سرکش قومیں قانونِ الٰہی کی طرف) رجوع کریں (اور دردناک عذاب سے بچ جائیں، مگر وہ اپنے معبودانِ باطل کے بھروسے پر حق کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور یہی ان کی سب سے بڑی گمراہی تھی)

(۲۸) فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

پھر ان لوگوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی، جن کو اُنھوں نے اللہ (کامل مطلق) کے سوا (تقربِ الٰہی کے لیے معبود پکڑا ہُوا تھا (خدا کے تقرب کے لیے ان وسیلوں کا اختیار کرنا بھی صریحاً شرک ہے۔ وقت پر کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا۔) بلکہ وہ (معبودانِ باطل) ان سے گم ہو گئے (کوئی ہو تو آئے؟ اللہ واحد کے بغیر کوئی دوسرا معبود ہی نہیں) اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور یہی کچھ وہ افترا کیا کرتے تھے (یاد رکھو کہ آخر کار حق ہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ حق سے پہلوتہی کرنے والوں کا ایسا ہی انجام ہوتا آیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ہاں مومن باللہ ہونا ضروری چیز ہے اور خدا سے اجر کی امید پر نیک کام کرنے والا ضرور احسن بدلہ پائے گا۔ جو بھی اپنی اصلاح کرے گا، وہ اچھے بدلے کا مستحق ہوگا۔ جو کوئی بھی صراطِ مستقیم پر چلے گا۔ فلاح پائے گا، جیسے کہ اگلی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کاہن یعنی جن لوگوں کو بُرے راستہ پر چلنا سکھاتے ہیں اور خود ان پر اپنا رعب داب قائم رکھتے ہیں۔ خداوند کریم کی مہربانی سے چند کاہن یعنی جن دوسرے علاقہ سے کسی موقعہ پر مکہ میں رسولِ کریمؐ کی مجلس میں خفیہ طور پر آئے اور قرآن سُن کر متاثر ہوئے۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ شعلہ ہائے آسمانی سے خوف زدہ ہو کر دل میں لرز گئے ہوں۔ کیوں کہ اس وقت ستارے کثرت سے آگ پھینکتے تھے اور کئی ایک کاہن مارے بھی گئے تھے۔ غرض وہ چپ چاپ الگ تھلگ بیٹھے اور قرآن مجید سُنا۔ اس کی پاک اور معقول تعلیم

اُن کے دلوں میں اُتر گئی۔ جب وہ اپنی قوم میں واپس گئے۔ تو اپنی قوم میں جاکر تبلیغ شروع کردی۔ یہ لوگ نہ نبی علیہ السلام سے ملے، نہ بیعت کی، نہ جہاد میں شامل ہوئے، نہ اپنے مقدمات ہی حضورؐ کے پاس لائے، مگر اصل چیز یعنی توحید قبول کی اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی۔ ارشاد باری ہے:

(۲۹) وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ

اور جب ہم (خدا) جنوں کی ایک جماعت میں سے کئی شخص تمہاری طرف پھیر کر لائے کہ قرآن سُنیں پس جب وہ اس (قرآن) کے پاس حاضر ہوئے، تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش (بیٹھے) رہو، پس جب (قرآن کا پڑھنا) ختم ہوا (تو) اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے (مبلّغ بن کر) واپس گئے (تاکہ قرآن کا پیغام اُن تک پہنچائیں)

(۳۰) قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ

بولے، اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سُنی (ہے) جو موسٰے کے بعد اتاری گئی ہے (ممکن ہے کہ یہ لوگ یہود ہوں اور مسیحؑ کو نہ مانتے ہوں یا یہ بات ہو کہ اصل توراۃ کو جانتے ہوں، کیوں کہ انجیل بالتبع آئی تھی۔ غرض وہ یہود کاہن اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم سُن کر آئے ہیں وہ) تصدیق کرتی ہے، جو اس کے آگے ہے (تمام کتب سماوی کی مصدق ہے)، حق کی طرف رہبری کرتی ہے اور سیدھے راستے کی (ہدایت کرتی ہے)۔

(۳۱) يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اے ہماری قوم! اللہ کے داعی (کی بات) کو قبول کرو (وہ آپ کچھ نہیں بنتا، صرف پیغام پہنچاتا ہے اور خود بھی اس کتاب کا محکوم ہے، نہ کہ قاضی و حاکم) اور اُس (اللہ کامل مطلق) پر ایمان لاؤ (تاکہ وہ خدائے قدوس) تمہارے گناہوں میں سے بخش دے اور تم کو دردناک عذاب سے پناہ دے (غور و فکر سے کام لو، تو یہ بات تمہارے لیے از حد بہتر ہے، کیونکہ اصل توحید ہی ہے جس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایسی عالی شان اور مقبول تعلیم سے مُنہ موڑا جائے، اور اس کتاب بھیجنے والے کی ناقدردانی کی جائے؟ کیسی سادہ تعلیم ہے کہ انبیاء تک اکیلے خدا کی طرف ہی بلاتے۔ اپنے

آپ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے)۔

(۳۲) وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ اور جو کوئی اللہ کے پکارنے والے (کی بات) کو قبول نہیں کرتا تو وہ زمین میں (خدا کو) عاجز نہیں کر سکتا اور نہ اس کے سوا اُس (ناشکر گزار) کے حمایتی ہوں گے۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ پروردگار عالمین نے اپنے بندوں کے لیے لاتعداد نعمتیں پیدا کیں اور تمام کارخانۂ عالم کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے۔ پہلے تمام سامان پیدا کیے۔ پھر انسان کو بنایا۔ پیدا کرنا ترتیب دینا اور صحیح نتیجے نکالنا۔ یہ باتیں خدا کی ہستی کو ثابت کرتی ہیں۔ قدیم ایک ہی ہونا چاہیے اور وہ خدا ہی ہے۔ مکان و زمان تمام مخلوق ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ثبوت ذرہ ذرہ سے ثابت ہے، بلکہ خود ہماری فطرت اُس کی ہستی کی گواہ ہے۔ خدا کے سوا باقی سب کچھ حادث ہے۔ تمام اشیاء ارتقاء حاصل کر رہی ہیں۔ یہ ارتقائی زندگی سب کو ملتی رہتی ہے۔ ہر شے آگے بڑھتی ہے اور دوسری اس کی جگہ پر پہنچتی ہے۔ فرمایا:)

(۳۳) اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ (کامل مطلق) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، وہ ان کو پیدا کر کے تھک نہیں گیا ہے (کیا وہ مُردوں کو زندگی نہیں دے سکتا؟ کیوں نہیں، ایسا خدا) اس پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔ ہاں ہاں (ضرور قادر ہے، وہ نیست سے ہست کرتا ہے، تو مُردوں کو زندہ کرنا تو نسبتاً بہت آسان ہے۔ یہ تناسخ والی موت وحیات نہیں ہے) تحقیق وہ (اللہ کامل مطلق) ہر شے پر قادر ہے (ہر چیز مقررہ قانون کے مطابق ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہ سنت اللہ ہے، جو تبدیل نہیں ہوتی۔ ہر کام اپنے مناسب قدم پر ہوتا رہتا ہے۔ اب آگے فرمایا کہ جب کوئی شے عبث نہیں بنائی، تو ضرور ہے کہ نتیجہ خیز ہو)

(۳۴) وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

اور جس دن (اپنے اپنے وقت پر) ناقدر دان لوگ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں (اور ان سے کہا جاتا ہے) کیا یہ حق نہیں ہے (تو اپنے وقت پر سب کفار) بولے کیوں نہیں ہمارے پروردگار

کی قسم (یہ حق ہے۔ پروردگار نے) فرمایا پس عذاب کو چکھو بسبب اس کے کہ تم (دنیا میں اپنے مالک کی) ناقدردانی کرتے تھے۔

(۳۵) فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ۝ پس (اے نبیؐ تو کفار کی دریدہ دہنی کے عوض) صبر کر (ہمیں بتایا کہ اگر بدلہ لینا چاہو تو برابر کا بدلہ لے سکتے ہو، مگر حضورؐ کو صبر کا حکم فرمایا اور اللہ سے توفیق مانگنے اور بدی کے عوض نیک سلوک کرنے کی تلقین فرمائی۔ بے شک یہ بڑا کٹھن کام ہے۔ پس اے رسولؐ ایسا صبر و استقلال دکھا) جس طرح رسولوں میں سے عالی ہمت (پیغمبروں) نے صبر کیا (یقیناً آپؐ نے خدا تعالیٰ کی توفیق سے ایسا ہی صبر کرکے دکھلا دیا اور اللہ کے نزدیک سُرخ روئی حاصل کی) اور ان (کفار) کے لیے (عذاب کی) جلدی نہ کرو (کئی دفعہ رسول کریمؐ کو خیال آتا تھا کہ یہ لوگ جلد پکڑے جائیں اور ان کی وجہ سے آپؐ کا سینہ تنگ ہوتا تھا اور خدا سے عزم کی دعا مانگا کرتے تھے، مگر بحکم خدا صبر سے کام لیتے تھے آپؐ نے اللہ کی مدد سے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی) جس دن (اپنے اپنے وقت پر) یہ دیکھتے ہیں، جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ (تو خیال کرتے ہیں) کہ گویا (دنیا میں) رہے ہی نہ تھے مگر دن کی ایک گھڑی (دن کی گھڑی نہ کہ رات کی، جو غفلت میں گذرتی ہے پس اتمام حجت ہو چکا، تعلیم واضح کردی، دلائل دے دیے اور یہ کافی) پہنچانا ہے۔ جو جیسا کرے گا، بدلہ پائے گا، نیک و بد ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکے جاتے۔ صالحین نعمتوں کے باغوں میں عزت پاتے ہیں۔ بدکار دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ فرمایا:) پس نہیں تباہ (و ہلاک) کیے جاتے، مگر نافرمان لوگ۔

سُورَةُ مُحَمَّد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ سورہ اجنگ بدر سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس میں کافروں اور مومنوں کا مقابلہ کرکے دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حامی و ناصر ہے اور کفار بے یار و مددگار رہ جاتے ہیں۔ فرمایا:

(۱) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا (خدا کی نافرمانی کی اور پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ مسلمانوں کو ستانا شروع کردیا) اور اللہ کے راستے (صراطِ مستقیم) سے (اوروں کو بھی) روکتے رہے۔ اُن کے اعمال (ان کی کوششیں) برباد کردیں (ان کے مقابلے میں راہِ توحید پر چلنے والے لوگ خوب پھلے پھولے۔ اللہ نے اُن کی ہر طرح مدد کی۔ ان کو بڑے بڑے نازک موقعوں پر نصرت الٰہی حاصل ہوتی رہی۔ فرمایا:)

(۲) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝

اور وُہ لوگ جو ایمان دار ہیں (پہلی کتب سماوی کے مومن یا عقلی طور پر صحیح راستہ پر چلنے والے، وہ دونوں طرح ترقی پاسکتے ہیں اور اگر قرآن مجید پر بھی عمل کریں، تو پھر وہ دُہرے اجر کے مستحق ہیں اور بہت سے انعامات پاسکتے ہیں اور ان کی بُرائیاں دُور کی جاسکتی ہیں۔ فرمایا:) اور جنھوں نے صالح (نیک) عمل کیے اور جو محمدؐ پر اُتارا گیا ہے، اس پر ایمان لائے اور وہ اُن کے پروردگار کی طرف سے حق ہے (قرآن مجید اتحاد و امن سکھاتا ہے۔ اس پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت کی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ حق ہے اور اس لیے ماننے کے قابل ہے، نہ کہ کسی کے کہنے سے حق ہے۔ حق اپنے دعوے کے ساتھ دلائل بھی دیتا ہے اور پہلے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتا، خواہ کسی کے ہوں۔ غرض ان مومنوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ فرمایا:) ان کی بُرائیاں دور کردیں اور ان کی حالت سنوار دی

دنیکی قائم رکھی جاتی ہے اور بدیاں اُتاری جاتی ہیں، مگر کفار کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اُن کی نیکیاں اکارت اور گناہ برقرار رکھے جاتے ہیں)۔

(۳) ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ○ یہ (کفار کے اعمال کی بربادی اور مسلمانوں کی اصلاح) اس لیے ہے کہ کفار نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اپنے پروردگار کی طرف سے حق کی اتباع کی (کفار من دون اللہ پرست اور جبر کرنے والے بنے اور مومنوں نے اپنے قادر مطلق کا دامن تھاما۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ مومن اگرچہ ابتلاؤں اور آزمائشوں میں مبتلا کیے جائیں گے، مگر نیک انعام اور سُرخروئی حاصل ہوگی، خواہ اس میں دیر ہو، مگر انجام ضرور بخیر ہوگا۔ یہ خداوند کریم کا سچا وعدہ ہے اور خدا سے زیادہ سچ کہنے والا کون ہو سکتا ہے؟ اس کی بہت سی مثالیں اور نظیریں دنیا میں قائم ہو چکی ہیں، اور ہوتی رہیں گی)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اُن کی (حالت کے مطابق) مثالیں بیان کرتا ہے (اب مومنین و کفار کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ مومنوں کو جبر کی روک تھام کرنے کے لیے مدافعانہ جنگ پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ فریقِ مخالف قتل تک سے دریغ نہیں کرتا۔ مومنین کی طرف سے رواداری اور امن و سلام کا عملاً اظہار کیا جا رہا ہے، لیکن وہ اس کے باوجود اسلام اور مومنین کے مٹانے کے درپے ہیں، لیکن کب تک؟ آخر اپنی جانوں کی حفاظت اور دینِ حق کے قیام کے لیے قتال کا حکم ملتا ہے۔ فرمایا:)

(۴) فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ○ پھر جب (اے مومنو!) تم کفار سے بھڑ جاؤ (جو جبر مذہبی بھی کرتے ہیں) تو تمھیں اُن کی گردنیں مارنا ہے (اصل مقصد قتل کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا زور توڑنا ہے۔ کب تک گردنیں مارنا ہے؟ جب تک ان کا زور اور قوت ختم نہ ہو

فرمایا:) یہاں تک کہ ان کا زور (سچ مچ ٹوٹ جائے اور طاقت) چور (چور) ہو جائے (پہلے گردنیں مارنا اُن کو کمزور کرنے کے لیے ہے۔ پھر جب وہ ناتوان ہو جائیں، تو پھر کیا کرو؟) پس مضبوط کرو (یعنی اُن کو اچھی طرح پختہ طور پر) قید کرنا (مقابلہ کرتے وقت ہمت دکھلاؤ غالب ہونے پر حلم کا پہلو اختیار کرو۔ بدریں تنبیہ اس لیے آئی کہ کفار کا زور توڑنے کے بغیر ہی مسلمان اُن کے تعاقب میں آگے نکل گئے تھے، جس سے نقصان اٹھانا پڑا۔ غرض جب وہ عاجز آجائیں، تو انھیں قید کرنا شروع کردو۔ لونڈی غلام کی ابتدا آپس کی لڑائیوں سے ہوتی تھی۔ قرآن کریم کا تمام دنیا پر احسان ہے کہ آئندہ کے لیے اعلان کر دیا کہ جو مرد عورت جنگوں میں پکڑے جائیں، انھیں احسان کرکے چھوڑ دو اور اگر فدیہ مل سکے، تو فدیہ لے کر آزاد کردو۔ یہاں تک کہ فریقین کی لڑائی ختم ہو جائے۔ اسلامی جہاد سے پہلے کے لونڈی غلام تو ان کو آزاد کرنے کے لیے کئی ایک راہیں پیدا کر دیں۔ مثلاً بیت المال میں کچھ روپیہ اُن کو آزاد کرانے کے لیے رکھا گیا۔ گردنوں کو آزاد کرنا بہت ہی مستحسن عمل قرار دیا۔ بہت سی غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ یہ مقرر کیا گیا کہ لونڈی غلام چھوڑ دیے جائیں۔ جو مملوک اپنی آزادی کے خواہاں ہوں، وہ اگر صلاحیت رکھتے ہوں، تو ان کو اپنی گرہ سے خیرات و صدقات کی رقم دے کر اُن کی قیمت کی قسطیں پوری کرنے کی تلقین فرمائی گئی، جو لونڈی غلام، معذور، ضعیف، بیمار، مریض یا مخبوط الحواس ہوں، ان کی سرپرستی کرنے اور ان پر مروّت و احسان کرنے کا حکم ہوا۔ غرض قرآن مجید نے غلامی کا پوری طرح استیصال کر دیا۔ ایک جگہ فرمایا کہ نبیؐ کے شایانِ شان نہیں کہ اس کے لیے قیدی ہوں۔ ہاں کچھ وقت تک وہ قیدیں رکھے جائیں گے۔ جب مقابلہ کرنے والوں کو نیچا دکھا دیا اور انھیں سخت کمزور کر دیا، تو قیدیوں کے متعلق دو پہلوؤں میں سے ایک پر فوراً عمل کرنا ہوگا۔ فرمایا:) پھر (ان قیدیوں کو) یا تو احسان کرکے چھوڑ دو یا پھر فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ (اگر تمھارے لوگ اسیر ہوں، تو تبادلہ کرلو ورنہ تاوان لے لو، یا احسان کرکے ان کو آزاد کردو۔ اب کوئی تیسری صورت ہی نہیں ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قیدیوں کو قتل کرنا قطعاً جائز نہیں رکھا۔ احسان کرکے چھوڑنے میں لڑائی کا بند کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ فرمایا:) یہاں تک کہ دشمن لڑائی کے ہتھیار ڈال دے۔ یہ اللہ کا حکم ہے، جو تمھیں دیا گیا ہے کہ آئندہ ایسا ہی کرنا کہ اسیروں کو چھوڑ دیا کرو۔ اگر تمھارا خیال ہے کہ خداوند کریم ان کفار کو مقابلے سے پہلے ہی کیوں اپنی گرفت میں نہیں لے لینا، تو اس میں یہ کیا حکمت ہے کہ) اور اگر چاہتا اللہ، البتہ اُن سے بدلہ لے لیتا اور تمھیں مذہبی تعصب اور تشدد مٹانے کے لیے جنگِ مدافعانہ کا حکم نہ دیتا۔)

ولیکن (پروردگار چاہتا ہے) کہ تمھارے بعض کو بعض سے آزمائے۔ اور وہ لوگ جو راہِ خدا میں مارے جاتے ہیں، تو اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرتا۔

(۵) سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ بلکہ جلد ہی انھیں (سیدھے) راستے پر چلاتا اور ان کی حالت سنوار دیتا ہے۔

(۶) وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ ان (مومنین نیکو کاروں) کو جنت میں، جس سے انھیں شناسا کرایا ہے، داخل کرتا ہے۔

(۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ اے ایمان دار لوگو، اگر تم خدا (کے کاموں) کی مدد کرو گے (تو وہ خدا) تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدموں کو (ہر نازک سے نازک موقع پر) ثابت رکھے گا (مومنین خدا کے دین کی حمایت میں بحکم خدا دریغ نہیں کرتے۔ ان سے ایسا ہی عالی شان سلوک اور عمدہ برتاؤ کیا جاتا ہے۔)

(۸) وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ان کے لیے ہلاکت ہے اور ان کے اعمال برباد ہو گئے۔

(۹) ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝
یہ اس لیے ہے کہ جو اللہ نے اتارا ہے، اس کو انھوں نے ناپسند کیا پس ان (ناقدر دانوں) کے (اگر کوئی اچھے) اعمال (بھی ہوں، تو وہ بھی ان کی ناشکر گزاری اور نافرمانی کے سبب) ضائع ہو گئے (یہ اعمال عاقبت کے لحاظ سے برباد ہو گئے۔ دنیا میں ان اعمال سے کچھ فائدہ ہو تو ہو، لیکن عقبےٰ میں کوئی فائدہ ان کو نہ ہوگا۔ دنیا سے بھی وہ بہت بری طرح اٹھائے جاتے ہیں۔ ان بدکرداروں کے برے انجام کی بہت سی مثالیں گذر چکی ہیں۔ اہلِ عقل کو ان کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے، جیسا کہ فرمایا:)

(۱۰) أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ٥ کیا پھر
انھوں نے (یعنی سرکش لوگوں نے) زمین میں سیرو سفر نہیں کیا۔ تاکہ وہ دیکھتے کہ ان (نافرمانوں)
کا جو ان سے پہلے تھے، کیا انجام ہوا؟ اللہ (کامل مطلق) نے اُن پر ہلاکت ڈال دی۔ اگر یہ لوگ
بھی باز نہ آئے، تو ان ہی کی طرح عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ کیونکہ) اور واسطے کفار کے
اسی کی مانند ہوتا رہتا ہے۔

(۱۱) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى
لَهُمْ ٥ یہ بسبب اس کے ہے کہ اللہ تعالےٰ مومن لوگوں کا مولیٰ (سرپرست، کارساز) ہے
اور یہ کہ کفار کا کوئی مولا نہیں ہے۔

دوسرا رکوع گزشتہ رکوع میں دنیا کے حالات بیان فرمائے۔ اہلِ ایمان اور اہلِ کفر کا مقابلہ
کیا اور بتایا کہ قانونِ الٰہی کی پابندی کرنا دینِ الٰہی کی مدد ہے۔ اگر ایسا کروگے
تو اللہ تعالےٰ تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے گا۔ جبر مذہبی کی مذمت کی۔ اعتدال
کی تعریف فرمائی۔ معتدل کام کرنے کی تاکید کی۔ مومن اگر ڈانوا ڈول ہوجائیں، تو خدا ان کو ثابت قدمی
عنایت کرے گا اور منکرین منہ کے بل گریں گے کہ اٹھنا مشکل ہوجائے گا۔ ان کی تمام کوششیں
اکارت جائیں گی۔ نیکی کا نمونہ بننا بہت اچھی چیز ہے۔ غور و فکر سے کام لینا اور نیکی و بدی میں تمیز
کرنا نہایت اعلےٰ اصول ہے۔ برادری کے ڈر سے یا اپنی جھوٹی عزت کے سبب نیک کاموں
سے رُک جانا بہت بُرا ہے۔ لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنا بدترین فعل ہے۔ یہ لوگ نہ تو قرابت
کا خیال رکھتے ہیں، نہ عہد و پیمان کا۔ رشتہ دار، انصار و مہاجر سے بڑھ کر ہے، اس کا خیال رکھنا
چاہیے۔ والدین کا حق مومنین سے بھی زیادہ ہے۔ مگر یہ سرکش اس کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔
کفار کے ان اعمال کے باعث ان کے ساتھ کیا ہمدردی یا مہربانی ہوسکتی ہے؟
اب اس دوسرے رکوع میں عقبےٰ کا حال بیان فرمایا ہے۔ مومنوں اور کافروں کے اعمال کے
نتائج الگ الگ دکھائے ہیں۔ (ارشاد ہے کہ)

(۱۲) اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ
كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ٥ تحقیق اللہ تعالیٰ ایماندار لوگوں

اور صلاحیت والے کام کرنے والوں کو جنات (آرام دہ باغوں) میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (یہ ثمرہ ہے احکامِ خداوندی پر چلنے کا) اور کافر (نافرمان) لوگ (دنیا میں نیچرل طور پر) فائدہ اُٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جس طرح چار پائے کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

(۱۳) وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ○ اور کتنی ہی بستیاں اس تیری بستی سے جس سے تو نکالا گیا، قوت میں زیادہ تھیں، ہم نے اُن کو (ان کے باشندوں کی بداعمالیوں کے سبب) ہلاک کر دیا اور اُن کا کوئی مددگار نہ ہوا (جو اُن کو اُن کے ظلم کی پاداش سے بچا سکتا)

(۱۴) اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ○ کیا جو شخص کہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہے (کیا وہ) اس شخص کی طرح ہے کہ جسے اپنے عمل کی بُرائی (بھی) اچھی معلوم ہو اور جنھوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی (مطمئن دل جو اپنے خدا کی بیّنات اور واضح دلائل پر قائم ہو کیا وہ اس کی مانند ہو سکتا ہے، جو ہوائے نفس کا تابع ہو؟ ان میں صریح فرق ہے، یقیناً نیک لوگ بہشتوں میں اور بدکار جہنم میں دھکیلے جانے کے قابل ہیں۔ اہلِ جنت کے ٹھکانے کی تعریف سنو۔ فرمایا:)

(۱۵) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۚ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۚ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ○ اس کثرتِ جنت کی مثال جو متعین کر دی گئی ہے (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بگڑتا نہیں ہے (دنیا کا عام پانی ذائقے اور بو میں خراب ہو جاتا ہے، مگر جنت کی نہروں کا پانی

ہمیشہ صاف اور پاکیزہ رہتا ہے) اور (اُس بہشت میں) دُودھ کی نہریں ہیں، جس کا مزہ (دنیا کے دُودھ کی طرح) نہیں بدلے گا۔ اور (یہی نہیں، بلکہ جنّت میں) شراب کی نہریں (بھی ہیں) جو پینے والوں کے لیے لذّت (دینے والی ہے) اور مصفّیٰ شہد کی نہریں (بھی ہیں جن کی لذّت کو دنیا کے شہد سے کوئی نسبت نہیں) اور (جنّت میں) اُن (مومنوں) کے لیے ہر قسم کے پھل (بھی ہیں۔ (اللہ تعالےٰ ان تمام نعمتوں کو اگرچہ مادی رنگ ہی میں بیان فرماتا ہے، مگر یاد رکھنا چاہیے کہ وہ عالم ہی اور ہے۔ عالمِ مادی پر اس کو قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ اس دنیا میں اشیاء سامانوں سے تیار ہوتی ہیں مگر آخرت میں اشیاء اعتقاد سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اہلِ علم اس بات کو خوب سمجھتے ہیں، مگر نادان اور بے وقوف ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں۔ ان نعمتوں ہی پر بس نہیں، بلکہ ان صلحاء کے لیے) اُن کے پروردگار کی طرف سے مغفرت (کا انعام بھی) ہے (اوپر کے تمام انعاموں پر غور کیا جائے، تو ان میں ایک خاص ترتیب رکھی گئی ہے۔ پہلے پانی، پھر دُودھ، پھر شراب، پھر شہد، پھر میوے اور آخر میں مغفرت۔ مغفرت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے) کیا (ایسے انعامات پانے والا) اس کی مانند ہے، جو آگ میں رہنے والا ہے (پھر مذکورہ بالا نعمتوں کی جگہ اس جہنمی کو کیا ملتا ہے؟ فرمایا) اور جن کو کھولتا ہُوا گرم پانی پلایا جائے گا۔ پس (وہ پانی) اُنکی انتڑیوں کو کاٹ ڈالتا ہے (اب اُن لوگوں کا ذکر فرمایا، جو مومن ظاہر ہو کر آتے تھے، لیکن درحقیقت منافق تھے):

(۱۶) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝ اور اُن میں سے بعض وہ ہے، جو تمہاری طرف کان لگائے رکھتا ہے (سامنے تو کوئی اعتراض وغیرہ نہ کیا، مگر صحابہؓ سے شکایت یا مذاق کے رنگ میں گفتگو کر دی۔ یا کچھ سُنا، محض اس لیے سُنا کہ اپنی مجلسوں میں جا کر اس کا مضحکہ اُڑایا جائے یا اپنی طرف سے کچھ باتیں گھٹا بڑھا کر غلط فہمی پیدا کی جائے اور لوگوں کو قرآن سے بدظن کرنے کی کوشش کی جائے اور کفار کو مقابلے پر اُبھارا جائے) یہاں تک کہ جب (یہ منافق) تجھ سے (رسُول کی مجلس سے) چلے جاتے ہیں (تو) ان لوگوں سے جنھیں (قرآن کا) علم دیا گیا ہے، کہتے ہیں (بھلا) اس (رسُول نے) ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں کہ اللہ (کامل مطلق) نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا رکھی ہے اور (یہ معاملہ ان کے ساتھ اس لیے کیا گیا کہ انھوں نے ضد و عناد اور حسد و بغض کی وجہ سے خدا کو چھوڑ کر) اپنی خواہشات کی اتباع کی (خدا کی رضا کو پس پشت ڈال کر اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے رہے اور اپنے بُرے انجام کو دیکھنے کے لیے تیاری کر لی۔ مگر

نیکوکار ابرار کا انجام بہت اچھا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔ فرمایا:)

(۱۷) وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝ اور جو لوگ ہدایت (بحکم خداوندی نیک راہ) پر ہیں۔ ان کو (اللہ) زیادہ (مدد اور) ہدایت دیتا ہے اور ان کو پرہیزگاری (کی زندگی) عطا کرتا ہے (مگر نافرمانوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا جاتا، وہ تو دنیا سے رسوا کر کے نکالے جاتے اور طرح طرح کے دردناک عذابوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ پس چاہیئے کہ وہ کام کیا جائے، جو خدا کی مرضی کے مطابق ہو۔ وقت کو غنیمت سمجھا جائے اور پیشتر اس کے کہ وہ ہیبت ناک وقت آجائے۔ اپنی اصلاح کی جائے۔ کیوں کہ اس کے بعد کوئی مہلت نہیں مل سکتی۔ کیا یہ ناہنجاری بھی اس موقعہ کے انتظار میں ہیں اور اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے؟)

(۱۸) فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝ پھر کیا انتظار کرتے ہیں اُس گھڑی (گرفت کی) کا یہ کہ اُن کے پاس اچانک آجائے (در اصل وہ اپنی مصیبت کے وقت کے منتظر ہیں۔ خداوند تعالیٰ اس وقت کے علامات و نشانات دکھاتا رہتا ہے) پس تحقیق اس (گھڑی) کے علامات آچکے ہیں (یہ لوگ فوراً قوم یونسؑ کی روش اختیار کریں ورنہ موقعہ ہاتھ سے نکل جانے پر پچھتانا بے سود ثابت ہوگا) پس جب وہ گھڑی اُن کے پاس آجائے تو پھر ان کا نصیحت پانا کہاں سے ہوگا (ضد و عناد سے حد کو پہنچے ہوئے لوگوں کا یہی علاج ہوتا آیا ہے)

(۱۹) فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝ پس (اے پیغمبرؐ) جان رکھو کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ (اے رسولؐ تو عبد ہے، خیال رکھیو، غلطیاں ہوتی ہیں) اور پہلے اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتا رہ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے واسطے (بھی خدا سے مغفرت مانگا کر۔ رسول شرارت و ضد سے تو گناہ نہیں کرتے۔ مگر لغزش یا بھول چوک ہو سکتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے فضل وغیرہ مانگ سکتے ہیں، مگر ایک کا عمل دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسانی کمزوریوں کو خوب جانتا ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے، مغفرت طلب کرتے رہو میں مہربان ہوں۔ رسولؐ کریم کو بھی خطرات سے آگاہ فرمایا کہ ان سے بچا کرو۔ لغزشوں پر مغفرت کے طالب بنا کرو) اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے کی جگہ کو جانتا ہے (بازاروں اور گھروں

میں ہر جگہ تم سے غلطیاں ہوسکتی ہیں۔ پس مجھ سے طالب بخشش رہا کرو۔ لغزش و گناہ وحی نہیں ہوتے، ورنہ ان سے بچنے کے کوئی معنے ہی نہ تھے۔ نبی کریمؐ اور دوسرے مومنین کو آیات ہی کا انتظار ہوتا تھا، وہ مومن خوب جانتے تھے کہ آں حضرتؐ کی ہر بات وحی الٰہی نہیں ہوا کرتی۔ جیسا کہ فرمایا:)

تیسرا رکوع (۲۰) وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ۝ اور وہ لوگ جو ایمان دار ہیں، کہتے ہیں کہ کیوں (کوئی ایسی) سورۃ نہیں اُتاری جاتی (جس میں جہاد کی کھلی اجازت ہو، تاکہ ہم مفسدہ پردازوں کے گروہ سے فیصلہ کُن جنگ کرکے روز روز کی تکلیف سے نجات پائیں۔ کوئی نبی ازخود تو لڑائی کی اجازت نہیں دے سکتا جب تک کہ خدائی حکم نہ آجائے، جیسا کہ اس سورۃ محمدؐ میں محکم حکم آگیا ہے۔ سورۃ بقرہ اور حج کے وہ حصے جن میں جنگ کی اجازت ہے، تھوڑے فاصلے کے بعد نازل ہوئے ہیں۔ حج اور بقرہ میں اجمالاً ذکر ہے، مگر سورۃ محمدؐ میں قطعی اور مکمل حکم عنایت فرمایا ہے۔ غرض جب تک خدا معاملے کو صاف نہ کردے، انسان سے بھول چوک ہوسکتی ہے۔ مثلاً نبی صلعم کی موجودگی میں مسلمان قریباً پندرہ برس آپس میں میراث تقسیم کرتے رہے ہونگے، مگر یہ کوئی جرم نہ تھا، ہاں معضل ضرور تھا۔ خداوندکریم نے مدینہ میں تقسیم میراث کا خلاصہ اور بیّن حکم فرمایا۔ خدا ہی بتائے تو معاملہ صاف ہوتا ہے۔ معضل یا بھول کی اُخروی سزا تو نہیں ہے، مگر قدرتی ضرر تو ضرور پہنچتا ہے۔ ہاں حکم آجانے کے بعد اگر کوئی خلاف ورزی کرے، تو مجرم ہے اور قابلِ مواخذہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ رسولؐ کا ہر حکم یا کام وحی نہیں ہُوا کرتا، ورنہ کیوں اتنی مدت تک یہ التوا رہا اور پھر مخصوص فہم والے کو خداوندکریم کی طرف سے تنبیہ کیوں کی جاتی تھی؟ اگر آں حضرت صلعم کا کوئی مخصوص فہم ہوتا، تو اُنھیں یہ کیوں نہ بتایا کہ فریقین میں مرد سچا ہے یا عورت۔ بلکہ قسمو سے فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ پھر لین دین میں گواہ لینے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ حالات کے ماتحت فیصلہ صادر کیا کرو۔ جو چیز دورانِ مقدمہ وغیرہ میں خداداد عقل سے نظر آئے، اس کے مطابق حکم دے دیا کرو۔ اپنے خیالات کو الگ رہنے دیا کرو۔ یہ

ہے ہمارات اللہ کی اصل تفسیر نہ کہ وہ جو عام علمائے مقلدین کرتے ہیں۔ روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ فیصلے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کے حق میں ناحق فیصلہ ہو گیا ہے، تو یہ نہ سمجھیے کہ رسولؐ کے فیصلے سے ناحق حق ہو گیا ہے۔ بلکہ جہنم کے ٹکڑوں سے آگ کا ٹکڑا ہے اگر منظور کرتا ہے تو اٹھالے بعض یہود و نصاریٰ اور مجوس وغیرہ جو بظاہر مسلمان ہوئے تھے۔ ان پارٹیوں نے اپنی اپنی بات کو سچ بتانے کے لیے حضورؐ کے نام سے احادیث کا ذخیرہ بنایا۔ اس طرح اصل اسلام کے مقابلہ پر یہ طومار جمع ہوا جس سے بچنا کسی بڑے اولوالعزم اور بزرگ ہمت مسلمان ہی کا کام ہے۔ الغرض جب مسلمان اجازتِ جنگ کے خواہاں تھے، تو خدا نے مناسب موقعہ پر ان کو اجازت دے دی۔

فرمایا) پس جب نازل کی گئی سورۃ محکم (پوری اور اس میں کجی کی نہیں ہے) اور اس میں قتال کا ذکر کیا گیا ہے (اب اپنے قول سے پھر گئے اور دِلوں کی بیماری اور ایمان کی کمزوری کے باعث جنگ سے جی چرانے لگے۔ اسی طرح سموئیل نبی کی قوم نے اپنے نبی سے تقاضا کیا تھا کہ ہم میں کوئی بادشاہ ہونا چاہیئے تاکہ ہم اپنے دشمنوں سے جنگ کریں۔ کیونکہ بغیر بادشاہ کے لڑائی نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ کے لیے علم وجسم یعنی سیاست دانی اور انتظامی قابلیت کا ہونا اشد ضروری ہے۔ سموئیل نبی میں یہ چیز نہ تھی۔ انھوں نے قوم سے کہا کہ پھر حکم آنے پر انکار نہ کرنا۔ بولے ہرگز نہیں۔ غرض خداوند کریم نے ان کے لیے طالوت کو ان کا بادشاہ بنا دیا۔ ان لوگوں نے اسے چھوٹی ذات کا جان کر انکار کر دیا، مگر آخر طالوت بادشاہ ہو کر رہا اور اس نے جالوت کو شکست دی۔ رسولِ کریمؐ کی مکی زندگی میں بادشاہت نہ تھی۔ اس لیے حبشہ، مدینہ وغیرہ میں ہجرتیں کرنا پڑیں۔ مکی زندگی میں صرف رسالت یعنی وحی کی اطاعت کا حکم تھا۔ جب مدینہ پہنچے، تو کفار نے وہاں دو سو چالیس میل تک بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ وہاں خدا نے آپ کو بادشاہ بنایا اور سامان مہیا کر دیے۔ رسولِ کریمؐ کو داؤد کی طرح دونوں چیزیں نبوت اور حکومت عنایت فرمائیں۔ سموئیل میں حکومت کرنے کی قابلیت نہ تھی۔ ان دونوں قابلیتوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ غرض جب آپ بادشاہ ہوئے اور کفار و مشرکین کے ظلم وستم کی حد ہو گئی، تو جنگ کی اجازت ملی۔ اب چونکہ جنگ ہو سکتی تھی اس لیے بادشاہ کی اطاعت ضروری اور لازمی ہو گئی۔ اب دو طرح کی اطاعت ہو گئی: ایک رسالت کی، دوسری حکومت کی۔ پس اب مدینہ میں شاہی فرماں برداری کا حکم بھی ہوا، جو مکہ میں نہیں تھا۔ کیونکہ وہاں حکومت ہی نہیں تھی۔ اگرچہ مشرکین وہاں سخت جبر بھی کرتے تھے، مگر وہاں نظام حکومت نہ تھا۔ اس لیے لڑائی کا حکم نہ ملنا تھا نہ ملا۔ رسالت میں سب انبیاء کی اطاعت ہے۔ اور اگر کوئی نبی بادشاہ بھی ہو، تو نظامِ حکومت کی فرماں برداری بھی بہت ضروری ہو جاتی ہے، ورنہ بدنظمی پھیل جائے گی۔ غرض مدینہ میں بادشاہت ہونے پر اطاعت حکومت ہو گئی

ویسے تو نیکوں کے نمونہ پر چلنا ضروری اور بہتر ہے۔ ہاں نمونہ اچھا ہو تو بُرے نمونہ سے بچنا نیکی ہے بادشاہ دنیا میں کئی ایک ہوتے ہیں۔ یکے بعد دیگر مرتے اور بدلتے ہی رہتے ہیں۔ اس لیے اُن کی اطاعتیں بھی منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اگر نبی اور بادشاہ الگ الگ شخصیتیں ہوں گی، تو انتظامی امور میں نبی بادشاہ سے پوچھیگا۔ اور وحی میں بادشاہ نبی سے پوچھے گا۔ دونوں طاقتیں الگ الگ ہیں۔ مدینے میں قتال فرض ہوا۔ تو نظام حکومت کے بنیادی سرو سامان کی فراہمی شروع ہوگئی۔ تاکہ باضابطہ کام چلے۔ افواج، دفاتر، محکمۂ قضا، تنظیم زکوٰۃ تمام لازمی شعبے قائم کیے گئے۔ افواہوں کے انسداد کا بندوبست کیا گیا۔ خبروں کو صرف ذمہ دار حکام کے پاس پہنچانے کی تاکید کی گئی اور ہر کس و ناکس سے بیان کرنے کی ممانعت کی گئی۔ خاص خاص کام خاص خاص لوگوں کی تحویل میں دیے گئے۔ ان سب باتوں کا انتظام کرنے کے بعد اس امر کا انتظار ہُوا کہ اگر اب بھی کفار نے مسلمانوں کے خلاف جارحانہ قدم اٹھایا، تو مسلمان مقابلے میں کھڑے ہو جائیں، مگر جو لوگ قتال کے لیے بڑے بے قرار تھے، اب وُہی بُزدلی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ اور اپنے تمام وعدوں اور تقاضوں کو بھول گئے اور جنگ کا نام سُنتے ہی حواس باختہ ہو گئے؛ جیسا کہ ارشاد ہے) جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق اور بُزدلی کا) رض ہے۔ (اے پیغمبرؐ) تُو ان کو دیکھتا ہے، وہ تمھاری طرف نظر کرتے ہیں۔ ایسا نظر کرنا جیسے موت کی غشی آگئی ہو۔ یہی اُن کے واسطے مناسب ہے (یہ تو بڑی شیخیاں مارا کرتے تھے۔ وقت آنے پر کھسک گئے۔ حالاں کہ یہ)

(۲۱) طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ فرماں برداری اور اچھی بات کا موقع تھا (جب جنگ کا ارادہ پختہ ہو جائے، تو بُزدلی بہت بُرا اثر ڈالتی ہے، حوصلہ مندی کو کام میں لانا چاہیئے) پس جب (جہاد کا) امر پختہ ہو گیا (تو اس موقعہ پر) اگر اللہ سے سچے رہتے (اپنے عہد کو پورا کرتے) تو البتہ ان کے لیے (بہت ہی) بہتر ہوتا (سُن رکھو کہ قاعدین و مجاہدین میں تین فرق ہے۔ اگر کوئی معذور امن سے بیٹھا رہے، تو اس کو اجر ملیگا اگر ایمان کی کمزوری اور بغیر معقول عذر کے پیچھے رہے گا، تو وہ مفسد اور منافق ہے۔ اور بہت بڑی سزا کا مستحق ہے۔ تم تو قطع رحمی اور فساد وغیرہ کے خلاف لڑنا چاہتے تھے اور جنگ کی اجازت طلب کیا کرتے تھے۔ اب دفعتہً اپنے قول و اقرار سے پھر گئے۔ افسوس)

(۲۲) فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ

تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ۝ پھر (اے منافقو!) کیا تم قریب ہو تو اس بات کے (ہو)
کہ اگر اختیار ملے تمھیں تو تم زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو (یاد رکھو، خدا کو
صلہ رحمی اور امن و سلامتی پسند ہے، اور تم اس کے خلاف چاہتے ہو۔ پھر تمھاری سزا کیا ہے؟ فرمایا)

(۲۳) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ۝
یہی وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ نے لعنت کی (رحمتِ خداوندی سے دُور کردیا) پس (اللہ نے)
اُن کو بہرا بنا دیا (کہ ان کو حق بات سُننے کی توفیق ہی نہیں رہی) اور ان کی آنکھوں کو
اندھا کردیا (کہ وہ حقائق کی طرف نظر ہی نہیں کرتے)

(۲۴) اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝
کیا پھر اُنھوں نے قرآن میں تدبّر نہیں کیا یا دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں (یوں سمجھنے کو
تو وہ قرآن سمجھتے ہی تھے، مگر یہ جان کر کہ کفار کا بڑا زور ہے، ان سے ساز باز کرلیتے تھے یہی
اُن کے دل کا سب سے بڑا مرض تھا کہ دین کے دشمنوں سے مرعوب تھے)

(۲۵) اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ۝ تحقیق وہ
لوگ جو اُن پر ہدایت ظاہر ہونے کے بعد اپنی پیٹھوں پر پھر گئے (کہ بزدلی، خوشامد اور مخبری
کرکے اپنی حفاظت کریں گے)، شیطان نے ان کے واسطے (ان کے اعمال کو) زینت دی
اور ان کے لیے ڈھیل (مہلت) دکھائی (کہ تمھاری عمر کافی ہے، مزے کی زندگی بسر کرو،
جنگ و جہاد کی مصیبت میں کیوں پھنستے ہو؟ وہ شیطان کے اس فریب میں کیوں آگئے؟

(۲۶) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ
سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ۝ یہ اس لیے
ہے کہ جو لوگ خدا کی اُتاری ہوئی کتاب سے بیزار ہیں، یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض باتوں
میں ہم تمھاری بھی اطاعت کریں گے (جنگ کے وقت خفیہ طور پر تمھاری مدد کریں گے) اور
(اللہ ان کی پوشیدہ باتوں اور (مشوروں) کو جانتا ہے (اس سے کیا چُھپا سکتے ہیں، جس کے

آگے غیب و شہادت یکساں ہے ؟ اگر یہ لڑیں گے۔ تو ہم مونہوں پر ماریں گے۔ بھاگے، تو پیٹھوں پہ ماریں گے۔ یہ لوگ اپنے انجام پہ نگاہ نہیں رکھتے)

(۲۷) فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ○ تو (اسوقت) کیسا (حال) ہوگا جب فرشتے انکو فوت کرتے ہیں (اور) مارتے ہیں انکے مونہوں اور پیٹھوں انکی پر (یہ فساد اور قطع رحمی کی حمایت کرنے والے خم ٹھونک کر سامنے آتے تھے اور خدا کی رضامندی کے کاموں سے نفرت کرتے اُلٹے پاؤں پھر جاتے تھے۔ اسی مناسبت سے مونہوں اور پیٹھوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا!)

(۲۸) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ○ یہ بسبب اس کے ہے کہ اُنھوں نے خدا کو ناخوش کرنے والی باتوں کی اتباع کی اور اس (کالِ مطلق) کی خوشنودی کو اچھا نہ سمجھے (تو نتیجہ کیا نکلا؟) پس (اللہ نے بھی) ان کے اعمال کو اکارت کردیا۔ (یہ لوگ کبائر سے اجتناب نہ کرتے اور بڑے بڑے مظالم توڑتے تھے۔ اس لیے ان کی چھوٹی چھوٹی نیکیاں اور خوبیاں ان کبائر کے ساتھ ہی ملیامیٹ ہوگئیں۔ ان لوگوں کو آخرت میں تو عذاب ہوگا ہی، کیونکہ صلہ رحمی اور دوسرے احکام خداوندی سے پہلوتہی کی، مگر دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی سے نہ بچیں گے۔ ارشاد ہے کہ)

چوتھا رکوع (۲۹) اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ○ کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں (نفاق اور بددیانتی کی) بیماری ہے یہ گمان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کینوں کو (ان کے دلوں سے باہر) نہ نکالے گا (پروردگار کھلے طور پر نام لے کر نہیں بتایا کرتا۔ دوسرے کئی طریقوں سے وہ ظاہر ہوجائیں گے اور بدنام و رسوا ہوں گے اور ہر طرف سے پھٹکارے جائیں گے۔ فرمایا!)

(۳۰) وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ○ اور اگر ہم (خدا) چاہتے، تو تجھے وہ لوگ دکھا بھی دیتے (کہ فلاں فلاں ہیں، مگر یہ ہم کو پسند نہیں۔ ہمارا یہ قاعدہ ہی ہے۔ ہاں ان کے کاموں، ان کے چہروں، ان کی حرکات و سکنات سے ان کی شناخت ہوتی رہے گی) اور

تو ان کو ان کے چہروں سے پہچان لینا اور تو ان کو (ان کے) انداز گفت وگو سے ہی، پہچان لے گا (کہ کیسی شرمندگی، ڈھٹائی اور چاپلوسی سے باتیں کرتے ہیں) اور (اے منافقو! یاد رکھو) اللہ تمہارے کاموں کو (خفیہ ہوں یا ظاہر اچھی طرح) جانتا ہے۔ اگر دنیا وعقبیٰ میں سرخ روئی چاہتے ہو تو ایمان واعمال میں استقامت دکھاؤ۔ آزمائشوں میں پورے اترے، یہ ہی تمہارا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد ہے۔

(۳۱) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝ اور ہم تمہیں (طرح طرح کی ابتلاؤں اور امتحانوں کے ذریعے) آزمائیں گے، یہاں تک کہ ہم (خدا) تم سے جہاد کرنے والوں کو اور ثابت قدم رہنے والوں کو جان لیں ...... (کہ تم خدا کی راہ میں جانیں قربان کر سکتے ہو یا نہیں؟ مصیبتوں کے ہجوم میں استقلال دکھا سکتے ہو یا نہیں؟) اور ہم تمہاری خبروں کو (بھی) جانچیں گے (کہ کہاں تک سچی باتیں کرتے ہو یا افواہیں اڑا کر فتنہ پردازی کرتے ہو۔ رسول کریم دنیا سے بدامنی مٹا کر آزادی، رواداری اور امن قائم کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے، مگر امن وسلامتی کے دشمن اُن کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ فرمایا:)

(۳۲) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝ تحقیق جو لوگ کافر ہوئے اور جنھوں نے (دوسرے لوگوں کو بھی) اللہ کے راستے سے روکا اور رسولؐ کی مخالفت کی (نبیؐ کریم حاکم وقت تھے، قوانین وغیرہ جاری کرتے تھے۔ وہ لوگ رکاوٹیں ڈالتے تھے اور احکام کے اجرا میں مزاحم ہوتے تھے۔ اگر وہ لوگ ایسا نہ کرتے اور فرماں برداری کرتے، تو ان کے پہلے کام بھی جو اپنے اندر خوبیاں رکھتے تھے، ضائع نہ ہوتے۔ یہ لوگ مخالفت کب کرتے تھے؟) بعد اس کے کہ ان کے واسطے ہدایت واضح ہو گئی (رسولؐ اللہ نے ہدایت کو چھپایا نہیں، بلکہ ظاہر کر دیا، مگر ضد بھی بہت بُری بلا ہے کہ حقیقت سے متنفر کر دیتی ہے اور مقابلہ پر آمادہ کر دیتی ہے۔ پھر اگر وہ ایسا کرتے ہیں، تو کیا ہوا؟ کرتے رہیں) اللہ (کامل مطلق) کا کچھ نہ بگاڑیں گے (دین تو خدا کا ہے اور مقابلہ بھی اُسی سے ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ اللہ کو ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے، بلکہ اپنے ہی اعمال ضائع کریں گے۔ فرمایا) اور البتہ (خدا) ان کے اعمال اکارت کر دے گا (اس وقت رسول کریمؐ بادشاہ ہیں، انتظامی احکام بھی نافذ کرتے ہیں اور رسالت بھی پہنچاتے ہیں۔ آپؐ

کی دو حیثیتیں ہیں. حکمران اور مبلغ. آپؐ جرائم کی سزائیں بھی دیتے ہیں اور قرآن مجید کے احکام بھی سُناتے ہیں. آپؐ کی انتظامی اطاعت بھی ضروری ہے، ورنہ شیرازہ منتشر ہو جائے. اس جگہ اطیعوا الرّسول کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے. آپؐ چیف جج ہیں. آپؐ کا فیصلہ آخری اور قطعی ہے. جسے بہر حال تسلیم کرنے کا حکم ہے. اب مومنین کو خطاب ہے کہ ہوشیار رہو جاؤ، کہیں ایسا کام نہ کر بیٹھنا کہ کیا کرایا برباد ہو جائے، جیسا کہ ارشاد ہے :)

(۳۳) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو (قتال حکم خدا ہے اور اس کا انتظام وغیرہ رسولؐ کرے گا اور اسی طرح یہ انتظامی کام آگے کو رسولؐ کے جانشین کرتے چلے جائیں گے) اور (رُوگردانی کرکے) اپنے اعمال کو باطل نہ کرو (اپنے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دو، ورنہ تکلیف اٹھاؤ گے. اگر میرے حکم پر چلو گے، تو میں تمھاری ہر طرح مدد کروں گا. سرکش اور باغی لوگ میری مہربانیوں اور مدد کے مستحق نہیں ہیں، ارشاد ہے :)

(۳۴) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۝ تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے اور (کفر ہی پر اکتفا نہ کی، بلکہ اہلِ اسلام کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے رہے. پھر مر گئے اور وہ (موت کے وقت بھی) کافر (ہی) رہے (نہ توبہ کی، نہ اعمالِ صالحہ کیے) تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا (وہ اپنے کیے کی پوری سزا بھگتیں گے اور لمبے عذاب کے بعد اُن کی خلاصی ہوگی)

(۳۵) فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۝ پس (اے مومنو!) تم (ہر وقت چاک چوبند رہو) تساہل نہ برتو (نہ خدا کے دشمنوں کو) صلح (ہی) کی طرف بلاؤ (عین جنگ کی تیاری کے وقت کمزوری کا اظہار ہلاکت کے مترادف ہے. صلح خیر تو ہے، مگر مقابلہ کے وقت ایسا کرنا بہت بُرا ہے. اس طرح منافقین مومنوں کو کئی طرح کا ضرر پہنچا سکتے ہیں، پس اے مومنو! گھبراؤ نہیں) اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمھارے ساتھ ہے (تم اللہ کے دین کی مدد کرو، مستعد رہو، تو خدا بھی ضرور تمھاری مدد کرے گا، یہ اس کا وعدہ ہے اور وہ اپنے

وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔ یہ وہ مومن ہیں، جو دل کے مریض تھے، مگر اب از سرِ نو ایمان پر قائم ہو گئے، ان کو تسکین دی کہ اگر اس طرح ثابت قدم رہے اور صلاحیت والے کام کرتے رہے، تو تمھارے پہلے نیک عمل ضائع نہ کیے جائیں گے، جیسا کہ فرمایا) اور (خدا) ہرگز تمھارے اعمال تم سے چھین نہ لے گا۔ (بلکہ ان کا بھی نیک بدلہ ضرور دے گا۔ دنیا فانی چیز ہے۔ فی الحال نہ لڑو نہ مرو، مگر دوسرے نیک کام تو کرو۔ جب جنگ کا موقعہ آئے، تو بغیر عذر کے انکار نہ کرنا، یاد رکھو)

(۳۶) اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ سوائے اس کے نہیں کہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشہ ہے اور اگر تم امن پسند بنو اور پرہیزگاری اختیار کرو (تو اللہ) تم کو تمھارا اجر دے گا اور تم سے تمھارے مال طلب نہیں کرے گا (کھیل کی جگہ ایمان اور تماشہ کی جگہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ غرض فی الحال جنگ تو نہیں ہے، مگر سامان وغیرہ بنانے کے واسطے مالی مدد کی ضرورت ہے۔ تم حسب توفیق خرچ کرنے سے نہ رکو۔ خدا اس کا تمھیں بڑا اجر دے گا۔ بعد میں تو کثرت سے غنائم وغیرہ آئیں گے۔ اور تمہاری عسرت، خوش حالی سے بدل جائے گی اور تمھیں زندگی کے اور بھی کئی فوائد حاصل ہوں گے۔ حکومت بھی رفاہِ عام کے کاموں پر خرچ کرے گی۔ ریلیں، سڑکیں، نہریں، روشنی وغیرہ کا بندوبست کرنا حکومت کا فرض ہے۔ یہ تو بعد میں ہوتا ہی رہے گا، مگر موجودہ وقت میں حکومت تم سے جتنا مناسب سمجھ کر طلب کرے، دینے سے دریغ نہ کرنا، ورنہ تمھارے جنگی کاموں میں کمی آجائے گی اور تمھارا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ غرض ہر طرح اپنی تیاری کرو اور مستعد رہو، تاکہ موقعہ پر عاجز نہ ہو جاؤ۔ دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے اتحاد، اتفاق اور سامان میں کوئی نقص نہ رہے، ورنہ دشمن تمھاری کمزوری اور بے سروسامانی سے فائدہ اٹھائے گا۔ پس اپنی ہی بہتری کے لیے خرچ کرو، تاکہ تمھیں دنیا اور عاقبت کی بھلائی حاصل ہو۔)

(۳۷) اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ اگر (خدا) تم سے وہ (سارا مال) مانگ لے بس تنگ کرے تم کو تم بخیلی کرو گے (تو خدا) تمھاری بدنیتی ظاہر کر دے گا (اور تمھاری دلی بیماری، یعنی نفاق وغیرہ کو ظاہر کر دے گا۔ یاد رکھو، اس وقت تم معمولی خرچ کرو۔ دنیوی اور اُخروی خوش حالیاں تمھارا انتظار کر رہی ہیں)

(۳۸) هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ۖ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ ٱلْغَنِىُّ وَأَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوٓا أَمْثَٰلَكُم ۝ خبردار تم وہ لوگ ہو کہ خدا کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو (جس میں اصل فائدہ تمھارا ہی ہے) پس بعض تم میں سے وہ ہے، جو بخل کرتا ہے (وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور اللہ (کامل مطلق تو) بے نیاز (اور بے احتیاج) ہے اور تم (ہر معاملے میں، اللہ کے) محتاج ہو (اگر اس کے حکم کے مطابق کام کروگے، تو تم کو بہت بڑا اجر دے گا۔ تم سب کے سب گدا ہو، اس کے سامنے نہایت عاجز، نہایت محتاج ہو۔ تم سب مل کر اس سے مدد مانگو اور اس کی فرماں برداری اختیار کرو۔ تم خرچ کرنے سے گھبراتے ہو، حالاں کہ سب کچھ دیا ہوا اسی کا ہے۔ تم پر تمھاری حیثیت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا گیا) اور اگر تم (انفاق فی سبیل اللہ سے) منہ موڑو گے (تو تمھاری زندگی قائم نہیں رہے گی) اور (خدا) تمھاری بجائے اور قوم لے آئے گا۔ پھر وہ تمھاری مانند (منافق، بخیل) نہ ہوگی (بلکہ ثابت قدم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والی فرماں بردار اور بہادر قوم ہوگی۔ اور ایسے ہی اوصاف کی مالک قوم کو دنیا میں عزت کے ساتھ زندہ رہنے کا حق ہے۔

سُورۃ الفتح

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ سورۃ فتح ہے۔ سورۃ محمدؐ سے اس کا یہ تعلق ہے کہ اس میں فرمایا تھا کہ اپنے اور مومنوں کے لیے اللہ سے معافیاں مانگو۔ وہ تیرے ساتھ مل کر یا الگ اپنے طور پر بھی اللہ سے بخشش کے طلب گار رہیں۔ انسان ڈانوا ڈول حالت میں گھبرا کر کئی ایک لغزشیں کر جاتا ہے۔ ان کا مداوا کرنا ضروری ہے، تاکہ خدا تعالےٰ درگزر فرمائے۔ خدا غنی ہے، تم فقیر ہو۔ اُسی نے ڈانوا ڈول حالت میں تم کو فتح دی۔ رواداری کے راستہ پہ گامزن ہونا ہی بڑی بھاری فتح ہے۔ افراط و تفریط اور گھبراہٹ کے موقعوں پر کامل فتح عطا کی۔ سیدھا راستہ دکھلانا ثابت قدمی اور یقین پیدا کرنا، یہ واضح فتح اور زبردست کامیابی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

(۱) اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ تحقیق ہم (خدا) نے تجھ کو فتح دی صاف وصریح فتح (اب وہ گھبراہٹ اور بے چینی کی حالت نہیں رہی۔ یہ اس لیے ہے):

(۲) لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَہْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ تاکہ اللہ تعالیٰ تیرے گناہ جو پہلے کر چکا ہے اور جو پیچھے ہوئے، معاف کرے (گھبراہٹ اور پریشانی میں انسان سے لغزشیں ہو جانا بعید نہیں اور جب فتح ہو، اس موقع پر بڑی بڑی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، اس لیے اپنی اصلاح کرنا لازم ہے اور خدا کا شکر کرنا بڑا ضروری ہے) اور تاکہ تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے اور تجھے سیدھی راہ دکھلا دے (فتح اور آزادی اللہ کی رحمت ہے۔ پہلی اور پچھلی حالت میں جو کمزوریاں ہوئیں۔ اُن کی تلافی کرنی چاہیئے۔ اقرار کی پابندی، عہد کا پورا کرنا بہت ضروری ہے۔ خواہ وہ عہد کسی سے بھی ہو نباہنا چاہیے۔ رسول کریمؐ غیروں سے بھی عہد پورا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ سے اور آپؐ کے صحابہؓ سے کفار نے کہا کہ اب کی مرتبہ ہم تمھیں حج نہ کرنے دیں گے، واپس چلے جاؤ۔ آئندہ حج کے موقعہ پر چند آدمی بھیج کر اپنا عندیہ پیش کرنا۔ ان میں خفیہ طور پر مسلمان بھی تھے، جو رشتہ داری کے بندھنوں

میں پھنسے ہوئے تھے۔ اگر اس موقعہ پر قتال ہوتا، تو وہ بھی مارے جاتے۔ آپ واپس آ گئے۔ غلطی سے بچنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ .... طالب مغفرت رہنا بڑی خوبی والی بات ہے۔ رسول کریمؐ نے ان کفار کو چار ماہ کی مہلت دی۔ اس مدت میں اور بھی کئی ایک لوگ مسلمان ہو گئے۔ صرف رؤسا کا طبقہ مخالف رہ گیا۔ باقی سب لوگ مومن بن گئے۔ ان رؤسا میں سے بھی بعض ایمان لے آئے۔ بحیثیت مجموعی یہ ایک بڑی عالی شان فتح ہوئی، جو بغیر کسی خون ریزی کے مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اسی لیے اس کو فتح مبین کہا گیا ہے۔ جب آزادی مل گئی، تو جبر ہٹ گیا۔ یہ نعمت بڑی نعمت ہے۔ خدشات کے نکل جانے پر یقین بڑھتا اور زیادہ سے زیادہ ترقی پاتا ہے، اسی لیے ہمیں ہر وقت صراط مستقیم کی دعا مانگنا چاہیے)

(۳) وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ (اللہ کا ارادہ یہ بھی ہے کہ) اللہ تیری (وہ) مدد کرے (جو) غلبہ والی مدد (ہے۔ ارادۂ خداوندی ہے کہ سارا عرب فتح ہو جائے، مگر اس ارادہ کو پورا کرانا تمھارے کاموں پر منحصر ہے۔ اگر تمھارا عمل منشاءِ الٰہی کے مطابق ہو گا، تو ایسا ہونا ضروری ہے، ورنہ نہیں۔ مسلمان حکم خدا کے ماتحت رہے، اس لیے انھیں یہ فتح نصیب ہوئی۔ مومنوں کی یہ فتوحات صرف خدا کی مہربانیوں سے ہوئیں، وہ اپنے بل بوتے پر کام یاب نہیں ہوئے جیسا کہ فرمایا:)

(۴) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وہی (خدا تو) ہے، جس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین اتاری، تاکہ اُن کے ایمان کے ساتھ (اور) ایمان بڑھائے (ان کو ثابت قدمی عطا فرمائے اور اُن کے اوسان قائم رکھے۔ حملہ سے پہلے رسول کریمؐ نے ان سے بیعت لی، اللہ نے انھیں استقلال عطا کیا۔ کیوں کہ دلوں پر صرف خدا کا قبضہ ہے۔ اس کے حکیمانہ تصرفات میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں ہے۔ وہ کارکنان قدرت کو جو بھی حکم دے دے، وہ بلا چون وچرا کر گذرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان لشکروں سے ارض و سماوات معمور ہیں۔ کون ہے، جو سوائے خدا کے اُن کا شمار کر سکے؟ فرمایا:) اور آسمانوں اور زمین کے لشکر (سب) خدا ہی کے ہیں (اور اس کے فرمان سے یہ لشکر سرتابی کر ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ) اللہ (کامل مطلق) جاننے والا، حکمت والا ہے (غرض امداد و نصرت اور تسکین و تسلی کا نتیجہ یہ ہوا:)

(۵) لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ تاکہ (اللہ) ایمان والے (مردوں اور ایمان والی (عورتوں

کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں، داخل کرے (اہلِ بہشت کو ترقی در ترقی ہی ملتی رہے گی۔ وہ اس آرام میں سے کبھی نہ نکالے جائیں گے بلکہ درجہ بدرجہ ان کی نعمتوں کو بڑھایا جائے گا۔ وہ اہلِ جنت) اس میں ہمیشہ رہیں گے (اللہ) اُن کی برائیاں اُن سے دُور کر دے گا (عیوب ونقائص اُتارے جائیں گے اور وہ صاف سے صاف تر ہوتے رہیں گے) اور یہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک بڑی بھاری کامیابی ہے

(۶) وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اور (تاکہ اللہ) منافق مردوں

اور منافق عورتوں کو اور شرک کرنے والے مردوں اور شرک کرنے والی عورتوں کو عذاب کرے (جو) اللہ (کامل مطلق) کے بارے میں ظن کرتے ہیں۔ بُرا ظن (اور اب تو اُن کی حالت تبدیل ہوگئی ہے) اُن کے اوپر بُرائی کا پھیر ہے اور اللہ نے ان پر غضب کیا اور ان پر لعنت کی (یعنی اپنی رحمت سے دُور کر دیا) اور ان کے لیے (دوسرے عالم میں) جہنم تیار کر دی اور وہ لوٹنے کی بُری جگہ ہے۔ (یہ سامان ان کے اعمال کے لحاظ سے ہیں، نہ کہ انتقام یا ضد کی وجہ سے۔ انجام کار یہ بدکار بھی صحتیاب ہوں گے۔ مگر بڑی سخت تکالیف اٹھا کر۔ دوزخ میں صحیح علاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے وہی سلوک کرتا ہے، جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ اس کے کاموں میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ اس کے تمام کام پُر حکمت ہوتے ہیں اور اس کی مملکت میں کوئی بغاوت نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ ارادہ کرے، تو تمام موجودات کو چشم زدن میں تباہ کر کے امکانِ محض میں لے جائے۔ اس کی حکومت کا کوئی حدود اربعہ نہیں اور اس کے غلاموں کی فوجیں بے شمار ہیں)

(۷) وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ غالب حکمت والا ہے (یہاں صفتِ علیم نہیں آئی، جو شروع میں مومنین کے انعامات وغیرہ کے متعلق آئی تھی، بلکہ عزیزاً کی صفت آئی ہے کہ کسی بڑے سے بڑے مجرم کو بھی اس غالبِ مطلق کے سامنے چون وچرا کی طاقت

نہیں کہ میرے ساتھ یہ سلوک کیوں روا رکھا گیا اور کس لیے ایسا برتاؤ کیا گیا؟ غرض اس کے سامنے کسی کو یارائے دم زدن نہیں۔ اس کے علاوہ واضح بات ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم روا ہی نہیں رکھتا اور اس کے کاموں میں غلطی کو راہ ہی نہیں ہے۔ اب آگے رسول کریم کا منصب بیان فرمایا ہے کہ آپ کفار پر داروغے یا وکیل نہیں ہیں۔ بلکہ)

(۸) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ تحقیق ہم نے (اے محمد) آپ کو گواہی دینے والا اور (نیکوکاروں کو) خوش خبری دینے والا اور (جو اس پیغام حق کی مخالفت پر اتر آئے۔ اس کو عذاب سے) ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا۔

(۹) لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ تاکہ تم لوگ خدا پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ (رسل بالطبع ایمان کے لائق ہیں۔ اصل چیز مومن باللہ ہونا ہی ہے۔ باقی تمام رسول اور کتابیں وغیرہ وغیرہ خدا کو منوانے کے لیے آتی ہیں۔ اللہ کو بڑا جانو، اس کی عزت و تعظیم اور پاکیزگی بیان کرتے رہو۔ فرمایا) اور اس (اللہ) کی عزت کرو (کیوں کہ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ عزت اسی کے لیے ہے) اور اس کی تعظیم کرو۔ (اصل واجب التعظیم وہی خدائے واحد ہے) اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو (لائق حمد و ثنا وہی ذات کبریا ہے۔ تمام اشیاء اُس کی تعریف و تسبیح میں لگی ہوئی ہیں۔ تم بھی اے انسانو! اس اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کیا کرو، اب آگے انتظام حکومت کا ذکر آتا ہے۔ فرمایا:)

(۱۰) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ تحقیق وہ لوگ جو تجھ سے بیعت (یعنی عہد) کرتے ہیں۔ سوائے اس کے نہیں کہ وہ (اپنے معبود حقیقی، یعنی) اللہ (کامل مطلق) سے بیعت (عہد) کرتے ہیں (یعنی، رسول صلعم اپنی ذات کے لیے بیعت نہیں لیتے، خدا ہی کے لیے لیتے ہیں کہ وہ اس کے حکم کی پوری اطاعت کریں گے۔ اس لحاظ سے اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) پس جس نے عہد توڑا (مومن ہو یا کافر ہو، کوئی بھی ہو) پس سوائے اس کے نہیں کہ اپنی جان پر عہد توڑا (اس کا خمیازہ بھگتے گا، کیوں کہ عہد شکنی بہت بڑا گناہ ہے) اور جس نے اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے، پورا کیا، تو جلد ہی اللہ اس کو (ایفائے عہد کے انعام میں)

بہت بڑا اجر دے گا (جس طرح مومن کو مارنا سارے جہان کو مار دینے کے مترادف ہے، ایسا ہی اس کافر کو بھی مار دینا سارے جہان کو مار دینے کے برابر ہے، جو قاتل اور مفسد وغیرہ نہ ہو۔ حاملہ عورت جو مطلقہ ہے، اگر حمل کو اپنے خاوند سے بتا کر نہیں جاتی، تو اس کا ایمان اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر نہیں ہے۔ اگر خدا اور قیامت کو مانتی ہے، تو خاوند کو آگاہ کر دے۔ جو شخص شوریٰ اور عدالت کا حکم نہ مانے گا وہ گنہگار ہے۔ خواہ نافرمانی کرنے والا کوئی بھی ہو۔ نبی یا غیر نبی کی تخصیص نہیں ہے۔ الغرض بفضل خدا مکہ بغیر کسی جدال و قتال کے فتح ہو گیا۔ تمام قریش سوائے چند اُمرا کے اندر ہی اندر مسلمان ہو چکے تھے۔ آں حضرت صلعم کی نبوت اور حکومت کو تسلیم کر چکے تھے۔ اس لیے کسی مزاحمت کے بغیر ہی، شہر کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دیے۔ اعراب کو مکہ کی جنگ کے لیے دعوت دی جا چکی تھی، مگر وہ دغاباز لوگ مومنین کے ہمراہ نہ نکلے، حالاں کہ بیعت کر چکے تھے کہ ضرور لڑیں گے۔ فتح پائیں گے یا مر جائیں گے۔ مگر منہ نہ پھیریں گے، لیکن اپنی دلی بیماریوں کے باعث مجاہدین کا ساتھ نہ دیا۔ جب مومنین بامراد واپس آئے، تو یہ مریض القلب لوگ لگے باتیں بنانے اور جھوٹے عذر پیش کرنے کہ کسی طرح حکومت کی نظروں میں نہ کھٹکیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:)

دوسرا رکوع (۱۱) سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○ پیچھے چھوڑ گئے

گنواروں میں سے (اکثر لوگ) تمہیں ابھی کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مالوں اور اہل و عیال نے روک رکھا تھا (اس رکاوٹ کے باعث ہم سے کوتاہی ہوئی) پس ہمارے لیے (اللہ سے) بخشش مانگ۔ (پروردگار فرماتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں) وہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے۔ یہ ہمراہ جانا ہی نہیں چاہتے تھے۔ پس اے رسولؐ اس کے جواب میں ان سے یہ) کہہ دے کہ اگر اللہ نے تمہیں ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے یا تمہیں نفع پہنچانے کا ارادہ کرے، تو کون ہے جو اُس کے ہاں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک (مختار) ہو اور خدا کو اُس کے ارادے سے روک سکے؟ مشائے الٰہی اس کے قوانین کے عین مطابق ہوتی ہے، تو پھر کون ایسے عالی شان عدل و انصاف کے موقعہ پر دم مار سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے تمہارے

خفیہ ہوں یا ظاہر، کسی طرح کے اعمال بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔ تمہارے عذر معقول نہیں ہیں تمہارا خیال ہوگا کہ ہم خدا کو دھوکا دے رہے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا) بلکہ اللہ تعالیٰ اس چیز سے خبردار ہے، جو تم کرتے (اور کہتے) ہو (خدا تمہارے دل کی بات ظاہر کرتا ہے)

(۱۲) بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلٰٓى أَهْلِيْهِمْ أَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا۝ بلکہ تم نے یہ گمان کرلیا تھا کہ (مکہ کی لڑائی سے) رسولؐ اور مومنین اپنے اہل (و عیال) کی طرف کبھی بھی لوٹ کر نہیں آئیں گے (جس طرح اصحاب فیل مکہ پر چڑھائی کرکے برباد ہوگئے تھے، اسی طرح یہ بھی تباہ ہوجائیں گے) اور یہ بات تمہارے دلوں میں زینت دی گئی (یہ خطرہ تمہیں اپنے دل کی بیماری کے سبب محسوس ہوا تھا) اور تم نے گمان کیا تھا گمان بُرا (ایسے گمان کا نتیجہ کیا نکلا؟) اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہوگئے (یہ لوگ حکومت کی نظروں میں ذلیل اور باغی قرار دیے گئے، دغاباز سمجھے گئے۔ اگر جنگ پر نہیں گئے، تو یہ تو الگ گناہ رہا۔ امن و سلامتی کی بیعت کرکے بھی مفسد ثابت ہوئے۔ اس فتنہ پردازی نے انکے ایمان و اعمال کو ضائع کردیا)

(۱۳) وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَإِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا۝ اور جو شخص اللہ (کامل مطلق) اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں رکھتا (اور اپنے عہد کو پورا نہیں کرتا، بلکہ نظام حکومت میں بدنظمی، بدامنی اور بغاوت وغیرہ پھیلاتا ہے، تو یہ شخص بڑا ناقدردان، پورا سرکش اور سخت سزا کا مستحق ہے) پس تحقیق ہم (خدا) نے (ان) کافروں کے واسطے جہنم (کا سخت عذاب) تیار کر رکھا ہے (معذور، یا ایسے لوگ جنہیں جنگ کی خبر نہ پہنچی، وہ اس میں شامل نہیں ہیں، بلکہ ان اچھے بھلے لوگوں کا ذکر ہے، جو حاکم سے بیعت کرکے جان بوجھ کر پیچھے ہٹ گئے اور بعد میں بہانے بنانے لگے۔ اصل حکومت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ رسولؐ کی حکومت تو دوسرے خلفاء میں منتقل ہونے والی ہے۔ فرمایا:)

(۱۴) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے (جو نہ ختم ہونے والی ہے، نہ منتقل ہونے والی ہے، وہی اصل اور بے غلط بادشاہ) جس کو (اپنے قوانین کے مطابق) چاہتا ہے، بخشتا ہے (یہ فعل اس خدا

کا حکیمانہ ہوتا ہے جب کسی کو معافی کے لائق دیکھتا ہے ، تو معاف کر دیتا ہے) اور جس کو (اپنے بے غلط قوانین کے مطابق) چاہتا ہے ، عذاب دیتا ہے (ہمیں ہر وقت اس سے مغفرت مانگنا چاہیے۔ اس کے سوا اور ہے بھی کون جس سے ہم بخشش طلب کریں ؟) اور اللہ (ہمیشہ سے) بخشنے والا مہربان ہے (تم خود اپنی بخشش سے دور رہتے ہو ، ورنہ اس کی رحمت نے ہر شے کو گھیرا ہوا ہے۔ اب مومنین کی صلاح ہوئی کہ فتنہ پرداز یہود کو سرزنش کر کے ملک کی دیکھ بھال کی جائے اور ہر طرف امن قائم کیا جائے۔ اب یہ غزوہ تبوک کی تیاری ہو رہی ہے۔ بلکہ یہ گنوار لوگ پھر بھی ساتھ نہ نکلے ۔ کہ کون اتنی شدت کی گرمیوں میں اتنا لمبا سفر کرے ؛ اور کون خواہ مخواہ کی تکلیف و مصیبت برداشت کرے ۔ لیکن یہی لوگ مال غنیمت میں حصہ پانے کے لیے طرح طرح کے بہانے تراشیں گے ۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا :

(۱۵) سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ جب تم لوگ غنیمتوں کی طرف اُن (غنیمتوں) کو لینے کے لیے نکلو گے ، تو جلد ہی پیچھے رہ جانے والے گنوار کہیں گے ، ہمیں چھوڑ جاؤ ہم تمہارا اتباع کریں گے (یہ لوگ غزوۂ مکہ میں بھی شامل نہیں ہوئے اور اب جب کہ آں حضرت صلعم مسلمانوں کے ساتھ ملک میں امن قائم کرنے کے لیے نکلے ، تو اس موقعہ پر بھی بہانہ بنا دیا کہ ہمیں اپنے پیچھے چھوڑ جاؤ ، تاکہ تمہارے (گھر بار کی حفاظت اور تمہارے مال و اولاد کی نگرانی اور دوسرے کاموں میں تمہاری اطاعت کریں۔ ان کی خواہش ہے کہ اسی طریقے سے مال غنیمت میں حصے لے لیں گے ، لیکن اللہ ان کی بد باطنی سے خوب واقف ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے : وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں (اور اپنے من مانے چاؤ پورے کریں ، مگر ایسا کبھی نہ ہوگا ۔ اے رسولِ کریمؐ ان بد باطنوں سے) کہہ دے کہ تم ہرگز ہماری پیروی نہ کرو گے ۔ اللہ (عالم الغیب والشہادۃ) نے اس سے پہلے اس طرح کہہ دیا ہے (یہ بد باطن اس کو بھی باور کریں گے) پس ابھی کہیں گے کہ یہ بات نہیں ہے) بلکہ تم (لوگ) ہم سے حسد کرتے ہو (اس کے جواب میں آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ہم سے حسد کیا جا رہا ہے ، بالکل غلط ہے) بلکہ (بد باطن لوگ) سمجھتے ہی نہیں ہیں (کہ حقیقت کیا ہے ؟) مگر بہت کم (اور وہ بھی اپنے مطلب

کی بات وہ یہ کہ ملکی خدمت سے گریز اور مالی فوائد کے وقت تقاضا۔ یہ مطلب پرست لوگ ہیں ان بدعہد بد باطن لوگوں کو ایک اور موقعہ دیا جاتا ہے کہ اگر انھیں اپنی رُوسیاہی اور لعنت کو اپنے سے دُور کرنا ہے، تو رسول اللہ صلعم کے ساتھ تو اُن کی زندگی تک نہیں نکل سکتے۔ ہاں ان کے بعد اگر کسی جنگ پہ بلائے گئے اور وفاداری سے خلیفۂ وقت کی اطاعت کی، تو اُن کا یہ دھبہ دُھل جائے گا، ورنہ نہیں۔ غرض تو مخلصانہ اور دیانت دارانہ خدمت سے ہے نہ کہ شخصیتوں سے۔ وہ مسیلمہ کا فتنہ ہو یا عمرؓ کے زمانہ کی شام پر لشکر کشی۔ یہ خدا بہتر جانتا ہے۔ غرض جب بھی موقعہ ملے۔ وہ اپنی پوزیشن صاف کر سکتے ہیں، کیوں کہ نظامِ حکومت رسول اللہ صلعم کے بعد اُن کے جانشینوں میں منتقل ہو جائے گا۔ وہ جب بھی کوئی خدمت کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں)

(۱۶) قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (اے رسولؐ!) پیچھے چھوڑے گئے گنواروں سے کہہ دے (کہ اب عہد شکنیوں کے بعد میرے ہمراہ تو کبھی کسی جنگ پہ تمھیں جانے کی اجازت نہیں۔ یہ تمھاری سزا ہے اور اگر اس سے اپنی صفائی اور بریت چاہتے ہو، تو سنو) تم عن قریب (میرے خلفاء کی طرف سے) ایک جنگ جو قوم کی طرف (وہ رومی ہوں یا اہلِ ایران۔ ان کے ساتھ لڑائی کے لیے) بُلائے جاؤ گے۔ تم اُن کے ساتھ (یا تو) لڑتے رہو گے یا وہ فرماں بردار ہو جائیں گے (ایمان لے آئیں یا جزیہ وغیرہ پہ ہی جنگ کا خاتمہ ہو جائے اور قتال تک نوبت ہی نہ پہنچے) پھر اگر تم اس وقت کے خلیفہ کی) اطاعت کرو گے (تو) اللہ تم کو اچھا اجر دے گا اور (تمھاری سابقہ بُرائیوں سے بھی درگذر کیا جائے گا۔ مگر یہ بھی یاد رکھو کہ) اگر تم (اس موقعہ پر بھی اپنی سابقہ رَوش اور دلی بیماری کی وجہ سے) منہ پھیر لو گے۔ جس طرح کہ تم پہلے پھر گئے تھے (تو پھر اللہ تمھارے سارے گناہوں کی سزا دے گا یعنی) عذاب دے گا تم کو (معمولی نہیں بلکہ) دردناک عذاب (معذوروں پر اُس وقت بھی تکلیف نہ ڈالی جائے گی خلیفۂ وقت اور اس کی مجلس شوریٰ مناسب، نامناسب کاموں کا خود بہتر فیصلہ کریں گے اور حالات کے ماتحت جیسا دیکھیں گے ویسا برتاؤ کریں گے۔ سُن رکھو کہ فوجی خدمت سے یہ لوگ مستثنیٰ ہیں)

(۱۷) لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى

الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾ اندھے پر کوئی

حرج (یعنی تنگی نہیں ہے کہ وہ ضرور فوج میں بھرتی ہو، وہ مکلف) نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر تنگی ہے (کہ میدانِ جنگ میں جائیں، بھلا اندھے اور اپاہج وہاں جاکر کیا کریں گے. سوائے اس کے کہ دوسروں کی تکلیف کا باعث بنیں) اور نہ بیمار پر ہی تنگی ہے (بیماری کو دیکھا جائے گا کیسی ہے؟ یہ نہیں کہ ایک دو دن بخار وغیرہ آکر ہٹ گیا ہو اور وہ شخص جانے کے لائق ہو تو پھر بھی چھوڑا جائے، ہرگز نہیں. یہ تحقیقات کا کام مجلس منتظمہ کے سپرد ہوگا. جو مناسب سمجھے گی کرے گی. معذور تو کسی قوم کا ہو، نیک سلوک کا مستحق ہے. اس کی امداد ضروری ہے. یہ اسلام کا حکم ہے اور تجاوزین فرمان ہے. ہاں مگر یہ لوگ خیرخواہ یا امن پسند ہوں، شریہ، مفسد اور باغی نہ ہوں. اگر ایسے ہوں، تو ان غلط پروپیگنڈا کرنے والو. حکومت کے خلاف لیکچر دینے والوں اور امن وسلامتی کے دشمنوں کو حراست میں لے لیا جائے گا. مگر خورد و نوش اور دوسری ضروریات کے بارے میں ان کی پھر بھی مدد کی جائے گی. عام خیرخواہوں کو کھلا چھوڑ کر ان کی امداد کی جائے گی. عقل مند حکومت حالات کے ماتحت خوب مناسب اندازے لگا لیتی ہے. اور رعایا کے ساتھ جائز سلوک کرتی ہے. شوریٰ کی مخالفت کرنا اچھا نہیں، اس میں ضرور شامل ہونا چاہئے. آپس کی بدظنی گناہ ہے. ساری مجلس بے ایمانی پر کس طرح جمع ہوگی. غرض انتظامی کاموں میں ضرور حکام کی مدد کرنی چاہیے. اور اگر بالفرض کوئی چیز خلافِ شرع بھی ہو، اوّل تو یہ ممکن ہی نہیں ہے. کیوں کہ ہر قوم کے نمائندے موجود ہوتے ہیں. ایسا خیال کرنا غلط ہے کہ مختلف جماعتوں اور علاقوں کے نمائندے ظلم پر جمع ہو جائیں گے، ہرگز نہیں. بفرضِ محال ایسا ہو بھی، تو وہاں سے ہجرت لازمی ہے. بغاوت کرنا بہت بُرا ہے. امن پسند انسان اپنے جیسے انسانوں سے عمدہ برتاؤ روا رکھے گا. وہ کسی طرح بھی بدنظمی کا حامی نہ ہوگا. اس سے بڑھ کر وہ شخص ہے، جس کا ذکر فرمایا ہے) اور جو کوئی اللہ (کامل مطلق) کی فرماں برداری کرے گا رائس کے کاموں، حکموں وغیرہ میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ گردانے گا) اور اس (اللہ) کے رسول کی (بھی انتظامی کاموں میں فرماں برداری کرے گا، تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ کہ اللہ کامل مطلق) اس (فرماں بردار) کو بہشتوں میں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، داخل کرے گا (ان آرام گاہوں میں فرماں برداروں کو بے انتہا مسرتیں ملتی ہیں. نافرمانوں اور باغیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے. ارشاد ہے) اور جو کوئی (اللہ اور اس کے احکام سے) منہ موڑے گا (قانون شکن بن کر بدامنی پھیلائے گا، تو اللہ کامل مطلق) اس (مجرم) کو دردناک عذاب دے گا. (مسلمانوں نے حکومت ملنے پر جبر مذہبی وغیرہ کے مٹانے کو فتح مکہ کا ارادہ کیا، اس لیے بیعت ضروری تھی. ایک ایک مسلمان سے بیعت لی گئی. یہ عہدِ حکومت تھا.

وفاداروں کی تعریف اور عہد شکنوں کی مذمت بیان کی۔ ارشاد فرمایا:)

تیسرا رکوع (۱۸) لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا

البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوا جب انھوں نے درخت کے نیچے تجھ سے (وفاداری کا) عہد کیا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے اخلاص پر نگاہ رکھتا ہے۔ تصنع اور نمائشی کاموں سے بیزار ہے) پس (اللہ عالم الغیب والشہادہ نے) جو کچھ ان (بیعت کرنے والے مومنوں) کے دلوں میں تھا، جان لیا (ان کے سینوں میں صداقت، خلوص اور وفاداری کا جذبہ موج زن تھا۔ اللہ نے ان کے صدق و اخلاص پر خوش ہو کر انھیں تسلی عطا فرمائی) پس ان پر تسکین اتاری (ان کے دلوں سے کفار کی کثرت کا رعب دور فرمایا اور انھیں ثبات و استقلال کی دولت سے نوازا) اور ان کے ثواب میں (ان کو) جلد فتح دی۔

(۱۹) وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (اس کے علاوہ) بہت سی غنیمتیں، جو انھوں نے حاصل کیں (ان انعامات کے ہوتے کیوں نہ ایسے سچے خدا پر پورا پورا بھروسہ کیا جائے؟) اور اللہ غالب حکمت والا ہے (اس کا ہر فعل حکیمانہ ہے۔ اس کا ہر قول سچا ہے۔ وہ اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا)۔

(۲۰) وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ اور اللہ نے تم سے بہت سے مغانم کا وعدہ کیا کہ تم ان کو حاصل کرو گے (پس تم بھی اپنے وعدوں پر قائم رہو، دیکھ لو خدا کتنی جلد اپنے وعدے تم سے وفا کر رہا ہے۔ فتح مکہ وغیرہ اسی کے ضمن میں ہے) پس اس نے تمھارے لیے (غنیمت اور فتح کی) جلدی کی۔ یہ وعدے جلد پورے ہو رہے ہیں۔ تم امن و سلامتی کی راہ سے نہ بھٹکنا اور انفرادی طور پر بغیر جدال و قتال کے لوٹ مار نہ کرنا، نہ مسافروں اور پُرامن لوگوں پر حملہ کر کے ان کی جان و مال کو نقصان پہنچانا۔ پروردگار کا ہر کام میں تصرف ہے۔ وہی تم کو ناہنجاروں پر غلبہ دیتا اور ان کو تم سے نیچا دکھاتا ہے) اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے، تاکہ (اس میں اللہ کے وعدوں کی سچائی کا) ایمان والوں کے لیے) نشان ہو (اور آئندہ بھی تمھاری ایمانی قوت میں اضافہ ہوتا رہے)

اور وہ تمہیں سیدھی راہ پر چلائے (اور تم یہ بھی جان لو کہ ہاتھوں اور دلوں پر خدا کا قبضہ ہے۔ وہ چاہے تو روک سکتا ہے اور اگر کھلا چھوڑ دے، تو اس کا اختیار ہے۔ رسولؐ کو بھی یہی فرمایا "تاکہ اللہ تجھے سیدھے راستے پر چلائے۔ اس کے علاوہ)

(۲۱) وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ اور اور (غنیمتیں بھی دیں) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے (اور) تحقیق ان (غنیمتوں) کو اللہ ہی نے گھیر رکھا ہے (جب موقعہ آئے گا تم ان کی بھی پالو گے) اور اللہ ہر شئے پر قادر ہے (وہ اِنْ شاء اللہ تمہیں ضرور حاصل ہوں گی، مگر تم اللہ کے دین کی مدد کرتے رہو۔ رسولِ کریم کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومن نیکو کاروں کو خلافت بخشی جائے گی جس طرح پہلوں کو بخشی گئی تھی۔ ابھی پوری پوری قوت تم میں نہیں ہے۔ ثابت قدم رہو۔ تم ضرور اپنا دبدبہ اور شوکت دیکھو گے۔ اس خلافت کی ابتدا رسولؐ سے شروع ہوئی۔ آپؐ پہلے خلیفہ تھے۔ بغرض اب ایسے موقعہ پر جو شخص گرڑ جائے گا، وہی اصل کا فرار اصل منافق ہوگا اور بہت بُری طرح رَوندا جائے گا۔ کفار بڑی تعلی کرتے ہیں کہ اگر ہم ڈٹ جاتے، تو کون سامنا کر سکتا تھا؟ یہ غلطی پر ہیں۔ خدا کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ فرمایا:)

(۲۲) وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ اور اگر تم سے (اے مومنو!) وہ لوگ جو کافر ہیں لڑتے (تو) البتہ پیٹھیں پھیر لیتے، پھر اس حالت میں، کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار پاتے (ان کا ہمدرد اور مددگار دُور و نزدیک سے کوئی بھی نہ آتا۔ سب یہ بڑی ذلت اور بے ناکی کی حالت میں کچلے جاتے پھر یہ کیوں خدا کے مقابلہ پر اتر آتے ہیں؟ سن رکھیں کہ جو بھی اللہ کے مقابلہ پر آئے گا، تباہ کر دیا جائے گا۔ جب اللہ کا وعدہ آجائے تو کوئی بھی اس کو ٹالنے والا نہیں ہے۔)

(۲۳) سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ یہی اللہ کی عادت ہے جو پہلے سے ہوتی آرہی ہے اور (اے نبیؐ!) تو ہرگز اللہ کی عادت کے لیے بدل جانا نہ پائے گا (قوانینِ الٰہی ہر حال میں اٹل ہیں۔ اُمرائے مکہ کتنے گھمنڈ میں تھے اور کیسے کیسے بلند بانگ دعوے کرتے تھے۔ مومنوں کے ساتھ کیسا حقارت آمیز سلوک کرتے تھے، یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی، مگر اللہ کا وعدہ پورا ہونا تھا،

سو ہو کر رہا اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ صلح حدیبیہ پر مومن مکہ سے واپس مدینہ چلے آئے تھے اور کفار کا کہا مان لیا تھا۔ اس میں تصرف الٰہی کام کر رہا تھا، کیوں کہ مکہ میں مومن مرد اور مومن عورتیں بھی موجود تھیں۔ وہ لوگ خفیہ طور پر کفار میں ملے جلے ہوئے تھے اور اگر اس وقت مکہ میں جنگ ہوتی، تو مخلوط آبادی کی وجہ سے مومن لوگ بھی مارے جاتے۔ مومنوں کو ان کا علم نہ تھا کہ کون کون مومن ہے، بس ان کو بھی کچل ڈالتے۔ گو ان کو یہ تو معلوم تھا کہ مکہ میں ہمارے مومن دوست ہیں، مگر یہ معلوم نہ تھا کہ کون کون ہیں؟ ایسے موقعہ پر احتیاط ضروری چیز تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی، یعنی خدا اپنے تصرف سے بغیر لڑائی کے مکہ فتح نہ کرا دیتا، تو وہاں کے مسلمان بھی تلواروں کی نذر ہو جاتے اور فاتحین کو اپنی بے احتیاطی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔ بس یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ بغیر کشت و خون کے مکہ پر قبضہ کرا دیا، جیسا کہ ارشاد ہے:)

(۲۴) وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ اور وہی (متصرف خدا تو) ہے (جس نے) تمہیں ان (کفار) پر فتح دینے کے بعد مکہ کے وسط میں ان (مکہ والوں) کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمہارے ہاتھ ان (ملے جلے مومنوں اور کافروں کے قتل) سے روک دیے (اب ان پر دست درازی نہ کرنا اور کسی طرح کی زیادتی یا ظلم نہ کرنا۔ مگر فاتحانہ رنگ ہی اور ہوتا ہے۔ لاکھ ضبط کریں، کچھ نہ کچھ بے ضابطگیاں ہو جاتی ہیں۔ ان کے لیے معافیاں مانگنا اور اپنی اصلاح کرنا ضروری ہے۔ فرمایا:) اور اللہ تعالیٰ اس چیز کا دیکھنے والا ہے جو تم (اے مومنین غالب ہونے کے وقت) کرتے تھے (تمہیں کئی ایک گزشتہ واقعات اور اپنی اور اپنے اہل کی تکالیف جو ان کفار کے ہاتھوں پہنچتی رہی ہیں، یاد آتی ہوں گی اور اسی جذبۂ انتقام کے ماتحت تم سے لغزشیں ہوئی ہوں گی۔ پس مجھ سے معافیاں مانگو۔ میں تو یہ قبول کرنے والا ہوں۔ ظلم و تعدی کوئی بھی کرے، بری ہے۔ بے شک کفار نے تم پر زیادتی کی تھی۔ تم پر ناحق جبر کیا تھا۔ مگر دیکھ لو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ کہ ذلیل ہو گئے۔ وہ شان و شوکت اور جھوٹی عزت مٹی میں مل گئی۔ اچھی باتوں سے لوگوں کو بجبر روکنا بڑا ظلم ہے۔ وہ کون تھے، جنھوں نے ایسا کیا؟ فرمایا:)

(۲۵) هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ

عَلِيمًا لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ وہ وہی لوگ تھے جنھوں نے کفر کیا (خدا سے منہ موڑا
اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ انھوں نے اہلِ اسلام پر سخت ظلم کیے) اور تم کو مسجدِ حرام (میں
داخل ہونے) سے روک دیا تھا اور تمھارے نذرانے (مال جنس، قربانی) کو (بھی) کہ اپنی جگہ
پہنچنے سے رکا رہے (ملکی فائدہ میں بھی تمھارا مال خرچ نہ ہونے دیا۔ پھر ان کی اتنی سختیوں کے
باوجود بغیر جنگ کے مکہ کا فتح ہونا فی الحقیقۃ خدا کی مہربانیوں سے ہے اور یہ خدا کا بڑا احسان ہے
کہ ان کے ہاتھوں سے مکہ میں رہنے والے مسلمان مرد اور عورتیں بچ گئے اور فاتح بھی اس
گناہ سے محفوظ رکھے گئے، ورنہ ان کی وجہ سے فاتحین کو بھی ایذا پہنچتی، کیوں کہ یہ تو ان کو معلوم
تھا کہ اہلِ ایمان کی ایک جماعت پوشیدہ طور پر مکہ میں رہتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:) اور اگر
ایسا مومن مرد اور مومن عورتیں (مکے میں) نہ ہوتیں، جن کو تم جانتے (تک) نہ تھے کہ اگر تم نادانی
میں) ان کو پامال کر دیتے، تو تم کو ان کی طرف سے بغیر جانے بوجھے نقصان پہنچ جاتا (بعض مجبوریوں
سے ان مومنین و مومنات مکہ کو کفار کا ساتھ دینا پڑتا اور تمھارے ہاتھوں موت کی گھاٹ اتر
جاتے اور تمھیں ان کی وجہ سے سزا ملتی، کیوں کہ بات) یہ (ہے) کہ تم ان کو ایسے تلے میں
میدانِ جنگ میں ضرور) کچل ڈالتے۔ پھر تم کو پہنچتی ان کی طرف سے بغیر علم کے سزا (صلح حدیبیہ
کے بعد ایسے مومنوں کی تعداد اور بھی بڑھ گئی تھی۔ خدا نے تم پر بڑا احسان کیا کہ تمھارے ہاتھوں
کشت و خون کے بغیر مکہ فتح کرا دیا اور یہ کیوں کیا؟) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے (مناسب
دیکھے) داخل کرے (غرض تم کو بھی اے فاتحین ایذا سے بچا لیا اور مومنین مکہ پر بھی مہربانی فرما
ئی) اگر (مومنین مکہ کفار مکہ سے) جدا ہو جاتے (تو پھر) البتہ ہم (خدا) ان لوگوں کو جو ان میں
کافر ہوئے، دردناک عذاب دیتے۔ یہ اس لیے کہ مسلمانوں نے باوجود طاقت رکھنے کے ان
کفار سے رواداری برتی اور ان کا کہا مانا، حالاں کہ کفار نے بڑا جوش غضب دکھایا تھا، مگر
یہ سراسر ان کی نادانی تھی، کوئی عقل مندی کا کام نہ تھا، جیسا کہ فرمایا:)

(۲۶) إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ
الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ جب ان لوگوں نے جو کافر تھے، اپنے دلوں میں ضد کی (اور پھر)

ضد (بھی عقل مندی کی نہیں بلکہ) جاہلیت والی (بڑی بڑی شرطیں پیش کیں، جو مسلمانوں نے مان لیں، کیوں کہ اس میں تصرفِ الٰہی تھا اور اس کی حکمتیں پوشیدہ تھیں، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) پس اللہ نے اپنے رسولؐ پر اور ایمان والوں پر تسکین نازل فرمائی (ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس موقع پر ... یہی بہتر ہے۔ اسی لیے وہ کفار کی شرطیں منظور کر کے مدینہ لوٹ آئے۔ اس میں اللہ کی رحمتیں پوشیدہ تھیں۔ جن کا ظہور فتح مکہ کے وقت ہوا) اور ان (رسولؐ اور مومنین) کو تقویٰ کی بات لازم کر دی (اس برتاؤ سے ملک پر بڑا اچھا اثر پڑا اور اسلام کی طرف لوگوں کی توجہ زیادہ ہوگئی۔ یہ کلمۂ تقویٰ بطور نشان کے ہے، جو اوروں کے دلوں پر بھی تسلط جماتا ہے، جس سے وہ جان لیتے ہیں کہ فلاں حق پر ہے اور فلاں ظلم پر) اور (وہ مومن) اس (تسکین و تقویٰ) کے زیادہ حق دار اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کے جاننے والا ہے (اللہ تعالیٰ نے اس فتح کے متعلق مکی زندگی ہی میں رسول کریمؐ کو خواب میں بشارت دی تھی، حالاں کہ اس وقت جابر کفار آپؐ کو تنگ کر کے مکہ سے نکال رہے تھے، مگر وقت آیا کہ آپ امن و سلامتی کے ساتھ مکے واپس تشریف لائے۔ رسولؐ کریم کا یہ خواب لوگوں کے لیے فتنہ بن گیا تھا۔ خواب دن کو بھی آتے ہیں اور بعض پورے بھی ہو جاتے ہیں، مگر وقوع سے پہلے ظنی ہی رہتے ہیں۔ لیکن وحی الٰہی کا معاملہ جدا ہے۔ وہ چیز یقینی ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ)

چوتھا رکوع (۲۷) لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ البتہ تحقیق اللہ نے اپنے رسولؐ کو حق کے ساتھ خواب سچ کر دکھایا (وہ خواب کیا تھا؟ یہ کہ) اگر اللہ نے چاہا، تو تم مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور بال کترا کر امن (و سلامتی) کے ساتھ داخل ہوگے اور (کسی طرح کا) خوف نہ کرو گے۔ پس (اللہ غیب دان نے) جان لیا، جو کچھ تم نے نہ جانا تھا پس (اللہ نے) اس سے پہلے ہی جلد فتح کرا دی (اللہ نے کیا جانا تھا۔ اس کا ذکر سورہ قصص میں ہے کہ اللہ تم کو وطن کی طرف موڑ لایا۔ اللہ اپنے رسولوں کو غلبہ دیتا آیا ہے، تجھے بھی مکہ میں فتح عطا کرے گا۔ قوم قریش کے پاؤں اکھڑنے والے ہیں۔ تم خود فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوگے، نہ کہ کسی طاقت کے بل بوتے پر)

(۲۸) هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ وہی (اللہ تو) ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا (جس میں جبر، تقلید، خیانت، جھوٹ اور فریب وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے۔ بُرائی سے بچنا اور انصاف پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے پھر ایسا دین دوسرے خود ساختہ دینوں پر کیوں غلبہ نہ پائے؟ تو جو دین، دینِ حق ہوگا، یقیناً افضل و برتر ہوگا، ایسا دین لے کر محمد رسول اللہ قرآن کی شکل میں خدا کی طرف سے آگئے ہیں۔ وہی دین سب انسانوں کا مشترک دستور العمل ہوگا۔ نہ کہ پاپیت، رہبانیت، مرزائیت وغیرہ قرآن مجید نے سب اعلیٰ باتیں بیان فرما دیں۔ یہ کتاب رسم پرستی سے سخت بیزار ہے۔ خوبی والے معقول کاموں کی ترغیب دیتی ہے۔ اندھی تقلید سے بچنے کی تلقین کرتی ہے۔ نیکوں کا ذکر کرکے حاملِ قرآن کو ان کی اقتدا کرنے کا حکم دیتی ہے، مگر ان کے ذکر کو قرآن اپنے اندر لاکر ایسا کہتا ہے، نہ کہ خارج میں رکھ کر۔ یاد رکھو کہ روایات نے دنیا کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ احادیث کو کتاب الٰہی پر حکمران بنایا گیا ہے۔ ان کو مثلہٗ معہٗ کہنا تو ایک معمول بن گیا ہے۔ ان کے بغیر قرآن کو ناقص، گونگا اور کیا کیا کچھ کہا جاتا ہے۔ لوگو خدا کے لیے بتاؤ کہ اگر یہ سچ ہے، تو کیا قرآن مجید صرف احادیث کا اشتہار ہی دینے آیا تھا؟ خوب ذہن نشین کر لو کہ سوائے اس دینِ حق کے کوئی دین بارگاہِ ایزدی میں مقبول نہیں ہے۔ محمدی، حنفی، شافعی، اہل حدیث وغیرہ کہلانے سے تفرقہ ہی بڑھے گا۔ غلبہ تو صرف اتحاد و اتفاق سے حاصل ہوگا اور اتحاد و اتفاق صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب کہ ہم سب مل کر اللہ کی کتاب پر عامل ہو جائیں۔ فرمایا) تاکہ اس (دینِ حق) کو تمام دینوں پر (بدلائل نہ کہ بجبر) غالب کرے اور اللہ (کامل مطلق اس دین کی صداقت پر) شہادت دینے والا کافی ہے (اب قرآن مجید کو اپنا دستور العمل بنانے والوں کے ذاتی وصف دیکھو کہ اس پر چل کر کیسی جماعت تیار ہوئی؟ فرمایا)

(۲۹) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ محمد (جو) اللہ کا رسول ہے

(نہ کہ دوسرا احکم الحاکمین یا منتہائے سوال یا شریک) اور جو لوگ اس (رسول) کے ساتھ ہیں (یہ سب مل کر کوشش کرتے ہیں اور اتحاد و اتفاق سے اپنے معاملات انجام دیتے ہیں، تو یہ چیز کفار کو ناگوار گذرتی ہے۔ فرمایا کہ) کافروں کے مقابلہ پر مضبوط ہیں (پہلے نرمی سے، پھر صلح کے رنگ میں صداقت پیش کرتے ہیں۔ جب اتمام حجت کر چکتے ہیں اور کوئی پہلو سوائے جنگ کے دوسرا نظر نہیں آتا، تو پھر حملۂ کفار کے موقعہ پر ڈٹ جاتے ہیں۔ سیسے اور فولاد کی دیوار بن جاتے ہیں۔ وجہ یہ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر وغیرہ کہہ کر اپنی طاقت اور قوت زائل نہیں کرتے۔ مسلمانوں کا باہمی اتحاد کافروں کو سخت ناگوار گذرتا ہے۔ مسلمانوں کی دوسری خوبی یہ ہے کہ) آپس میں ایک دوسرے پر رحیم (مہربان) ہیں (ایک دوسرے کے رنج و غم میں حصہ لیتے ہیں اور جائز امداد بھی کرتے ہیں۔ اے مخاطب!) تو اُن کو دیکھتا ہے (کہ خدا کے آگے) جھکتے ہیں۔ اللہ کا فضل اور (اُس کی) رضامندی طلب کرتے ہیں۔ ان کی نشانی (یہ ہے کہ) سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں میں (روحانیت کا) نشان ہے۔ ان کی یہی مثال (یا صفت) توراۃ (مقدس) میں ہے (متی باب ۳۰ میں دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ سینا سے فاران وغیرہ وغیرہ قصہ موجود ہے) اور (یہی) مثال (یا صفت) ان کی انجیل (شریف) میں ہے (وہ اس طرح ہے کہ وہ جماعت) گویا ایک کھیتی ہیں، جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کھیتی والے اس سے حیران ہو گئے (کہ معمولی سے کام کا یہ ثمرہ! سبحان اللہ وبحمدہ) تاکہ کفار ان (مومنین) کے (عروج کو دیکھ کر) غیظ میں آئیں (اور دیکھ دیکھ کر جلیں۔ آگے فرمایا۔ ایسی حالت میں وہ وعدۂ الٰہی پورا ہوگا۔ اگر ان خوبیوں کو چھوڑ دیا ثابت قدمی کے بجائے بزدلی دکھائی اور امتحان میں پورے نہ اترے، تو پھر یہ وعدہ بھی پورا نہ کیا جائے گا۔ ہاں استقلال و ہمت سے کام کیے جاؤ۔ اگر تم خدا کی آزمائشوں میں پورے اترے تو دنیا و آخرت میں بڑے بڑے انعامات حاصل کرو گے) جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور صلاحیت والے عمل کرتے رہے، اُن سے خدا نے (گناہوں کی) بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔

سُوْرَۃُ الْحُجُرَات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس سورۃ کا نام حجرات ہے۔ حجرات حجرہ کی جمع ہے۔ اس سے پہلے سورۃ الفتح ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا ذکر ہے، جو مومنوں کو حاصل ہوئیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بغیر جنگ کے فتح مبین نصیب ہوئی۔ اب حجرات کا تعلق الفتح سے اس کے ترجمہ وتشریح سے واضح ہوگا، جس سے نظم وربط صاف نظر آجائے گا۔ مکہ فتح ہوگیا ہے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان وسطی حصہ پر رسول کریمؐ کا تسلط ہوچکا ہے اور دُور دُور سے وفود آکر حضورؐ کی خدمت میں مشرف باسلام ہوتے ہیں۔ عرب کے ارد گرد اکثر چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں، وہ اسلام قبول کرکے بھی بعض دفعہ آپس میں لڑتی تھیں۔ ان کی معمولی جنگ کو ایک فاسق نے بڑی رنگ آمیزی سے بیان کرکے بعض تیز طبع صحابہؓ کو بھڑکا دیا۔ وہ رسول کریمؐ کو گھر سے پکارنے گئے اور آواز پہ آواز دینا شروع کی کہ حضورؐ باہر تشریف لائیں۔ گویا ایک دُہائی سی مچادی۔ نہ یہ معلوم ہے کہ آپؐ کس حجرہ میں تشریف فرما ہیں۔ نہ اس کا انتظار ہے کہ حضورؐ خود باہر تشریف فرما ہوں، تو عرض کریں گے، نہ وحی کا انتظار کیا کہ خدا حکم دے گا اور نہ خود ہی اس بے بنیاد خبر کی پوری جانچ پڑتال کی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب آپؐ باہر آتے، تو ادب سے آپؐ کے گوش گذار کرتے۔ پھر جیسا آپؐ فرماتے اس پر عمل کرتے، لیکن انھوں نے نہ رائے پوچھی، نہ مشورہ کیا، بلکہ چیخنا چلانا شروع کردیا۔ جب آپؐ باہر تشریف لائے تو ان لوگوں نے فوراً اپنی طرف سے تجویز پیش کردی کہ یہ کرنا چاہیے، وہ کرنا چاہیے، وغیرہ۔ چاہیے تو یہ تھا کہ پہلے آپؐ کی بات سن لیتے، پھر بعد میں کچھ عرض کرتے۔ اس سورۃ میں مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ وہ رسول کریمؐ کی عزت و احترام کو ملحوظ رکھا کریں۔ اور حضورؐ کی موجودگی میں نہایت ادب کے ساتھ گفت وگو کیا کرو اور جب تک حضورؐ کی طرف سے مشورہ نہ طلب کیا جائے، تم خود بخود اپنی تجویزیں نہ پیش کیا کرو۔ کیوں کہ امیر مجلس یا پریذیڈنٹ کے سامنے گفتگو میں بلا اجازت پہل کرنا نہایت نامناسب اور خلافِ ادب ہے۔ نہ صرف خلافِ ادب ہے، بلکہ ڈسپلن کے بھی خلاف ہے۔ مومنوں کو خدا کے حکم اور آں حضرت صلعم کے ارشاد کا انتظار کرنا چاہیے فرمایا:

پہلا رکوع (۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ
رَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ اے وُہ لوگو! جو ایمان لائے
ہو، اللہ (کامل مطلق) اور اُس کے رسولؐ کے آگے نہ بڑھو (نہ پیغام رسالت میں اور نہ
اس کے چیف جج ہونے کی حیثیت سے اس کے انتظامی امور میں) اور اللہ سے ڈرو (اس سے
تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہیں ہے) تحقیق اللہ سنتا جانتا ہے (اس کے حکموں کا انتظار کیا کرو
جلدبازی نہ کیا کرو، آداب مجلس کا خیال رکھا کرو۔ مشورہ کرنا تو ضروری ہے، مگر اپنی ہی بات منوانے
کی کوشش میں نہ رہا کرو، بلکہ کثرت رائے کا لحاظ رکھا کرو۔ یہ امن و ایمان کی نشانی ہے۔ فرمایا!)

(۲) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ
النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ
تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اے وُہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی
آوازوں کو نبیؐ (اور اس کے بعد اس کے جانشینوں) کی آواز پہ بلند نہ کرو (سورۃ نور کے اخیر
میں فرمایا کہ نبیؐ (یا اس کے خلفاء) کی پکار اور وغیرہ کو عام لوگوں کے بلاوے کی طرح
نہ جاننا۔ یہ سرکاری پیغام اور بلاوا ہوتا ہے، اس کی فوری تعمیل کرنا ضروری ہے) جس طرح تم آپس
میں ایک دوسرے سے زور (زور) سے بولتے ہو، اس طرح اس (پیغمبرؐ) کے ساتھ زور سے
نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو شعور (اور سمجھ بھی) نہ ہو۔

(۳) اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ
اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ
اَجْرٌ عَظِیْمٌ ○ تحقیق وُہ لوگ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ (صلعم) کے سامنے پست
کرتے ہیں، یہی وُہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے آزما لیا (نتیجہ کیا ہے)
ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے (یہ بتا کر فرمایا کہ)

(۴) اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○

تحقیق وہ لوگ جو تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں اکثر بے عقل ہیں (کیونکہ عقل جیسی چیز سے کام نہ لیا۔ عقل اللہ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے، جو عقل سے کام نہیں لیتے، وہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ عقل خیر کثیر ہے۔ عقل سے بے بہرہ شخص دور اندیش نہیں ہوتا اور اکثر غلطیاں کرتا ہے۔ جیساکہ فرمایا:)

(۵) وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اور اگر وہ صبر کرتے، یہاں تک کہ تو خود نکل کر ان کے پاس آتا، تو البتہ ان کے واسطے بہتر ہوتا (خیر، جو ہوا سو ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کی نادانی سے درگذر فرمایا) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (ایک فتنہ پرداز شخص، جو کاذب اور فاسق تھا، جب کوئی موقعہ آتا، چالاکی سے کام لے کر اپنا الو سیدھا کر لیتا اور سادہ مسلمانوں کو بھڑکا کر ان سے لغزشیں کرا دیتا اور فتنہ میں ڈال دیتا تھا۔ فرمایا: آئندہ ایسے لوگوں سے احتراز کرو:)

(۶) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا

اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے (اچھی ہو یا بری، جلدبازی نہ کیا کرو، بلکہ مجلس شوریٰ قائم کر کے تمام پہلوؤں پر سوچ بچار کر لیا کرو) پس تحقیق کر لیا کرو (یہ مشہور فاسق، بڑا فتنہ پرداز اور غیر بادشاہوں کا پروپیگنڈا کرنے والا تھا۔ اسی لیے منع فرمایا کہ اچھی طرح خبروں کی تحقیق کر لیا کرو۔ مبادا بلا غور و فکر کسی پر حملہ کر کے غلطی کا شکار ہو جاؤ اور بعد میں شرمندگی اٹھانا پڑے، ایسا نہ ہو کہ) تم کسی قوم کو نادانی سے ایذا پہنچاؤ۔ پھر جو کچھ تم نے کیا، اس پر نادم ہونا پڑے (تحقیق کر لیا کرو، تو شرمندگی سے بچ جایا کرو گے۔ اس قسم کے معاملات میں تمہیں وحی کا انتظار کرنا چاہیے اور اگر وحی بھی نہ آئے، تو بعد میں مشوروں کا حق ہے، جیساکہ ارشاد ہے:)

(۷) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ

مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ

فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ اور جان رکھو کہ تم میں اللہ تعالیٰ کا رسولؐ موجود
ہے (وحی کے مقابلے میں شوریٰ کو ترجیح نہ دو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عموماً تمھاری کثرت رائے
کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن اگر ساری باتیں تمھاری ہی مانتے رہیں، تو یہ بہت بُری چیز ہے
ارشاد ہے :) اگر (یہ رسولؐ) بہت سے کاموں میں تمھارا ہی کہا مانا کرے۔ تو البتہ تم مشکل
میں پڑ جاؤ (وحی کو چھوڑ کر تمھاری ہی باتیں مانی جائیں، ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اللہ نہیں
چاہتا کہ تمھیں مصیبت پہنچے۔ اس سے تم کو دُور رکھنا چاہتا ہے۔ اگرچہ تمھارے عمل تو اسی
لائق ہیں) ولیکن اللہ نے تمھاری طرف ایمان کو پیارا کیا ہے اور اس (ایمان) کو تمھارے
دلوں میں زینت دی اور تمھاری طرف کفر اور گناہ اور نافرمانی کو ناپسندیدہ بنا دیا۔ یہی
لوگ ہدایت والے ہیں۔

(۸) فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ یہ اللہ کا
فضل اور اس کی نعمت ہے (کہ اس نے تمھیں ہدایت عطا فرمائی) اور اللہ جاننے
والا اور حکمت (و دانائی) والا ہے (اس کے علم و حکمت کو دیکھو کہ تم لوگ تیار تھے کہ
چل کر مومنوں سے لڑو۔ اس علیم و حکیم نے کیسی عالی شان نصیحت فرمائی کہ مومنو آپس
کی لڑائی میں تم ایسا کیا کرو جیسا کہ ارشاد ہے :)

(۹) وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا
بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ
تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا
بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اور اگر مومنوں میں
سے (کوئی) دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں (تو مرکزی حکومت کا کام یہ نہیں کہ دونوں کو
کچل ڈالے، بلکہ اس کا فرض یہ ہے کہ) پس ان دونوں میں اصلاح کر دو (اور اس پر

زور دو کہ فساد ختم ہو) پھر اگر ان دونوں میں سے ایک فریق دوسرے پر بغاوت اور زیادتی کرے (تو) پس (پھر مرکزی حکومت کا فرض یہ ہے کہ) سرکشی کرنے والوں سے لڑو (کیا ان کو ختم ہی کر دینا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ہر طرح اصلاح کرنی ہے اور وجہ مخاصمت کو ہٹانا ہے) یہاں تک کہ اللہ کے حکم (عدل و انصاف) کی طرف لوٹ آئیں (اور جان لیں کہ بے شک ہمارا آپس کا جدال خدا تعالےٰ کو سخت ناپسند ہے) پس اگر وہ (خدا کے حکم یعنی انصاف کی طرف رجوع لائیں (تمہارا سمجھانا مفید ثابت ہو، تو) پھر دونوں (فریق) کی عدل کے ساتھ صلح کرادو۔ اور انصاف کرو (کسی فریق سے خلافِ عدل و انصاف برتاؤ نہ کیا جائے اور یاد رکھو) تحقیق اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (جس فریق کا جو حق ہے، اس فریق کو دلادو۔ دو یا زیادہ فریق ہوں، تو ان میں عدل و انصاف کیا جاتا ہے، سلوک اور رعایت نہیں کی جاتی۔ سلوک صرف ایک فریق سے کیا جاتا ہے۔ انصاف کا تو کفار کے بارے میں بھی حکم ہے۔ غرض ناانصافی کو کہیں بھی جائز نہیں رکھا، تو کیا پھر آپس میں ہی انصاف کو چھوڑ دوگے؟ سُن رکھو کہ)

(۱۰) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ سوائے اس کے نہیں کہ (سارے کے سارے خواہ کہیں کے بھی رہنے والے ہوں) مسلمان (آپس میں) بھائی (بھائی) ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں (اگر کوئی تنازع ہو جائے تو اُن) میں صلح کرادو (کسی کی رعایت نہ کرو، کیوں کہ یہ عدل و انصاف کے خلاف ہے) اور (بڑی بات یہ ہے کہ) اللہ سے ڈرو (ہر ایک کو خدا کے حضور اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اگر اپنی بہتری چاہتے ہو، تو معاملات وغیرہ کو درست رکھا کرو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے (اگر کوئی شخص کسی امن پسند کافر کو بھی مار دے، تو گویا اس نے سب لوگوں کو مار دیا۔ فساد بُری چیز ہے۔ صلح عالی شان شے ہے۔ امن و سلام اللہ تعالےٰ کی بڑی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے۔ اس کی قدر کرنا چاہیے۔ کسی کی بے وجہ دل آزاری کرنا، الزام لگانا، بہتان تراشی کرنا، چھیڑ چھاڑ کرنا بہت بھاری گناہ ہیں۔ کسی پر عیب لگانے والا ضرور مجرم ہے۔ آپس میں شیر و شکر ہو کر رہنے سے یہ دُنیا بھی چھوٹا سا بہشت بن جاتی ہے۔ فتنے اور فساد سے جتنی جلد ہو سکے، توبہ کرنی چاہیے۔)

قرآن مجید برائیوں کو برائیاں ہی قرار دیتا ہے، جیسا کہ آیت ذیل سے بھی واضح ہے۔ فرمایا:

دوسرا رکوع (۱۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى

اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا
مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ
بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے (یہ بات فساد کی بنا ہے۔ ہنسی مذاق سے بعض دفعہ کشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی ہے) ہو سکتا ہے کہ وہ (قوم جس کے ساتھ تمسخر کیا جاتا ہے) ان (ٹھٹھا کرنے والوں) سے بہتر ہو۔ اور نہ عورتیں ہی عورتوں سے (تمسخر کریں) ہو سکتا ہے کہ وہ ان (تمسخر کرنے والیوں) سے بہتر ہوں اور اپنی جانوں کو عیب نہ لگاؤ (ایک دوسرے کی عیب جوئی کرکے انسانیت کو بدنام نہ کرو) اور نہ (ایک دوسرے کو) بُرے لقب دو۔ ایمان لانے کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے (ایک دوسرے سے تمسخر کرنا، ایک دوسرے پہ عیب لگانا، بُرے خطاب دینا، فاسقانہ کام ہیں، جو مومن کی شان کے شایان نہیں) اور جو (مذکورہ بالا بُرائیوں سے) توبہ نہ کریں، پھر یہی لوگ ظالم ہیں (یہ بنیادی چیزیں ہیں، ان سے فوراً بچنا چاہیے، ورنہ ہوتے ہوتے ایسا شخص عیب تلاش کرے گا، جاسوسی کرے گا، چغلیاں کھائے گا اور ظلم و زیادتی میں ترقی کرتا ہوا بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوگا۔ فرمایا:)

(۱۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ
بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ
اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ○ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت ظن کرنے سے بچا کرو (کل سے بچنا نہیں فرمایا، اکثر سے فرمایا۔ کیوں کہ کئی ایک ظن مفید بھی ہو سکتے ہیں۔ حفظِ ماتقدم اچھی چیز ہے۔ مثلاً کسی سے روپیہ لینے کے لیے دوسرے شہر میں جانا ہے، تو احتیاطاً کچھ نقدی اور سامان سفر ساتھ رکھ لیا کہ شاید وہ رقم نہ دے یا وہاں وہ

مقدرحن موجود ہی نہ ہو، وغیرہ وغیرہ۔ سفرخرچ اس گمان سے رکھنا گناہ نہیں۔ ہاں ظن کی بناء یا وجہ سے فساد وغیرہ نہ کیا جائے۔ کیوں کہ) تحقیق بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (جو لوگ حق الیقین کے مقابلہ میں ظن کو ترجیح دیتے ہیں، وہ گنہگار ہیں) اور (لوگوں کے حالات میں) تجسس نہ کیا کرو (ہاں صحیح خبروں کا حاصل کرنا حاکم و محکوم کے تعلقات کو خوش گوار بنایا جانا اور غلط فہمیوں کو دُور کرنا۔ نیک نیتی سے مفید کاموں کی خاطر تکالیف اٹھانا، نیکی کے کام ہیں۔ کسی حقدار مفلس کے ساتھ سلوک وغیرہ کرنے کے لیے خفیہ طور پر اس کے حالات معلوم کرنا نیکی ہے۔ بُری نیت اور شور و شر پیدا کرنے کے لیے تجسس کرنا بہت بڑا جرم ہے) اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کریں (کسی شخص کے رُوبرو تو بڑی تعریف و توصیف کرنا، مگر پس پشت اس کی بُرائیاں بیان کرنا سخت عیب اور بھاری گناہ ہے۔ جو شخص سامنے موجود نہیں ہے، اس میں اور مُردے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر موجود ہوتا، تو شاید اس کی بُرائی بیان کرنے کے بجائے اس کی خوشامد اور تعریف کی جاتی۔ حاضر نہیں ہے، تو جو دل میں آتا ہے، بے دھڑک کہہ دیتے ہو۔ کہ روکنے والا کوئی نہیں۔ دیکھو غیبت کو کس چیز سے مثال دی گئی ہے کہ) کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے (کبھی نہ کھائے گا) پس تم اس سے نفرت کرو گے۔ ایک تو مُردے کا گوشت اور وُہ بھی بھائی کا، کون پسند کرے گا؟ پھر اگر یہ پسند نہیں کرتے، تو روحانی بُرائی کو کیوں بُرا نہیں مانتے؟ یہ ہے غیبت کی مثال۔ پس ایسی برائیوں سے جہاں تک ہو سخت اجتناب لازم ہے اور ان گناہوں سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی بتایا کہ یہ خوبی تقوٰے سے حاصل ہوتی ہے۔) اور اللہ سے ڈرو (یہی ان بیماریوں کا اصل علاج ہے۔ پس ہر بُرائی سے بدل و جان خالص توبہ کرو) تحقیق اللہ (کامل مطلق) بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے (مگر سچے دل سے ان قبیح افعال سے باز آنا اور آئندہ احتیاط رکھنا شرط ہے۔ تم سب انسانی برادری ایک ہی والدین کی اولاد ہو، تمھیں چاہیے کہ آپس میں حریت و مساوات قائم رکھو۔ سوائے نیک اعمال کے اور کوئی خوبی نہیں ہے۔ وہی خدا کے نزدیک اچھا ہے، جو اس کا فرماں بردار ہے۔ پس اگر خدا کا منظور نظر بننا ہے، تو اس کے احکام پر بطیب خاطر عمل کرو۔ نہ کہ انسانی برادری میں بے جا فخر و تعلّی سے کام لو۔ فرمایا:)

(۱۳) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ

اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ۝ اے انسانو! (مومنوں یا مسلمانوں ہی کو نہیں، بلکہ النّاس کا لفظ لا کر سب بنی آدم کو فرمایا کہ) تحقیق ہم (خدا) نے تم کو ایک مرد اور (ایک) عورت سے پیدا کیا (یعنی آدم و حوّا سے۔ پھر کس گھمنڈ پر ایک دوسرے کو حقیر و ذلیل جانتے ہو؟ کیا تم ایک ہی جوڑے کی ذرّیات نہیں ہو؟ تمھارا آپس میں اونچ نیچ کا برتاؤ سخت کمینہ پن ہے اور چادرِ انسانیت کو داغ دار بنانا ہے۔ ہاں شناخت کے لیے قبیلے، گروہ، کنبے وغیرہ بنانا بُرا نہیں، بلکہ جائز ہے، مگر ان میں مدارج قائم کرنا بدترین فعل ہے۔ اس میں بجائے فائدہ کے خسارہ ہے) اور تم کو (اے لوگو!) گروہ (چھوٹے چھوٹے کنبے) اور (بڑے بڑے) قبیلے بنایا (پھر ذاتیں، گوتیں، زبانیں، مُلکی اختلاف، آب و ہوا وغیرہ کے فرق، رنگ، قد، لباس، بود و باش، الگ الگ مزاج اور دوسرے تمام حالات کی رنگا رنگی اس لیے ہے) (تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو (صرف پہچاننا مقصود ہے، نہ کہ برتری یا کم تری کی تفریق۔ خاندانی یا مُلکی عزّت محض جھوٹی عزّت ہے۔ خدا کے ہاں کوئی انسانی گروہ، دوسرے انسانی گروہ سے افضل نہیں ہے۔ اس کے ہاں تو محض تقویٰ ہی عزّت کا مستحق ہے۔ جیساکہ فرمایا) تحقیق خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزّت والا وہ ہے، جو زیادہ پرہیزگار (خدا سے ڈرنے والا) ہے (پھر اس پرہیزگاری میں ظاہرداری، تصنّع یا نمائش نہ ہو۔ یاد رکھو) تحقیق اللہ (ہی اصل) علم والا (اور اصل) خبردار ہے (اسے کوئی شخص دھوکا اور فریب نہیں دے سکتا۔ اس کی نگاہ باریک سے باریک چیزوں کو بھی کما حقہٗ جانتی ہے۔ اس سے بچ کر کوئی کہاں جائے گا؟ پس اکرم بننے کی سرتوڑ کوشش میں لگے رہنا اصل دین داری اور اتقا ہے۔ سوائے خدا کے زیادہ یا کم یا بالکل نہ ڈرنے والے کو کون جان سکتا ہے؟ فرمایا:)

(۱۴) قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ لٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَ لَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَ اِنۡ تُطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَا یَلِتۡکُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِکُمۡ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۝ گنواروں (کی جماعت) نے (فخر کے طور پر) کہا (کہ) ہم ایمان لائے (یہ وہی زبانی جمع خرچ کرنے والے گنوار ہیں، جو حضورؐ کو پکارتے، چیختے، چلّاتے اور شور مچاتے تھے۔

اے پیغمبرؐ! ان کو) کہہ کہ تم ایمان نہیں لائے ولیکن یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ ایمان حق کو حاصل کر لینا ہے اور اسلام کا مطلب ہے مائل بحق ہونا۔ پس ابھی تم ایمان نہیں لائے، بلکہ معاملہ کو درست کیا ہے۔ ہاں مائل ہونا ہی رحمت خداوندی ہے۔ معاملہ کی درستی بھی بڑی بات ہے۔ مسلم مائل بحق تو ہمیشہ ہی رہے گا۔ اور اُسے حق کی طلب بھی رہے گی، مگر مومن وہ ہے، جس نے حق پالیا۔ اصل مومن وہ ہے۔ جو اللہ کامل مطلق پر پختہ ایمان لائے اور رسالت کا دل و جان اور مال سے حامی ہو، مالی یا جانی جہاد سے جیسا بھی حالات کا مناسب تقاضا ہو، دریغ نہ کرے۔ پس اے اعراب! اللہ تعالیٰ کے قدرتی احکام اور رسولؐ کے عدالتی حکموں کو مانو! تمہاری خدمات کا بدلہ، نہ کہ ایمان کا، تم کو ضرور ملے گا۔ جیساکہ فرمایا:) اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرو (تو) تم کو تمہارے کاموں میں کچھ بھی کم نہ دیا جائے گا (یہ بدلہ تمہارے معاملات کی راستی کا ہوگا، نہ کہ ایمان کا بدلہ۔ غرض تمہاری خدمات کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے گا اور تمہاری لغزشیں بھی معاف کردی جائیں گی) تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (اب مسلم کے بعد مومن کا ذکر فرمایا:)

(۱۵) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ○ سوائے اس کے نہیں، کہ

ایمان والے وُہ لوگ ہیں، جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ پھر شک نہ کیا (پھر اپنے ایمان کا جہاد کی صورت میں عملی ثبوت بھی دیا) اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے لڑے (جیسا موقعہ آیا، ویسی کوشش کی۔ کبھی منہ نہ پھیرا۔) یہی لوگ (اپنے ایمان میں) سچے ہیں (ان صادقین کا ذکر فرما کر رُوئے سخن اعراب کی طرف ہوگیا ہے کہ یہ اپنے اسلام پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ اچھا، اگر ہم مومن نہیں، تو کیا مُسلم ہونا بھی ہمارا قابل ستائش و تحسین نہیں ہے؟ کیا یہ ہمارا کم احسان ہے کہ ہم نے معاملات کو درست رکھا اور تمہارے خلاف شور و شر نہیں اُٹھایا۔ اے پیغمبرؐ! ان سے)

(۱۶) قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ کہہ دے
کیا اپنے دین (معاملات) کا اللہ تعالیٰ (عالم الغیب والشہادۃ) کو علم دیتے ہو (خوب!)
اور اللہ (کامل مطلق) جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) جانتا ہے اور اللہ
ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

(۱۷) يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ
اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝ (اے رسولؐ! یہ گنوار) تجھ پر احسان رکھتے ہیں، یہ کہ وہ مسلمان ہوئے
(ان کو) کہہ دے کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو، بلکہ تم پر اللہ احسان رکھتا
ہے کہ تم کو ایمان کی طرف ہدایت کی (تم احسان الٰہی مانو، نہ کہ ہم کو احسان جتلاؤ۔ تم نے کہا،
ہم مومن ہیں۔ خدا نے فرمایا، مومن نہیں بلکہ مُسلم ہو۔ درجہ بدرجہ مرحلے طے کرو۔ کوششیں
جاری رکھو۔ عملی ثبوت دو۔ امتحان میں ثابت قدم رہ کر پورے اُترو، اعمال صالح کرو) اگر تم
سچے ہو (اگر ٹھیک رہو گے، تو انعامات اور حق حاصل کرو گے۔ صاف باطنی سے کام کیے
جاؤ۔ ریاکاری اور فریب وغیرہ سے کام نہ چلے گا۔ کیوں کہ)

(۱۸) اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ تحقیق اللہ (کامل مطلق) آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں جانتا
ہے (جو تم سے غائب ہیں، ورنہ اس خدا کے لیے تو غیب اور آشکارا یکساں ہے) اور اللہ
عزّوجلّ کامل مطلق) دیکھنے والا ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو (تمھارے خفیہ اور ظاہرا اعمال
سے واقف ہے۔ پس چاہیے کہ ہر وقت اُس سے ڈرتے رہو اور زندگی کے تمام معاملات
میں اس امر کا یقین رکھو کہ تمھارا اچھے سے اچھا اور بُرے سے بُرا عمل تمھارے دل کی گہرائیوں
میں پرورش پانے والی نیک و بد خواہشیں اور ارادے سب اُس علیم مطلق کی نظر میں ہیں۔ کوئی
بُرائی اس کی سزا سے اور کوئی نیکی اس کی جزا سے خالی نہیں رہ سکتی۔ واٰخر دعوٰنا فالحمد للّٰہ رب العٰلمین